هر گھر کے لیئے

ماهنامه حنا

جلد 38 شمارہ 12

دسمبر 2016

قیمت -/60 روپے

بانی .... سردار محمودؒ
مدیر اعلیٰ .... سردار طاہر محمود
مدیرہ .... تسنیم طاہر
نائب مدیران .... ارم طارق
تحریم محمود
فوزیہ شفیق
قانونی مشیر .... سردار طارق محمود (ایڈووکیٹ)
آرٹ ایڈیٹر .... کاشف گوریجہ
اشتہارات .... خالدہ جیلانی
0300-2447249
افراز علی بارش
0300-4214400

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد — بشیر اعجاز — 7

نعت — اسد جنگ — 7

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں — سیدہ اختر نثار — 8

انشاء نامہ

اندر کیا ہے — ابن انشاء — 13

انٹرویو

ایک دن حنا کے ساتھ — حمیرا نوشین — 15

ناولٹ

تو میری ضرورت ہے — دُرشہن بلال — 86

مٹ گئیں دوریاں — صوبیہ ملک — 138

سلسلے وار ناول

دل گزیدہ — اُم مریم — 18

پربت کے اُس پار کہیں — نایاب جیلانی — 168

مکمل ناول

نم پلکیں اور موج ہوا — صبا جاوید — 42

ایسا بھی ہوتا ہے — کنول ریاض — 108

محبت فاتح عالم — ثمینہ بٹ — 194

افسانے

مدوا — مصباح علی سید — 35

میں حبیب ہوں — مریم ماہ منیر — 75

دوری — بشریٰ نثار — 135

میری ذات دی تو — رمشا احمد — 159

ہے نہ پگلی — مایا اعوان — 186

نازک آبگینے — قرۃ العین خرم ہاشمی — 221

تیرا ملنا خواب جیسا — روبینہ سعید — 229

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ — تحریم محمود 237 — بیاض — تسنیم طاہر 240

میری ڈائری سے — صائمہ محمود 248 — حنا کا دسترخوان — افراح طارق 251

رنگ حنا — بلقیس بشی 245

کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق 256

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماریاں

قارئین کرام! دسمبر 2016ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

ربیع الاول کے مہینے کا آغاز ہو چکا ہے۔ یہ وہ بابرکت اور رحمتوں والا مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی محبوب انسانیت کا کامل نمونہ، اس عظیم ہستی نے دنیا کو رونق بخشی جس کی مثال پوری تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ اس نے بنی نوع انسان کو گمراہی سے بچانے اور اس کی بہتری اور فلاح کے لیے دنیا میں انبیاء علیہ السلام مبعوث فرمائے۔ ان انبیاء کی تعلیمات اور زندگی کے بہت سے پہلو تاریخ کے صفحات پر نظر نہیں آتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء کی تاریخ کی واحد ہستی ہیں جن کی زندگی کا ایک ایک گوشہ تاریخ کے صفحات پر پوری آب و تاب سے جگمگا رہا ہے۔ جن کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ تعلیم اور ہر عمل تاریخ میں محفوظ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر عمل، ہر لمحہ روشن نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو الہامی کتاب لے کر آئے۔ آج چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود اس میں ایک حرف کی بھی تحریف نہ کی جاسکی۔ قرآن پاک وہ واحد کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ کروڑوں سینوں میں محفوظ ہے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کسی خاص قوم یا زمانے کے لیے نہیں ہیں۔ آپ جو شریعت لے کر آئے اس کا پیغام ابدی اور قیامت تک کے لیے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس جہاں کے لیے ہی نہیں اگلے جہان کے لیے بھی رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق، وابستگی اور محبت ایک مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے لیکن یہ کسی خاص دن۔ خاص مہینے یا جشن منانے تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔ اس محبت کی اصل روح اور تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات، احکامات اور عمل کو پورے دل سے تسلیم کر کے معاملات اور زندگی کے ہر عمل میں اختیار کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسی میں ہماری نجات اور کامیابی ہے۔

اس شمارے میں:۔ ایک دن حنا کے ساتھ میں حمیرا نوشین اپنے شب و روز کے ساتھ، صباء جاوید، کنول ریاض اور ثمینہ بٹ کے مکمل ناول، درثمن اور صوبیہ ملک کے ناولٹ، مریم ماہ منیر، مبشرہ ناز، رمشا احمد، مایا اعوان، مصباح علی سید اور قرۃ العین خرم ہاشمی کے افسانے، اُم مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

نعت رسول مقبول ﷺ

عقیدت کے سبھی پھول پُرنور ہو گئے
اشعار میری نعت کے منظور ہو گئے

نعت جیب جب بھی کہی میں نے جھوم کے
آزار میری جاں کے سب دور ہو گئے

عشق رسولؐ میں گرے آنسو وفور میں
آنکھوں کے جو دریچے تھے پرنور ہو گئے

جو پڑھ سکے نہ آج تلک کلمہ طیب
رحمت سے اپنے رب کی بہت دور ہو گئے

یہ آپؐ کا کرم ہے ہے کہ الفاظ نعت کے
مدینے کے طول و عرض میں مشہور ہو گئے

جب سے حریم پاک سے وابستگی ہوئی
غم ہائے روز و شب میرے کافور ہو گئے

سہراب مت ڈرو ، سنو یہ غیب کی صدا
اشک وفا سبھی تیرے پرنورر ہو گئے

سہراب جنگ لدھیانوی

مہک پھولوں کی ، بلبل کی نوا تو
سحر کا نور تو ، جانِ صبا تو

درون داغ دل مانند شبنم
وفور یاس میں آہ رسا تو

کبھی ساحل پہ تو حرف تمنا
کبھی گرداب میں حرف دعا تو

کہیں قوس قزح میں رنگ تیرا
کہیں کالی گھٹاؤں میں ملا تو

تو ہی سب بے سہاروں کا سہارا
نہیں جس کا کوئی اس کا ہوا تو

کلی میں ، عکس شبنم میں ، ہوا میں
ہوا محسوس مجھ کو بارہا تو

میں اک قطرہ ، تو بے پایاں سمندر
میں مشت خاک اور ارض و سما تو

بشیر اعجاز

ہمارے نبی کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

اہل وعیال پر خرچ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

- ایک وہ دینار، جس کو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، ایک وہ دینار جسے تم نے کسی مسکین پر خیرات کیا اور ایک وہ دینار جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا، ان میں سب سے زیادہ اجر وثواب کا باعث وہ دینار ہے، جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے۔ (مسلم)
- جس سرمائے کو تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرو گے، اس پر تمہیں اجر ملے گا، یہاں تک کہ جس لقمہ کو تم اپنی اہلیہ کے منہ میں ڈالو گے (اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا) (بخاری)

ارشاد نبوی ہے۔

- تم جو کچھ اپنی خورد ونوش پر خرچ کرو گے، وہ بھی صدقہ ہے، جو اپنی اولاد کو کھلاؤ پلاؤ گے، وہ بھی صدقہ ہے اور جو کچھ تم اپنی اہلیہ کو کھلاؤ گے وہ بھی صدقہ ہے۔ (مستدرک، حاکم حدیث صحیح ہے)

اہل وعیال کے لئے دوڑ دھوپ کرنا کار ثواب

- حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے ایک شخص گزرا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی توانائی چستی اور سرگرمی دیکھی، تو عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کاش اس کی یہ سرگرمی سب اللہ کی راہ میں ہوتی۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر یہ اپنے چھوٹے بچوں کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے، تو وہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر ریا کاری اور نام ونمود کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا ہے، تو وہ شیطان کے لئے ہے۔"

ملازمین سے حسن سلوک

حضرت معرور رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقام ربذہ میں ملاقات ہوئی، وہ اور ان کا غلام ایک ہی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھے، میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا (کہ کیا بات ہے آپ کے اور غلام کے کپڑوں میں کوئی فرق نہیں ہے) اس پر انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا اور اسی سلسلے میں اس کو ماں کی غیرت دلائی۔ (یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"ابوذر! کیا تم نے اس کو ماں کی غیرت دلائی ہے؟ تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی

ہے، تمہارے ماتحت (لوگ) تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنایا ہے، لہٰذا جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو، اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے، ماتحتوں سے وہ کام نہ لو جو ان پر بوجھ بن جائے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو ان کا ہاتھ بٹاؤ۔" (بخاری)

قیامت کے دن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تم نے میری عیادت نہیں کی، بندہ عرض کرے گا، اے میرے رب! میں کیسے آپ کی عیادت کرتا، آپ تو رب العالمین ہیں (بیمار ہونے کے عیب سے پاک ہیں) اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تم نے اس کی عیادت نہ کی، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم اگر اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے؟ آدم کے بیٹے! میں نے تم سے کھانا مانگا تم نے مجھے نہیں کھلایا؟ بندہ عرض کرے گا، اے میرے رب! میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا آپ تو رب العالمین ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا مانگا تھا تم نے اس کو کھانا نہیں کھلایا، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم اگر اس کو کھانا کھلاتے تو تم اس کا ثواب میرے پاس پاتے، آدم کے بیٹے! میں نے تم سے پانی مانگا تھا تم نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا، اے میرے رب! میں آپ کو کیسے پانی پلاتا آپ تو رب العالمین ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے فلاں بندے نے تم سے پانی مانگا تھا تم نے اس کو نہیں پلایا، اگر تم اس کو پانی پلاتے تو تم اس کا ثواب میرے پاس پاتے۔" (مسلم)

فرشتوں کی دعا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"روزانہ جب اللہ کے بندے صبح کے وقت اٹھتے ہیں، تو وہ فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں، ایک کہتا ہے، الٰہی سخی کو عوض عطا فرما، دوسرا کہتا ہے، الٰہی کنجوس کا مال ہلاک کر۔" (بخاری، مسلم وغیرہ)

مسلمان کو کھانا کھلانا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے اور پانی پلاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے سات خندقیں دور فرما دیتے ہیں۔" (دو خندقوں کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ہے) (مستدرک حاکم)

اچھی بات کرنا اور کھانا کھلانا

حضرت ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کون سا عمل جنت کو واجب کرنے والا ہے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"تم اچھی طرح بات کرنے اور کھانا کھلانے کو لازم پکڑو۔"

ملازم سے حسن سلوک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے پھر وہ اس کے پاس لے کر آئے جبکہ اس نے اس کے پکانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے تو مالک کو چاہیے کہ اس خادم کو بھی کھانے میں اپنے ساتھ بٹھائے اور وہ بھی کھائے، اگر وہ کھانا تھوڑا ہے (جو دونوں کے لئے کافی نہ ہو سکے) تو مالک کو چاہیے کہ کھانے میں سے ایک دو لقمے ہی اس خادم کو دے دے۔" (مسلم)

مسلمان کو کپڑا پہنانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

"جو مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا پہناتا ہے تو جب تک پہننے والے کے بدن پر اس کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی رہتا ہے، پہنانے والا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے۔" (ترمذی)

مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا، بری موت سے بچاتا ہے۔"

امانت دار خزانچی

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"وہ مسلمان امانت دار خزانچی جو مالک کے حکم کے مطابق خوش دلی سے جتنا مال جسے دینے کو کہا گیا ہے اتنا اسے پورا پورا دے تو اسے بھی مالک کی طرح صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔" (مسلم)

درخت لگانے کا اجر

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جو مسلمان درخت لگاتا ہے پھر اس میں سے جتنا حصہ کھا لیا جائے، وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے اور جو اس میں سے چرا لیا جائے وہ بھی صدقہ ہو جاتا ہے یعنی اس پر بھی مالک کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور جتنا حصہ اس میں سے درندے کھا لیتے ہیں وہ بھی اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے اور جتنا حصہ اس میں سے پرندے کھا لیتے ہیں، وہ بھی اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے، (غرض یہ کہ) جو کوئی اس درخت میں سے کچھ (بھی پھل وغیرہ) لے کر کم کر دیتا ہے تو وہ اس (درخت لگانے والے) کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔" (مسلم)

بنجر زمین

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جو شخص بنجر زمین کو کاشت کے قابل بناتا ہے تو اسے اس کا اجر ملتا ہے۔'' (ابن حبان)

ہدیہ کا بدلہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
''جس شخص کو ہدیہ دیا جائے، اگر اس کے پاس بھی دینے کے لئے کچھ ہو تو اس کو بدلے میں ہدیہ دینے والے کو دے دینا چاہیے اور اگر کچھ نہ ہو تو (بطور شکریہ) دینے والے کی تعریف کرنی چاہیے کیونکہ جس نے تعریف کی اس نے شکریہ ادا کر دیا اور جس نے (تعریف نہیں کی بلکہ احسان کے معاملہ کو) چھپایا اس نے ناشکری کی۔'' (ابو داؤد)

بخل اور ایمان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
''بندہ کے دل میں کبھی بخل اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔'' (نسائی)

جنت میں داخل نہ ہوگا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
''دھوکہ باز، بخیل اور احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (ترمذی)

خرچ کرو

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ان کے پاس کھجور کے چند ڈھیر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اے بلال! یہ کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا۔
''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمانوں کے لئے یہ انتظام کیا ہے (کہ جب کبھی وہ آئیں تو ان کے کھلانے کا سامان پہلے سے موجود ہو) آپ نے فرمایا۔
''کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ دوزخ کی آگ کا دھواں تم تک پہنچ جائے؟ (یعنی اگر تم ان کے خرچ کرنے سے پہلے ہی مر گئے تو پھر ان کے بارے میں اللہ کے ہاں سوال ہوگا) اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کا ڈر نہ رکھو۔''

اللہ پر توکل

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تین پرندے ہدیہ میں آئے، آپ نے ایک پرندہ اپنی خادمہ کو دیا، اگلے دن وہ پرندہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''کیا میں نے تجھے منع نہیں کیا تھا کہ اگلے دن کے لئے کچھ نہ رکھا کرو، جب اگلا دن آئے گا تو اس دن کی روزی بھی اللہ پہنچائے گا۔'' (لہٰذا آج جو کچھ پاس ہے وہ سارا ہی آج خرچ کر دیا کرو)''

آنے والے دنوں کے لئے ذخیرہ کر کے رکھنا جائز ہے لیکن جو کچھ پاس ہے اسے فوراً خرچ

کر دینا اور آئندہ کے لیے اللہ پر توکل کرنا درجہ کمال ہے۔"

اللہ پر توکل

حضرت عبید اللہ بن محمد بن عائشہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک سائل امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر کھڑا ہوا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔

"اپنی والدہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو میں نے آپ کے پاس چھ درہم رکھوائے تھے ان میں سے ایک درہم دے دو۔"

وہ گئے اور انہوں نے واپس آکر کہا۔

"امی جان کہہ رہی ہیں، وہ چھ درہم تو آپ نے آٹے کے لیے رکھوائے تھے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"کسی بھی بندے کا ایمان اس وقت تک سچا ثابت نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کو جو چیز اس کے پاس ہے اس سے زیادہ اعتماد اس چیز پر نہ ہو جائے جو اللہ کے خزانوں میں ہے، اپنی والدہ سے کہو کہ چھ درہم بھیج دیں۔"

چنانچہ انہوں نے چھ درہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھجوا دیئے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سائل کو دے دیئے۔

راوی کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نشست بھی نہیں بدلی تھی کہ اتنے میں ایک آدمی ان کے پاس سے ایک اونٹ لئے گزرا جسے وہ بیچنا چاہتا تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"یہ اونٹ کتنے میں دو گے؟"

اس نے کہا۔

"ایک سو چالیس درہم میں۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"اسے یہاں باندھ دو، البتہ اس کی قیمت کچھ عرصہ کے بعد دیں گے۔"

وہ آدمی اونٹ وہاں باندھ کر چلا گیا تھوڑی ہی دیر میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا۔

"یہ اونٹ کس کا ہے؟" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"میرا۔" اس آدمی نے کہا۔

"کیا آپ اسے بیچیں گے؟"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"ہاں۔"

اس آدمی نے کہا۔

"کتنے میں؟"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"دو سو درہم میں۔"

اس نے کہا۔

"میں نے اس قیمت میں یہ اونٹ خرید لیا۔" اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو سو درہم دے کر وہ اونٹ لے گیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس آدمی سے اونٹ ادھار خریدا تھا، اسے ایک سو چالیس درہم دیئے اور باقی ساٹھ درہم لاکر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیئے، انہوں نے پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے۔" (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔)

"جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصے ملیں گے۔" (سورہ انعام آیت ۱۶)

اندر کیا ہے؟

ابن انشاء

نیو یارک کی خبر ہے کہ وہاں ایک کتاب چھپی اور مہینے بھر میں اس کی پچیس ہزار جلدیں فروخت ہوگئیں، ایک سو ساٹھ صفحے کی اس کتاب کی قیمت تین ڈالر ہے۔

یعنی تیس روپے، مشتاقوں کا ہجوم ایسا ہے کہ پبلشر اس کے دوسرے ایڈیشن کی فکر کر رہے ہیں۔

اور اس کتاب کے اندر کیا ہے، کچھ نہیں، سادہ اوراق ہیں، تحریر نہیں کوئی، تصویر نہیں کوئی۔

☆☆☆

ہمارے لئے اس خبر میں کوئی نئی بات نہیں، ہم نے کئی کتابیں پڑھی ہیں جن میں کچھ نہیں ہوتا، آخر میں کچھ ہاتھ نہیں آتا اور ایسی تو بہت ہیں کہ تین چوتھائی سے زیادہ خالی ہوتی ہیں، کسی میں پلاٹ نہیں ہوتا، کسی میں کردار نگاری نہیں ہوتی، کسی میں آغاز نہیں ہوتا، کسی میں انجام نہیں ہوتا، شاعری کی کتاب ہو تو اکثر وزن نہیں ہوتا۔

اور وزن ہو تو اس میں معنی نہیں ہوتے اور اگر وزن اور معنی دونوں ہوں تو شاعری نہیں ہوتی، قصے، کہانیوں اور شاعری کی تخصیص نہیں اور بہت سے مضامین کی کتابیں ہم نے اندر سے خالی دیکھی ہیں، ان کا مطالعہ استاد ذوق کے قصیدے کے اس شعر کی مثال ہے۔

رات بھر ٹھونگا کیا، انجم کے دانے چراغ پیر
صبح دم دیکھا تو واں اصلاً شکم میں کچھ نہ تھا

☆☆☆

اتنا البتہ ہے کہ ہماری ان کتابوں کے ورق سادہ نہیں ہوتے، نیو یارک والی اس کتاب میں ورق سادہ چھوڑ دیے گئے ہیں اور شاید یہی اس کی مقبولیت کی وجہ ہے، یوں تو تحریر کی بھی کوئی قیمت نہیں رہی، آپ سادے کاغذ کا ریم بازار میں جا کر بیچئے پھر چھپے ہوئے اخبار کا ریم لے جائیے اور فرق دیکھ لیجئے، خواہ اس میں ہمارا کالم ہی کیوں نہ چھپا ہو جس میں بے شمار قیمتی بلکہ انمول اور زریں اقوال اور بے بہا اشعار ہوتے ہیں، ڈیڑھ دو روپے سیر سے زیادہ قیمت نہ پائے گا، سادگی کی قدر کا یہ حال ہے کہ پرانے شاعر سادہ رویوں پہ مرا کرتے تھے، جس کے چہرے پر کوئی تحریر ہو، خط وغیرہ اس کی قدر گر جاتی تھی، محبوبوں تک کو اپنے مصحف رخ ہدیہ کرنے پڑتے تھے، دام دے کر خریدتا کوئی نہ تھا۔

☆☆☆

کتاب کو اندر سے سادہ رکھنے میں کئی خوبیاں ہیں، پبلشر کا تو یہ ہے کہ کتابت بچتی ہے، طباعت یعنی چھپائی کی سیاہی بچتی ہے اور مصنف یعنی مضمون تک بچتا ہے، اچھی خاصی کتاب، محض پبلشر اور جلد ساز کے تعاون سے تیار ہو جاتی ہے، معاشرے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے گمراہ نہیں ہوتے، بے راہ روی نہیں پھیلتی، اس میں سرمایہ داری کی حمایت نہیں ہوتی، سامراج کی وکالت نہیں ہوتی، عریانی نہیں ہوتی، ابہام نہیں ہوتا، جہالت نہیں ہوتی، چرب زبانی نہیں ہوتی، تعصب نہیں ہوتا، غلط بیانی نہیں

ہوتی، کچھ بھی تو نہیں ہوتا پھر ایسی کتاب یا کتابیں پڑھنے والے کی نظر خراب نہیں ہوتی، اسے عینک نہیں خریدنی پڑتی، اس سے کوئی ادھار نہیں مانگتا، ایک سو ساٹھ صفحے کی کتاب تیس روپے میں اتنی خوبیوں کے ساتھ قطعی مہنگی نہیں، کم از کم ہمیں مہنگی معلوم نہیں ہوتی۔

☆☆☆

بین الاقوامی بھائی چارے کے فروغ میں بھی یہ کتابیں بہت کام آسکتی ہیں، ان کو دنیا میں ہر کوئی پڑھ سکتا ہے، ہر جگہ مقبول ہوں گی، اس سے خواندگی اور ناخواندگی کا مسئلہ بھی خوش اسلوبی سے حل ہو جائے گا، کیونکہ کتابوں کو ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے، ان سے محظوظ نہیں ہو سکتے۔

خواندہ لوگوں کی خد تک بھی یہ دقت ہے کہ جو انگریزی پڑھا ہے، وہ عربی کتاب نہیں پڑھ سکتا تھا اور عربی خواں کے لئے جاپانی زبان میں چھپی ہوئی کتاب بے معنی ہے، آنکھیں جھپکتا رہ جائے گا، اگر یونیسکو جو خود بھی تکلیف اٹھاتی ہے، ہمیں بھی تکلیف دیتی ہے، اس قسم کی کتابوں کو رواج دے تو ہماری پبلشنگ کی صنعت بڑی ترقی کر سکتی ہے اور قارئین کا معیار بھی بلند ہو جائے گا، وہ چھپی ہوئی گھٹیا کتابیں نہ پڑھیں گے، تو ضرور بلند ہو جائے گا۔

☆☆☆

جن لوگوں کو مطالعے کی عادت نہیں، ان میں مطالعے کو فروغ دینے کے لئے بھی یہ نسخہ اچھا ہے، لوگ مطالعے سے نہیں بھاگتے، صرف تحریر سے بھاگتے ہیں، سفید کورے کاغذ سے کوئی نہیں بھاگتا، ویسے تو یہ بات کوئی کتاب سے خاص نہیں، پرانی مثل ہے، تھوتھا چنا باجے گھنا، جتنا کوئی برتن خالی ہوگا اتنی ہی اس میں سے اچھی آواز آئے گی، آپ کے آس پاس جتنے مقبول عام آدمی ہیں، لوگ جن کے آگے پیچھے پھرتے ہیں، کبھی ان کے اندر جھانک کے دیکھیے خالی ہوں گے، بالکل خالی پس اگر ایک خالی کتاب کی اتنی قدر ہو رہی ہے کہ مہینے بھر میں دوسرا ایڈیشن نکل رہا ہے، جبکہ ادب عالیہ کی کتاب کے ایک ہزار نسخے نکلنے میں پانچ سال لگ جاتے ہیں تو کچھ تعجب نہ ہونا چاہیے، نظیر اکبر آبادی نے جو بات کورے برتن کے لئے لکھی ہے، کورے کاغذ کے لئے بھی کہہ سکتے ہیں۔

تازگی ذہن کی، تری تن کی
واہ کیا بات کورے کاغذ کی

☆☆☆

دور کیوں جائیے، یہ ہمارا کالم ہی ہے، کیا رسالہ خریدنے والے سب ہی لوگوں نے پڑھا ہو گا، آپ بھی مارے باندھے ان سطور تک پہنچے ہوں گے، حالانکہ دیکھیے ہم اس میں کیا کیا مضمون کھینچ کر لائے، کیا کیا نکتے پیدا کیے ہیں، اگر اس کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی تو سب پڑھتے، یعنی سب کی نظر سے گزرتی، آئندہ ہم اپنی کتابیں بھی سادہ ہی بازار میں لایا کریں، ان کے اندر چھاپ کر ان کو خراب نہیں کیا کریں گے، لوگ چاہیں ان میں حکمت کے نسخے لکھیں، پسندیدہ اشعار لکھیں، فلمی گانے لکھیں، محبوبوں کے نام اور ٹیلی فون نمبر لکھیں یا کچھ بھی نہ لکھیں، بھی بچے کی ناک پونچھنی ہو تو اس میں سے ورق پھاڑ سکتے ہیں، ہم اس میں ایسا کاغذ لگائیں گے، جو اس مقصد کے لئے موزوں ہو، رومال کا کام دے سکے، قیمت بھی تیس روپے سے کم رکھیں گے کیونکہ ہمارا ملک مقابلتاً غریب ہے۔

☆☆☆

ایک دن حنا کے ساتھ

مہمان حمیرا نوشین

صبح ناشتے سے فراغت کے بعد میں نے بچوں کو ان کے بابا کے ساتھ ان کی نانو کے گھر روانہ کیا بچے میرے بغیر جانے کو بالکل بھی تیار نہیں تھے۔

''مما! کیا آپ کی کوئی فرینڈ آرہی ہیں جس سے آپ نے اپنے بچپن کی باتیں کرنی ہیں۔''

بڑے والے بیٹے نے سوال داغا کیونکہ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا ہے جب بھی میری کوئی فرینڈ آئی تو بچوں کو ڈسٹرب کرنے کی اجازت نہ ہوتی یا تو بچے کہیں منتقل کر دیتی یا پھر خاموشی کا قفل بڑی مشکل سے ان کے لبوں پر لگا دیتی۔

''ہاں میری ایک بہت اچھی فرینڈ ہے اس سے میں نے اپنے بچپن، لڑکپن، جوانی کے سب قصے دہرانے ہیں۔''

میں نے دل میں سوچا اور اس کے سوال کا جواب فقط سر ہلا کر دینا مناسب سمجھا، ہزبینڈ کو میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مجھے ڈسٹرب نہ کریں آج کا دن میں نے حنا کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں وہ شریف النفس ''جو حکم آپ کا'' کہہ کر اپنے روٹین کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔

میں نے حنا کے ساتھ دن گزارنے کے لئے اتوار منتخب کیا تھا کیونکہ اس دن چھٹی ہوتی ہے گو کہ اتوار کو کاموں کا انبار ہوتا ہے مگر میں ہفتہ کو ہی تمام کام نمٹا چکی تھی سو آج میں بالکل فارغ تھی سکن کلر کا ایمبر ائیڈ ڈ سوٹ زیب تن کیا لائٹ سا میک اپ کر کے اپنے آپ کو قد آدم آئینے میں ناقدانہ دیکھا کہ حنا کے قارئین سے ملنے کے لئے میری تیاری ٹھیک ہے آئینے نے ایکدم ''زبردست'' کا سگنل دیا اور میں مسکراتی ہوئی سرشاری کی کیفیت میں حنا سے ملنے ڈرائنگ روم میں چلی آئی، حنا کے سارے تجسس بھرے سوالوں کے جواب دینے کے لئے میں نے لب کھولے آج حنا کو فرمانبردار بہو کی طرح صرف سننا تھا اور میں نے مسلسل بولنا تھا اب چاہے کانوں میں درد ہو یا سر میں، میری بولتی زبان کو کوئی نہیں روک سکے گا تا وقتیکہ میں آپ کو اپنی تمام ایکٹوٹیز اور زندگی کے معمولات کے بارے میں آگاہ نہ کر دوں، تو قارئین حنا حمیرا نوشین آپ کے روبرو ہیں۔

میرے دن کا آغاز الحمدللہ نماز فجر سے ہوتا ہے شیطان بہت تھپکیاں دیتا ہے دل بڑا بے ایمان ہوتا ہے کہ سو جا ری حمیرا سو جا، نیندوں میں کھو جا، نیند بڑی پیاری ہے پر میں سوچتی ہوں، نہیں نہیں رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نماز سے بہتر کون سی سواری ہے؟ اور پھر مرنے کا بھی خیال آتا ہے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج تم تو کل ہماری باری ہے

سو بستر چھوڑ چھاڑ اپنے رب کے حضور جھک جاتی ہوں ویسے بھی نصف بہتر شیطان کو کم ہی قریب پھٹکنے دیتے ہیں جان بوجھ کے نماز قضا کرنے کے ایسے ایسے عذاب بیان کریں گے کہ کیا ہی شاہد مسعود قیامت کی ہولناکیوں سے

ڈراتے ہیں جو میرے شوہر نامدار کے واعظ دل کو ہلا دیتے ہیں خوش نصیبی ہے جی میری (جو ایسا شوہر ملا) اس کے بعد بڑے بیٹے کو ہزار جتنوں سے جگا کر مدرسے جانے کے لئے تیار کرنا پڑتا ہے، میرے دو بیٹے ہیں بڑا دس سال کا اور چھوٹا پانچ سال کا، بڑے بیٹے شہیر نے حفظ شروع کیا ہے دعا کریں اللہ کامیاب کرے اور ہم بھی حافظ کے والدین بن کر اپنی خوش نصیبی پر رشک کریں اللہ اسے اس مقدس کتاب کو تاحیات پڑھنے اور حق ادا کرنے کی توفیق دے (آمین)۔

ہزبینڈ ٹیچر ہیں وہ ناشتہ وغیرہ کر کے سکول روانہ ہو جاتے ہیں اور میں اپنے سکول میں مصروف ہو جاتی ہوں میں ایک ذاتی پرائیویٹ سکول کی پرنسپل ہوں، بچوں کے مسائل، ٹیچرز کو سرزنش، کاپیاں، چیکنگ، خواتین کی شکایات مع ان کے گھریلو قصے سن سن کر کب چھٹی کا وقت ہو جاتا ہے کچھ پتا نہیں چلتا کیونکہ میری رہائش بھی سکول میں ہے اوپر والے پورشن میں سکول ہے اور نیچے رہائش ہے آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا اوڑھنا بچھونا سکول ہی ہے اس سے دور رہنا ہمارے تصور میں بھی نہیں، کوکنگ، نمازوں کی ادائیگی بچوں کی فرمائشیں، ان کے پیچھے بھاگ دوڑ میں دن بھاگتا ہی چلا جاتا ہے چونکہ وقت کم ہوتا ہے کام زیادہ ہوتے ہیں اس لئے کچھ کاموں کے لئے میڈ رکھی ہوئی ہیں جن کی ہیلپ سے میرے لئے کام آسان ہو جاتے ہیں۔

لکھنے کا شوق مجھے طالبعلمی کے زمانے سے تھا مگر کبھی پبلش نہیں کروائی تھی سکول و کالج سے آنے کے بعد مطالعہ اور لکھنے میں وقت صرف ہوتا امی چیختی ہی رہتیں، کہ بس کر دو کیوں اپنی آنکھیں تھکاتی ہو مگر نا جی میرے لئے یہ تھکنے والی بات تھوڑی تھی، یہی مطالعہ تو تھکان دور کرنے کا سبب بنتا ہے، شادی کے بعد لکھنے اور مطالعہ میں بہت حد تک کمی آ گئی مطالعہ تو پھر بھی رہا مگر قلم رک گیا اس کی ایک وجہ تو جاب بھی تھی (آرمی رینجرز) سکول میں سینئرز کلاسز کو پڑھاتی تھی صبح گھر سے نکلتی تو شام کے قریب گھر میں آنا نصیب ہوتا وہ بھی اپنے ہمراہ سکول کے ڈھیروں کام لے کر، جوائنٹ فیملی سسٹم، گھر کی ذمہ داری پھر بچے لکھنے کی راہ میں حائل ہو گئے سو ابن سے ناطہ ٹوٹا ہی رہا تھک کر جاب کو خیر باد کہہ دیا کہاں تک آرمی والوں کی سختیاں سہتے بڑی مشکل سے ریزائن دیا کیونکہ اردو کی اتنی اچھی ٹیچر سے محروی کوئی آسان بات نہ تھی (آہم)۔

میری تعلیمی قابلیت ایم اے اردو بی ایڈ ہے، دو سال ہوئے ذاتی گھر میں شفٹ ہوئے بچے بھی تھوڑے سمجھدار ہو گئے سکون کے پل میسر ہوئے تو کاغذ اور قلم سے رشتہ استوار ہو گیا، ہزبینڈ کو بھی مطالعہ کا شوق ہے وہ بھی ادبی ذوق رکھتے ہیں لکھنے کا بھی شغف ہے چنانچہ انہوں نے میری بھرپور حوصلہ افزائی کی ہر مہینے چھ سات ڈائجسٹ لے کر دیتا، کہانیاں و خطوط بروقت رجسٹری کروانا انہی کا کام ہے، میں ہمیشہ سہ پہر کو لکھتی ہوں بچے آرام کر رہے ہوتے ہیں اور میں اپنے آرام کے لمحوں کو لکھنے میں صرف کر رہی ہوتی ہوں یہی میری ذہنی تھکاوٹ دور کرنے کا سبب ہے، یہی میرا آرام ہے، لکھنا ہی مجھے تقویت دیتا ہے رات کو میں نے کبھی نہیں لکھا کیونکہ تنہا کمرے میں بیٹھ کر لکھنا کوئی آسان بات نہیں یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اگر کوئی بھوت میری کہانی پڑھنے آ گیا تو میں اسے کیسے روک پاؤں گی، (ہاہاہا)

ڈر بہت لگتا ہے مجھے، ہم میاں بیوی دونوں ہی ٹیچر ہیں سکول میں بول بول کر تھک جاتے

ہیں اس لیے گھر میں چخ چخ نہیں ہوتی، فضول گوئی پسند نہیں، وقت کی پابند ہوں، صفائی پسند ہوں گھر کو سجانا سنوارنا اچھا لگتا ہے، دوستوں کے ساتھ حد درجہ مخلص ہوں رشتوں کو نبھانا اچھا لگتا ہے۔

ہر کام وقت پر کرنے کی قائل ہوں بے ترتیبی پسند نہیں منافقت سے نفرت ہے جو دل میں ہوتا ہے زبان وہی ادا کرتی ہے دعوتیں کرنا، لوگوں کی خاطر تواضع کرنا، اچھے دوستوں کے ساتھ وقت گزارنا پسند ہے، ٹی وی سردیوں میں دیکھنا اچھا لگتا ہے صرف پاکستانی چینلز پر کوئی اچھا سا ڈرامہ دیکھ لیتی ہوں میوزک سننا عرصہ دراز ہوا چھوڑ چکی ہوں، کھانے میں چاول بہت پسند ہیں چاول کھا کھا کر دھرتی پر خوب بوجھ بنی ہوئی ہوں (سمجھ تو گئے ہونگے آپ؟) فضول خرچ ہوں، پیسہ رکھنا بالکل نہیں آتا دوسروں کی مدد کر کے خوشی ہوتی ہے میرے تحریری سفر کو ابھی ایک سال کا عرصہ ہوا ہے میں نے جس جس ڈائجسٹ میں اپنی تحریر بھیجی سب مدیران نے میری بھرپور حوصلہ افزائی کی، حنا میں لکھتے ہوئے چند ماہ ہی ہوئے ہیں اور چند تحریریں ہی شائع ہوئی ہیں، جب میں نے حنا میں پہلی کہانی بھیجی فوزیہ نے بہت اچھا رسپانس دیا، حوصلہ افزائی کی، سردار بھائی کا عزت سے پیش آنا حنا سے استوار تعلق کو مضبوط کرتا چلا گیا، حنا کی خاص بات جو مجھے بہت بھائی وہ اپنی مصنفین کو بہت زیادہ عزت بخشتا ہے۔

میں فوزیہ اور سردار بھائی کی بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اتنی عزت بخشی، حنا کے ساتھ ایک دن گزارنے میں شرکت کی دعوت دی، انشاء اللہ حنا سے یہ تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا ابھی تو میرے لکھنے کا آغاز ہے افسانہ پر طبع آزمائی ہے فوزیہ کے اصرار پر جلد ہی کوئی ناول آپ حنا میں پڑھ سکیں گے، کوشش کروں گی کہ اچھا بہتر اور اصلاحی لکھ سکوں۔

جی تو قارئین حنا مجھے تو آپ کے ساتھ وقت گزارنا بہت اچھا لگا، اب آپ بتایئے مجھے برداشت کرنا کیسا لگا اس شعر کے ساتھ میں اختتام کرنا چاہوں گی۔

پھر ملیں گے جب بہار آئی
زندگی راہگذر کا میلہ ہے

☆☆☆

دل گزیدہ

اُم مریم

گیارہویں قسط کا خلاصہ

بالآخر محبت کو فتح نصیب ہوئی اور غانیہ کا ستارہ چمک اٹھا، گاؤں سے تاؤ جی کی بیماری کی اطلاع کے ساتھ اچانک شادی کا اصرار ہوا اور شادی کی تاریخ طے کر دی گئی، غانیہ خواب کی سی کیفیت کے زیر اثر ہنوز غیر یقینی کا شکار ہے، کیا واقعی وہ اتنی خوش قسمت ہے......؟
منیب چوہدری دوسری مرتبہ اس تلخ تجربے سے گزرنے پہ آمادہ نہیں، کوئی راہ فرار نہ پا کر وہ غانیہ سے شادی سے منکر ہونے کا کہتا ہے، غانیہ کی پہلو تہی کو اپنی توہین محسوس کرتا وہ سرتا پا قہر و غضب ہے۔
حمدان ماں کی کمی کا شکار بچہ ماما کی آمد کا سن کر خوش ہے مگر یہ خوشی بہت سے سوالوں کے جواب نہ ملنے پہ ادھورے پن کا شکار ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

بارہویں قسط

تم سے بچھڑ کر کیا ہوں میں
ایک ادھوری نظم کا مصرعہ
یا کوئی بیمار پرندہ
کاپی میں اک زندہ تتلی
یا اک مردہ پیلا پتہ
آنکھ ہو کوئی خواب زدہ سی
یا آنکھوں میں ٹوٹا سپنا
پلکوں کی دیوار کے پیچھے
پاگل قیدی یا اک آنسو
دھوپ میں لپٹا لمبا صحرا
یا پھر خوف زدہ سا بچہ
ٹوٹی ہوئی چوڑی کا ٹکڑا
یا کوئی بھولا بسرا وعدہ
بے گور و کفن سا لاشہ
تجھ سے بچھڑ کر ایسی ہوں میں اب

سرمئی بادل شدتوں سے برس رہے تھے، ہوا کے زور سے کاسنی پھولوں کی بیل جھکی جا رہی تھی اور نیچے کاسنی پھولوں کا فرش سا بچھ گیا تھا، سیڑھیوں پہ وہ آخری زینے پہ بیٹھی تھی، ویران خزاں زدہ وجود کے ساتھ، ہاں آنکھیں موسم کی طرح تھیں۔

بھیگی بھیگی
گیلی گیلی
نم اور یاس زدہ

سورج ڈھل چکا تھا اور شام کے سرمئی سائے ہر سو پھیل رہے تھے، بریزے کے چکن کے بادامی سوٹ میں وہ سورج مکھی جیسی ہو رہی تھی، زرد اور ملول، ایسا سورج مکھی جو سورج ڈوبنے پر اپنی پنکھڑیاں نیوڑائے مرجھایا ہوا نظر آنے لگتا ہے، دیدار یار کی آس مٹنے پہ کسی اور منظر کو دیکھنے پہ آمادہ نہیں ہو پاتا، وہ بھی ایسا سورج مکھی ہو گئی تھی، کملا گئی تھی، ڈھل گئی تھی، یہ سوٹ سلیمان اس کے لئے لایا تھا، اسے ہر اس شے سے محبت تھی جسے یار کا لمس یار کی نگاہ التفات نے چھو کر انمول اور خاص بنا دیا تھا، اس نے حسرت بھرے انداز میں لباس پہ ہاتھ پھیرا، جو کثرت استعمال سے اپنا رنگ کھو رہا تھا۔

''صاحب......!'' وہ بے اختیار سسکی، اس کا چہرہ ہنوز زرد تھا، ہونٹ کپکپا رہے تھے، بالآخر آنسوؤں کی لڑیاں بھی آنکھوں سے جاری ہو گئیں۔

''کبھی کبھی کسی خواہش کی نارسائی بھی ہماری ساری زندگی کو برباد کر سکتی ہے، آپ میری خواہش کو تشنہ نہ رہنے دیں صاحب جتنی جلد ممکن ہو شادی کر لیں مجھ سے۔'' اپنے کہے الفاظ یاد

آئے، اسے اپنے کہے لفظوں نے دکھ میں ڈبو دیا، آنسوؤں میں نہلا دیا، تیز ہوتی بارش میں اس کے گرم آنسو گھلنے لگے۔

''میں تو ازل سے جذباتی تھی، کم فہم اور نادان تھی صاحب، آپ تو سمجھ دار تھے، معاملہ فہم تھے، اپنے متعلق میری دیوانگی سے اچھی طرح آگاہ بھی، پھر یہ قدم کیوں اٹھا لیا، کیوں مجھے زندہ درگور کر ڈالا؟ کیوں؟ آپ کو پتا ہے موت کتنی مہنگی ہو چلی ہے، آپ جتنی مہنگی، آپ جتنی نایاب، آپ جتنی کٹھور، آپ کی طرح ہی بے حس بھی، جیسے آپ نہیں دوبارہ ملتے ویسے ہی موت بھی نہیں آ رہی، ایسے میں کیا حل ہو؟ آپ سامنے آئیں تو پوچھوں آپ سے، الگ دنیا بسا کے ایسے خوش ہیں جیسے میرے نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑا ہو، پھر میں کیونکر آپ کی طرح نہیں جی پا رہی؟ صاحب آپ نے کیا کر دیا؟ آپ ایسے تو نہیں تھے۔'' وہ سسک سسک کر بے حال ہوئی جاتی تھی، بارش اور تیز ہو گئی تھی، ہواؤں کا شور، کڑکتی بجلی کی دہلا دینے والی آواز، ساون جاتے جاتے اپنا رنگ دکھلا رہا تھا۔

رات کی بارش کتنی خوفناک ہوتی ہے یہ اس نے اب جانا، معاً بجلی ایکدم بہت زور سے کڑکی، وہ بیٹھے بیٹھے دہل گئی، وہ بجلی کی کڑک سے کتنا ڈرا کرتی تھی، سلیمان اس کا خوف سے زدہ چہرہ دیکھتا تو ہنسے جاتا، وہ دہل کر اپنی جگہ سٹ گئی، سکڑ گئی، سارا منظر تاریکی میں ڈوب گیا تھا، لمبے لمبے درخت جھولتے ہوئے عجیب خوفناک لگ رہے تھے، ملازمہ نے پھر اسے پکارا، اسے ڈیڈ کا پیغام دیا، وہ ان سنی کیے گویا ضد میں وہیں بیٹھی رہی، اب خود کو اذیت دے کر ہی اسے سکون ملتا تھا، اپنا نقصان کر کے تسکین پاتی تھی، غضب کا جنون اندر اتر آیا تھا۔

بارش اتنی تیز تھی کہ برآمدے میں آ کر رک جانے والے اسے پکارتے ڈیڈ کی آواز کو دبا کر رکھ گئی، جو فکرمند اور مضطرب تھے، یہ پاگل لڑکی انہیں دکھ سے ادھ موا کر رہی تھی، وہ ان کی سنتی ہی نہ تھی، ان کی مانتی ہی نہ تھی، کتنے بے بس ہو گئے تھے وہ...... اسی بے بسی سے چند قدم آگے بڑھے تو پھوار نے اپنی لحموں میں بھگو ڈالا، انہوں نے پرواہ نہ کی، ان کی کل متاع یہ دیوانی لڑکی تھی، جو خود کو پوری طرح برباد کرنے پہ تل گئی تھی، چند قدم مزید بڑھائے اور برآمدے کی سیڑھیوں پہ قدم رکھ دیئے، اب وہ نچڑنے لگے تھے باقاعدہ، بارش تڑا تڑ ان پہ برس رہی تھی، گویا سنگریزے ہوں، ان کا دکھ سے لبریز وجود جھنجھنا اٹھا، قدموں میں کچھ شاخیں اور پتے آ گئے، انہوں نے جھک کر دیکھا، وہ ستون سے لپٹی وہ بیل تھی جو سفید مرمر کے ستون کی خوب صورتی میں اضافے کا باعث ٹھہرا کرتی تھی، نگاہوں کو بھلی لگا کرتی، جس نے تیز آندھی میں اپنی جگہ چھوڑی تو قدموں میں رلنے کو آ پڑی تھی، ان کا دل مزید دکھ سے بھر گیا اندھیرے میں اندھیرے کا حصہ بنی اس نیم پاگل لڑکی کو دیکھنے، جو اس بیل کی طرح ہی اپنا مرکز اپنا مقام کھو کر اب واقعی قدموں میں رل ہی تھی، وہ بھی اس بیل کی طرح سے حقیر اور بے مایا ہو گئی تھی اس اونچے آکاش جیسے شخص سے الگ ہو کر، اس کی ساری خوبصورتی سارا سحر اس بلندی اسی سحر انگیزی میں منحصر تھا گویا۔

ڈیڈ اسے زبردستی کمرے میں لائے تو اسے حواسوں میں نہیں کہا جا سکتا تھا، وہ نیم جان بھی تھی، نڈھال اور وحشت زدہ بھی، ڈیڈ کی آنکھوں کی نمی بڑھ گئی، میل نرس کو اس کے کمرے میں رکنے

اس کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے وہ خود کمرے سے چلے گئے جبکہ ان کے ہونٹ اسی نیم خوردہ نیم جاں کشی کی کیفیت میں بار بار چند لفظوں کی گردان کرتے تھے۔

"صاحب..... مت جائیں ایسے، خدارا نہ جائیں۔" ماحول سوگوار آنکھ نم تھی، شاعر کی اداس نظم کی طرح، جو کہتا تھا ٹھیک کہتا تھا۔

بھول کر ذات تم کو یاد کیا
بات بے بات تم کو یاد کیا
نیند ناراض ہو گئی ہم سے
ہم نے جس رات تم کو یاد کیا
چاند کے ساتھ تھیں ملاقاتیں
ہر ملاقات تم کو یاد کیا
بات کی بیکراں اداسی کا
تھام کر ہاتھ تم کو یاد کیا
اپنی آنکھوں کے خشک صحرا میں
لے کر برسات تم کو یاد کیا

☆☆☆

چاند نکلا نہیں
اور جو نکلے بھی تو
چاند راتوں کی اپنی پرانی شناسائی کے خوف سے
ایک مدت سے ہم آسمانوں کی جانب نہیں دیکھتے
آنکھ برسی نہیں
اس لیے کہ دکھوں اور غموں سے در آنے والی گھٹاؤں
ہم راستوں میں کہیں چھوڑ آئے ہیں
اور پھر ہم میں اب بارشوں کی رتیں اپنی آنکھوں میں لانے کی ہمت نہیں
یاد آیا نہیں
وہ جو بھولا نہیں تھا کبھی بھی ہمیں
وہ جو اترا نہیں تھا کبھی ذہن سے
اک مدت سے وہ یاد کی بستیوں میں کہیں دفن ہے
اور اس کو ابھی تک بلایا نہیں
اب تو کچھ بھی نہیں
زندگی بھی نہیں
جسم کا ڈھیر ہے
سانس کے جرم میں فیصلے کی گھڑی

اک ذرا دیر ہے
منتظر ہے کہ بس فیصلے کی گھڑی اک ذرا دیر ہے
چاند نکلے تو کیا
آنکھ برسے تو کیا

آنکھیں دکھاتا سورج سیاہ بدلیوں کی یلغار میں کہیں دب کر رہ گیا اور ہر سو گہری شام کا سا اندھیرا پھیل گیا، کچھ لمحوں کو ہر طرف اک بولتی سی خاموشی چھا گئی، طوفان سے پہلے کی گمبھیر خاموشی اور پھر اس خاموشی کو بادلوں کی گونج دار کڑک نے توڑا اور ساتھ ہی موٹے موٹے قطرے برسنے لگے، تیز ہوا سے کھڑکی پر جھکا شہتوت کا درخت مستی کے عالم میں سر دھننے لگا، کھڑکیاں ہوا کے زور سے بند ہونے کھلنے لگیں، بارش کی تیز بوچھاڑ نے آندھی کے حملے کو پسپا کر ڈالا اور چند ہی لمحوں میں اس تیز بوچھاڑ نے موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی، وقت کتنی تیزی سے بیت گیا تھا، وہ ایک بیٹی کی ماں بن گئی، کتنی مشکل سے بچی تھی مرتے مرتے پھر زندہ ہو گئی، اب پھر مرنے کو تیار تھی، یعنی وہ پھر سے پرگنیٹ ہو گئی تھی، سیزرین اور اتنی جلدی دوبارہ پریگنینسی، فضہ نے اسے بے بھاؤ کی سنائیں۔

''تم پاگل ہو یا اس بندے کو ہی تمہارا ذرا خیال نہیں۔'' وہ اسے جھاڑ رہی تھی، دوسری بات بالکل درست تھی مگر اقرار کا اعتراف کا حوصلہ ناپید، وہ حال سے بے حال تھی، اس شخص کو اس کی جو رتی برابر پرواہ ہو، ہر روز اک نیا ستم اس کے لئے ایجاد کیا کرتا، کرنے میں کوشاں رہا کرتا، اس کی بیٹی کو نام بھی یارمن نے دیا تھا۔

''حرم!''

اس شخص نے بیٹی سے گو کہ اس جیسا سلوک تو روا نہ رکھا مگر اتنی اہمیت بھی نہ دی جو اولاد ہونے کے ناطے بچی کو ملنی چاہیے تھی، بچی صرف چھ ماہ کی تھی جب فضہ نے اس کے حالات بھانپ کر وہ اہم فیصلہ کیا اور اسے بھی سنا دیا۔

''حرم کو میں اپنے جنید کے لئے تم سے مانگتی ہوں غانیہ! تم انکار نہیں کرو گی، خود پہ جو رحم نہیں کھایا وہ بیٹی پہ ضرور کھا لینا، یہ سوچ کر منع نہیں کرنا اور منیب کو کسی بھی طریقے سے منا کر دم لینا تم۔''

اور غانیہ کو لگا تھا جیسے حبس زدہ فضا میں کہیں اچانک بادل کا ٹکڑا ٹھنڈک کا خوشگوار احساس لئے اس پہ اچانک نم بوندیں گرانے لگا ہے، مگر کچھ احساس لمحاتی ہوتے ہیں، پانی کے بلبلے کی طرح ناپیدار یہ خوشی یہ احساس بھی ایسا ہی لمحاتی ایسا ہی ناپیدار ثابت ہوا، دکھی کر گیا کہ اگلے دن ہی بھائی، بھاوج کے ساتھ حرم کے رشتے کے مطالبے کے ساتھ چلے آئے، اویس کے لئے حرم کے طلبگار ہو کر، وہ ٹوٹے رشتے جوڑنے کے خواہش مند تھے یا پھر مقصد و مطلب دکھ میں اضافہ کرنا تھا، غانیہ جو اتنی بے حوصلہ تھی کہ فضہ کی خواہش اس شخص تک پہنچانے کا حوصلہ نہیں کر پائی تھی، کسی مناسب وقت کی منتظر تھی۔

سخت ہراساں ہو کر رہ گئی، بھلا سے اس شخص کا تعلق جتنا بھی کھردرا سہی مگر اس کی مخالفت میں کچھ بعید نہ تھا، وہ یہ سرا سر گاٹے کا سودہ بھی کر لیتا اور وہی ہوا، محض اک لمحے کو، محض اک لمحے کو

منیب نے اس کی سراسیمہ نظروں کو دیکھا تھا اور فیصلے کی انی اس کے حلقوم میں پیوست کر ڈالی، غانیہ کے حواس کام کرنا چھوڑ گئے تھے یہ جان کر کہ منیب نے بھا کو بھا کے مطالبے کی رضا کی خوشی سونپتے اسے اور اس کے ساتھ حرم کو بھی ہمیشہ کے لئے مصلوب کر دیا تھا، غانیہ گنگ بیٹھی تھی، جیسے یقین نہ آتا ہو، وہ شخص ایسا کر سکتا ہے۔

ہاں اسے یہ یقین ہی تو نہ آتا تھا، وہ شخص اپنی بیٹی سے ایسا کیسے کر سکتا ہے، مگر وہ کر چکا تھا، صرف اسے تکلیف دینے کو؟ اس نے خود سے سوال کیا اور سرد پڑ گئی۔

یہ تکلیف صرف غانیہ کی تکلیف تو نہ تھی، اس کی بیٹی کی بھی تکلیف تھی حرم کی بھی بربادی تھی اور حرم پہ آنچ آئے یہ ہی گوارا نہیں تھا اسے، وہ اب ماں بن گئی تھی، تو اس درجے کے اس مقام کے کچھ تقاضے بھی تھے، ماں کمزور نہیں ہوتی، ماں شیرنی ہوتی ہے، جو اس کے بچے کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے اس پہ جھپٹتی ہے، اس پر غراتی ہے، وہ بھی دبکی ہوئی ہر ظلم چپ چاپ سہنے والی کمزور غانیہ سے ایک منٹ میں شیرنی بن گئی، اس نے بھی اس ظلم کے خلاف اٹھنے کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، وہ جو اپنے لئے آواز نہیں نکال پائی تھی، اپنی بیٹی کے حق کے لئے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی، وہ شخص کون ہوتا تھا یہ غلط فیصلہ کرنے والا؟ اویس کا بھلا حرم سے جوڑ ہی کیا تھا نہیں کوئی جوڑ نہیں تھا، وہ ہرگز یہ فیصلہ قبول نہیں کر سکتی تھی، جبھی اس شخص سے پہلی بار اتنی شدت سے الجھ گئی۔

"آپ نے بھا کو اویس کے لئے ہاں کیوں کی، وہ بھی مجھ سے پوچھے بغیر۔"

منیب رات کو اندر آیا تو وہ جیسے منتظر ہی تھی، محض ڈیڑھ سال کا عرصہ اور وہ گلابوں سی نازک نظر آتی لڑکی ماند پڑ گئی تھی، مرجھا گئی تھی، اس کے پاس تو اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ کبھی دھیان سے اس کے چہرے کو دیکھ لیتا، اس نے کہا تھا وہ اس کے نزدیک ایک ضرورت سے زیادہ اہمیت اختیار نہیں کر سکے گی، وہ اپنی بات ثابت کر چکا تھا، ایک سال میں جو گزر گیا کیا کیا ستم نہ توڑا تھا اس پہ، اسد کی شادی ہوئی، منیب نے اسے جانے کی اجازت نہیں دی اور وہ وفا پرست لڑکی اپنی محبت پہ آنچ آنے نہیں دے سکی اور اکلوتے بھائی کی اہم ترین خوشی سے دستبردار ہو گئی، اسد خود اسے لینے آیا، غانیہ نے کتنے حوصلے سے انکار کیا، بعد میں کیسے نہیں بکھری، وہ شخص اس کی ہر اذیت کا گواہ تھا، مگر رحم کھانے پہ آمادہ نہیں تھا بس، اب تو اسے یہ بھی احساس نہیں تھا کہ کوئی کیا سوچے گا اس کے بارے میں، وہ کتنا ظالم ہے، وہ اتنا سفاک کیوں ہے، وہ ایسا منتقم مزاج کیوں ہے۔

اسے پرواہ نہیں رہی تھی، غانیہ تو اس کی ستم ظریفیوں پہ اپنوں کے سامنے پردے ڈالتی بھی تھکنے لگی تھی۔

"تمہیں یہ خوش فہمی کیونکر لاحق ہوئی کہ میں اپنا کوئی فیصلہ تم سے مشورہ کر کے بھی کر سکتا ہوں۔"

اس شخص کو دو کوڑی کر کے رکھ دینے میں کمال حاصل تھا، اذیت کے ہر رخ سے آشنائی تھی، ستم کے ہر ہنر سے آگاہ تھا، مگر غانیہ اب کی مرتبہ شل نہیں ہوئی، دکھ سے لبریز ہو کر بولنا نہیں بھولی، یہ معاملہ اس کا ہی نہیں تھا، اس کی بیٹی کا بھی تھا، بلکہ اس کی بیٹی کا ہی تھا۔

"مگر چوہدری منیب صاحب یہ فیصلہ آپ کا ذاتی فیصلہ نہیں ہے، یہ حرم کی زندگی کا فیصلہ ہے

جو......"

"اور حرم میری بیٹی ہے۔"

وہ شخص سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا گویا جتلا رہا تھا، اسے اس کی اوقات ظاہر کرا رہا تھا، غانیہ نے سر کو نفی میں زور سے جنبش دی، اس کا تنفس طیش کے باعث تیز ہوا جاتا تھا۔

"صرف آپ کی نہیں، منیب صاحب وہ میری بھی بیٹی ہے اور ماں ہونے کے ناطے میرا پورا حق ہے کہ میں اس کی زندگی کا ہر فیصلہ کرنے میں اپنا حق محفوظ رکھوں۔"

منیب اسے طنزیہ نظروں سے دیکھنے کے علاوہ اک لفظ نہیں بولا، یہ انداز بھی گویا تاؤ دلانے آگ لگانے کو کافی تھا، غانیہ کو بھی تاؤ آیا آگ سی لگی۔

"آپ سن رہے ہیں میں کیا کہہ رہی ہوں؟ اویس حرم کو ڈیزرو نہیں کرتا، بہتر ہے آپ انکار کر دیں، ورنہ میں خود......"

"اپنی بکواس بند کرلو، یہیں رک جاؤ، اس سے آگے ایک لفظ نہیں۔" منیب اک دم سے گرج اٹھا اس کی آواز طیش سے بلند تر تھی، غانیہ پھر بھی خائف نہیں ہوئی۔

"نہ یہ بکواس بند ہوگی نہ میں یہ یہیں رکوں گی، میں نے کہا نا اگر آپ نے انکار......" اب کی بار اس کی بات ادھوری رہ جانے کا باعث منیب کا اس پہ اٹھا ہوا ہاتھ تھا، تڑاخ کی زوردار آواز گونجی اور تیورا کر گرتی غانیہ جو اس باختہ نظر آتی آنکھوں میں حیرت ورنج وملال سے متجمند ہوتی نمی لئے ٹکر ٹکر اس شخص کی صورت دیکھتی تھی، جو اسے دبانے کو زیر کرنے کو اپنے اکھڑ انداز میں دھمکیاں دے رہا تھا۔

"ڈونٹ کراس یور لمٹس غانیہ بیگم! مت بھولو کہ تمہاری ڈور میرے ہی ہاتھوں میں ہے ابھی، اک لمحے میں کاٹ کر پھینک سکتا ہوں، محض چند لفظ تمہیں اس بلندی سے پستی میں گرانے کو کافی ہو سکتے ہیں، چند لفظ اور وہ چند لفظ جانتی تو ہوگی کون سے ہو سکتے ہیں، اپنی اوقات یاد رکھا کرو، تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔" نخوت بھرے سرد انداز میں کہتا وہ پلٹ کر پیر پٹختا باہر چلا گیا اور وہ جو سمجھتی تھی، وہ مضبوط ہوگئی ہے، وہ کچھ کر سکتی ہے، واقعی اپنی اوقات پہ واپس آ گئی۔

وہ ساری رات، ایک بار پھر اس نے رو کر گزاری، اپنی بے بسی کا احساس بچھو کے ڈنک کی مانند رگ جاں کو مسلتا تھا، آنکھیں جلتی اور سر بوجھل تھا، بچی بے قراری سے روتی سر اور پیر پٹختی تھی، شاید اس کے پیٹ میں تکلیف تھی، آواز کی بلک اس کی تکلیف کی گواہی دیتی تھی، غانیہ بے حس بنی پڑی رہی، اس رات وہ مایوسی کی اس انتہا پہ تھی کہ اس نے خود یہ خواہش کی تھی، حرم مر جائے، ابھی مر جائے، بڑی ہو کے بار بار مرنے سے بہتر تھا، وہ ابھی مر جائے تاکہ موت آسان ہو، وہ خود مر رہی تھی، جانتی تھی، یہ بار بار کا مرنا کتنا تکلیف دہ ہے، یہاں تو زخم کاری کو صرف ایک وہی شخص تھا، تاؤ جی تائی اماں سہیل کنیز سارا گھرانہ اس پہ مہربان تھا زندگی پھر اتنی دشوار تھی تو حرم کیسی بدنصیب تھی کہ اویس کے ساتھ وہاں ہر فرد ہی نفرت وعناد کے ایسے مقام پہ کھڑا تھا جہاں زندگی میں کسی خوشی کا کوئی معمولی سا بھی احساس نہیں ملتا تھا۔

تو کیا پھر بہتر نہیں تھا کہ وہ مر جاتی، ابھی مر جاتی، ہاں یہی بہتر تھا، اس سوچ نے جتنا بھی

روہانسا کیا مگر مطمئن بھی کر دیا، بچی کا رونا، پیر پٹخنا بجائے گھٹنے کے شدت پکڑتا گیا اور اس کی خاموشی و لاتعلقی بھی تب وہ شخص پیر پٹختا ہوا تلملاتا ہوا اندر آیا تھا، اک لفظ کہے بغیر اس پر متاسفانہ نگاہ ڈالتا بچی کو اٹھا کر غالباً ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا، آدھے گھنٹے بعد واپسی ہوئی تو بچی اس کے کاندھے سے لگی سوتے میں بھی ہچکیاں بھرتی تھی۔

''ابھی کچھ دیر قبل محبت کے بڑے بڑے دعوے ہو رہے تھے، عمل میں کتنی اسٹرانگ ہے یہ محبت اب ثابت بھی ہو گیا۔'' بچی کو بستر پہ واپس لٹاتا وہ اسی پہ طنز کے تیر چلا رہا تھا، غانیہ نے سوجی آنکھیں اٹھائیں نہ اسے دیکھا البتہ خاموش نہیں رہی۔

''کاش یہ بڑی ہو کر سولی چڑھنے سے بہتر ہے ابھی مر جائے۔'' اس نے کراہ کر جیسے کہا منیب نے اتنا ہی چونک کر اس کی شکل دیکھی، ایک پل کو نگاہ نہیں چرا سکا، وہ ایسی حسین عمارت کی طرح لگی جو بنیاد کو سیلن لگنے کے باعث تیزی سے ڈھنے کے مرحلے سے گزرتی ہے مگر اپنی دلکشی اپنا وقار زمین بوس ہونے ملبے کا ڈھیر ہونے تلک برقرار ضرور رکھتی ہے۔

''ایک تھپڑ اور پڑے گا تو حواس بالکل ٹھکانے آ جائیں گے۔'' اب کے وہ بولا تو لہجے میں وہ سابقہ گھن گرج مفقود تھی، غانیہ نے سسکی سی بھری پھر ایک دم اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

''منیب!'' وہ کرلانے لگی، بے ساختہ رو پڑی۔

''جتنا مرضی مار لیں مگر یہ سزا نہ دیں۔''

''یہ سزا نہیں ہے بے وقوف عورت۔'' منیب نے جھلا کر جھڑک ڈالا۔

''سزا ہے، بالکل سزا ہے، اپنا فیصلہ بدل لیں پلیز۔'' وہ یونہی روئے گئی، منیب نے اس کی بجائے حرم کو دیکھا تھا اور گہرا سانس بھرا۔

''میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے، ویسے ہی جیسے ابا اور تمہارے فادر نے خاندان کو جوڑنے کی خاطر کیا تھا، میری اس حرکت کے پیچھے تم سے کسی قسم کی کوئی ضد یا انتقام نہیں ہے۔'' اب کے وہ دھیمے لہجے میں سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''اگر ایسا ہے تو یہ فیصلہ جنید کے حق میں کر دیں، فضہ مجھ سے یہ بات کہہ چکی ہے مگر......''

''نہیں...... اب ایسا کچھ نہیں ہو گا، میں زبان دے چکا ہوں۔'' اس کا لہجہ اس کا انداز پھر نروٹھا ہوا تھا۔

''اپنی اولاد کی خوشی اور بقاء سے بڑھ کر نہیں ہونے چاہیے زبانی قول، کیا آپ اسے برباد ہونے دیں گے۔'' غانیہ نے ہمت نہیں ہاری، منیب نے اب کے اسے جھلا کر بے حد خفگی سے دیکھا۔

''کیا تم برباد ہو گئی ہو؟'' سوال اہم تھا، تیکھا تھا، جواب اس سے بھی زیادہ تیکھا ہو سکتا تھا، اسے دینا آتا بھی تھا مگر فساد برپا ہونے کا امکان غالب تھا، سمجھداری کا تقاضا تھا خاموشی، وہ خاموش رہی۔

''آپ میں آپ کے گھر والوں اور اویس کے ساتھ اویس کی فیملی میں ہر لحاظ سے زمین آسمان کا فرق ہے منیب، اس بات کو کبھی تو سمجھیں، رشتے مضبوط کرنے کو نئے تعلق استوار کرنے

کی بجائے پہلے سے بندھے رشتوں کی آبیاری کر لی جائے یہی کافی نہیں؟'' اس نے تصویر کا دوسرا رخ سامنے رکھ دیا، شاید پتھر پگھل جائے، شاید بات خانے میں پڑ جائے۔

''خواہ مخواہ ضد کر رہی ہو، گویا ایک بات کا پیچھا لے لیا ہے، بھا کے بچوں میں سے اویس سب سے قابل ہے، شہر کے اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، ویسے ہی جیسے اگر مجھے ابا نے تمہارے ساتھ باندھا تھا تو عمروں کا فرق دیکھے بغیر مجھے اپنی حیثیت دیکھے بنا سب سے اونچے مقام پہ بھی پہنچایا تھا، بے فکر ہو جاؤ، میں نے بھی یہ فیصلہ بے جا نہیں کیا۔'' وہ گویا اپنے موقف پہ قائم تھا، ہلنے پہ آمادہ نہ تھا، غانیہ کو ایکدم مایوسی ہوئی، آنکھوں میں آنسو آ گئے، منیب نے اک نظر اسے دیکھا گہرا سانس بھر کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''غانیہ کیسے یقین دلاؤں کہ میں نے یہ سب تمہاری ضد میں نہیں کیا، اتنی بدگمان کیوں ہو مجھ سے تم؟'' وہ عاجز بے بس سا ہو کر بولا تو غانیہ نے آنسوؤں سے جل تھل نظریں اٹھائی تھیں، گہرا سانس بھرا، متاسفانہ انداز میں سر جھکا، گویا کہہ رہی ہو۔

''پھر کیا مجبوری؟''

''مجبوری ہے۔'' منیب نے اپنی بات پہ پورا زور دیا۔

''تم نے نوٹ نہیں کیا، ورنہ یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام تر ناپسندیدگی و ناگواری کے باوجود اماں ابا بھی کچھ نہیں بولے، مطلب یہ کہ اختلاف نہیں کر سکے، یہ ہماری خاندانی روایت ہے، جسے نبھانا مجبوری ٹھہری، بھائی آپس میں ایک رشتہ کرنے کے پابند ہیں، چاہے جوڑ کتنا ہی بے جوڑ کیوں نہ ہو، میری مثال سامنے ہے تمہارے، میں نے بھی تو کتنے ہاتھ پیر مارے تھے، اس انکار کے پیچھے ایک وجہ اس روایت سے بھی بغاوت تھی، میں جانتا تھا اگر خود اس روایت کی بھینٹ چڑھا تو کل اپنی اولاد کو بھی قربان کرنا ہوگا، تب ابا نہیں سمجھے لیکن اب وہ بھی مجبور نظر آ رہے ہیں، نا خوش نظر آ رہے ہیں، ابھی میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ صاف انکار کر سکوں، لیکن وعدہ کرتا ہوں اگر اویس کو مستقبل میں حرم کے قابل نہیں پایا تو میں لازماً اس رشتے کو ختم کر سکوں گا، اس وقت پہ خاموشی بھی ایک مصلحت ہے اسے سمجھو۔'' اس کے ہاتھ پہ تسلی آمیز ہاتھ رکھتا ہوا وہ کتنے رسان سے سمجھا رہا تھا، غانیہ تو گنگ بیٹھی تھی، اسے یقین نہ آتا تھا یہ شخص وہی بے حس سرد و سفاک آدمی ہے جو اس کے لئے کم از کم کوئی جذبہ کوئی احساس نہیں رکھتا تھا، صد شکر وہ اپنی اولاد کے لئے نرم گوشہ پاتا تھا، اس کی خوشی طمانیت کے لئے یہی کافی تھا۔

''وعدہ......؟''

اس کی آواز میں زندگی کا احساس جھلملایا، وہ شخص بوجھل دل سے مسکراتا محض سر اثبات میں ہلا سکا تھا، غانیہ نے یوں آنکھیں موند لیں گویا طویل مسافت کے بعد خواری کے بعد منزل کی نشاندہی ہونے پہ سکون کا طمانیت کا گہرا احساس دل میں جاگزین ہو جائے، اس نے ہاتھ بڑھا کر حرم کو خود سے قریب کیا اور نیچے چہرہ جھکاتے بچی کی صبیح پیشانی چوم لی، اسے اب اپنی ساری دعائیں حرم کے نام کرنی تھیں۔

☆☆☆

دل کے قصے عجیب ہوتے ہیں
پل میں بدلے نصیب ہوتے ہیں
مدتوں خود کو مل نہیں پاتے
وہ جو تیرے قریب ہوتے ہیں
وہ جو دیتے ہیں مجھ کو روگ نئے
وہ ہی میرے طبیب ہوتے ہیں
رہ کے ساگر میں ہم رہے پیاسے
اپنے اپنے نصیب ہوتے ہیں

اس نے پلکیں نہیں جھپکی تھیں، بلکہ وہ پلکیں تک جھپکنے پہ قادر نہیں رہی تھی، یہ دشمن جاں کا نہ سہی وہ دو راہ ضرور تھا جہاں وہ قدم رنجا فرماتا تو اس چوکھٹ کے بھاگ جاگ اٹھتے تھے، سنا تھا ابھی کچھ دن قبل وہ بیٹی سے ملنے بہن کے گھر آیا تھا، اگر وہ محسوس کرنا چاہتی تو یار کی خوشبو فضا میں ابھی تک رچی محسوس کر سکتی تھی اور وہ محسوس کر رہی تھی، وہ تو دیوانی ہوئی جاتی تھی آنکھیں بار بار پوچھتی تھی، آنکھیں بار بار برستی تھیں، ٹیکسی بالآخر رک گئی، ٹیکسی تو کب کی رکی تھی، وہ تو بس حوصلے مجتمع کرتی تھی، ڈرائیور جھلا گیا، کرائے کا تقاضا کرتا اسے اترنے کا کہہ رہا تھا۔

''کیا کرتا ہے بی بی، ام کو صرف تمہیں ہی نہیں ڈھونا تھا، تمہارے سو روپیہ کی خاطر ام نے گھنٹہ ضائع کیا باقی کا ٹیم اب تم یہاں سے نہ ہل کر ضائع کراتا۔''

وہ چونک گئی، بلکہ ہوش میں آ گئی، وہ ہوش جو یار کے خیال نے بھلا دی تھی، پرس میں ہاتھ ڈالا، جو بھی نوٹ سامنے آیا تھا دیکھے بغیر ڈرائیور کو پیش کر دیا، ڈرائیور چونکا، مونچھیں پھڑک اٹھیں، ناگواری سے تلملا کر میم صاحبہ کو دیکھا۔

''ام کو رشوت نہیں چاہیے میم صاحب، جتنا کرایہ بنتا اتنا ہی لیتا ام، سو کا نوٹ نکالو۔'' وہ کھسیا گئی، اصرار نہیں کیا، لب و لہجہ اور سرخ و سفید رنگت نے جتلا دیا غیور پٹھان ایک روپیہ کم یا زیادہ نہ لے گا، خان پٹھان سے یہ تو اس کا بھی پالا پڑا تھا، پٹھانوں کو ہی تو وہ سمجھ پائی تھی، نوٹ واپس بیگ میں پھینکتی، مطالبہ پورا کرتی نیچے اتر آئی۔

''بیگم صاحبہ سے ملنا ہے؟'' اس نے گیٹ پہ موجود واچ مین کو مخاطب کیا۔

''نام بتاؤ بی بی!'' وچ مین لحاظ کا قائل نہ لگتا تھا، کھردرے انداز میں تقاضا دہرایا، وہ مخمصے میں گھر گئی، نام بتانے پہ جانے اندر جانے کی اجازت بھی نہ ملتی، جبکہ وہ اتنی دور سے مایوسی کا سامنا کرنے کو تھوڑا ہی آئی تھی۔

''میں ان کی واقف کار ہوں، اگر اندر نہیں جانے دے سکتے تو انہیں یہاں بلا دو، انکار نہیں کریں گی مجھ سے ملنے سے۔'' اس کا انداز فدویانہ تھا، وہ اک خواہش کی تکمیل کو غریب ہوئی تھی، اب فقیر بھی ہوئی جاتی تھی، کاسہ پھیلائے در در سوالی ہونے کو تیار، یا پھر مجبور، واچ مین انکار کرتا تھا اور وہ اصرار کیے جاتی تھی، یہ سلسلہ جاری تھا کہ گاڑی کے رکنے کی آواز پہ دونوں چونک پڑے، متوجہ ہو گئے، واچ مین الرٹ تو وہ اس سے بڑھ کر مشتاق نظر آنے لگی، ایک لمحہ بھی درکار نہ تھا اسے

انہیں پہچاننے کو۔
''آپا...... آپا'' وہ جیسے تڑپ کر آگے بڑھی تھی، اسے حیرانی سے دیکھتیں آپا مزید غیر یقینی میں گھر گئیں، انہیں گویا اپنی بصارتوں پہ اعتبار نہیں آتا تھا۔
''تت...... تم......؟...... یہاں......؟'' وہ ششدر تھیں، بے تحاشا ششدر، خائف بھی نظر آنے لگیں۔
''مجھے آپ سے ملنا تھا، بہت ضروری ملنا تھا، پلیز انکار مت کیجئے گا۔'' وہ حسب عادت رونے لگی، اسے رونے سے فرصت ہی نہ ملتی، دل ہی اتنا کمزور ہو گیا تھا، بات بے بات آنسو ٹپک پڑتے، وہ کتنی بے بس ہو چلی تھی اس دکھ کے باعث وہ ایک بار پھر فقیر ہوئی، منت پہ ترلے پہ اترنے لگی، آپا گھبرائیں ایسے کہ گاڑی سے اتر آئیں، اسے گلے لگا لیا، عجیب سا دکھ انہیں گھیرنے لگا کیسے کہوں کا ایسا ویسا ہو جانا دکھ کی ہی بات ہوتی ہے اگر سمجھا جائے تو۔
''تمہارا اپنا گھر ہے، ایسی باتیں تو نہ کرو، لیکن یقین جانو تمہاری بیٹی اب نہیں ہے یہاں، مون لے گیا ہے اسے، میں کچھ مدد نہیں کر سکتی تمہاری۔'' ان کا جواب ان کی فہم کے مطابق تھا، شاید وہ بھی اس کے اصل دکھ اصل نقصان تک رسائی حاصل نہیں کر پائی تھیں۔
''آپا! مجھے بچی کے نہیں صاحب کے متعلق بات کرنی ہے آپ سے، اپنی بات کرنی ہے۔'' وہ جیسے آہ بھر کے بولی، سسک پڑی، آپا نے اسے تھپک کر خود سے الگ کیا اک اور گہرا سانس بھرا۔
''جو بھی بات کرنی ہے آ جاؤ، کہا نا اپنا گھر ہے تمہارا۔'' انہوں نے پوری توانائی صرف کر دی گویا اسے اپنائیت کا احساس دلانے میں مگر وہ تھی کہ گویا ہر احساس سے عاری تھی، ہر جذبے سے بے بہرہ ہو گئی تھی، جھکے سر جھکی نظروں ڈھلکی گردن کے ساتھ وہ ایسے چلتی تھی جیسے کوئی لاچار چلتا ہے، جیسے کوئی گداگر چلتا ہے، یہ وہی تھی جس کی تمکنت شہزادیوں کو بھی مات دے جائے، وہ سب طنطنہ بھولا بسرا خیال ہوا، ماضی بعید کا قصہ ہوا، آپا نے اسے متاسفانہ نظروں سے دیکھا، انہیں اس پہ بیک وقت غصہ بھی آیا کرتا، ہمدردی بھی محسوس ہوتی، اس سے چڑ بھی محسوس کرتیں، ان کے ذہن میں کبھی کی پڑھی ہوئی نظم کے شعر کی گونج اٹھتی تھی۔

ہزاروں ڈوبنے والے بچا لئے لیکن
اسے میں کیسے بچاؤں جو ڈوبنا چاہے

وہ خود ڈوبنے والی ہوئی تھی، وہ خود ڈوبی تھی، کشتیاں جل جائیں تو واپسی کے راستے از خود بند ہو جایا کرتے ہیں، وہ اب کنارے بیٹھ لاکھ مسئلے کا حل نکالنا کسی کے بس کا روگ تھا، وہ اسے لے کر وہیں لان کی کرسیوں پہ بیٹھ گئیں، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، امرود اور آلوچے کے پتوں کا دھیما دھیما شور کانوں کو بھلا لگ رہا تھا، گملے اور کیاریوں میں لگے گلاب موتیے اور چنبیلی کے پھولوں سے آتی بھینی بھینی خوشبو نے فضا کو اور بھی معطر کر رکھا تھا، شبنمی ہری گھاس آنکھوں کو ٹھنڈک بخش رہی تھی، پرندوں اور چڑیوں کی چہکار ماحول کو اور بھی حسین بنا رہی تھی، پیور شفون کے چکن کے آسمانی رنگ کے سوٹ ان کا سرخ و سفید رنگ دمک رہا تھا، انہوں نے اس بے حال جلا وطن ہو جانے والی شہزادی کو دیکھا اور سرد آہ بھری، ملازمہ کو مشروب وغیرہ لانے کا کہہ کر وہ پوری طرح اس

کی سمت متوجہ ہوگئیں گویا منتظر ہوگئیں وہ اپنا مدعا کہے، مگر وہ جانے کس جہان میں گم تھی، ساکن بیٹھی تھی۔

"مون کو پتا ہے خولہ کہ تم پاکستان آئی ہوئی ہو؟" مزید خاصی تاخیر انتظار کے بعد بالآخر انہوں نے خود سلسلہ کلام جوڑا، وہ چونک گئی، ٹھٹک گئی، انہیں دیکھتی پھر سے ساکن ہوتی کھونے سی لگی۔

"خولہ......!!!"

یہ نام یہ پہچان یہ حوالہ، یہیں رہ گیا تھا پاکستان میں جہاں سب چھنا یہ معتبر حوالہ اور نام بھی چھن گیا، اس کا دل عجیب سے ملال عجیب سی وحشت کا شکار ہوا، ہوتا چلا گیا، جدائی کا رنگ اپنی تمام تر بے رنگی اور بے رونقی سمیت اس کی آنکھوں میں نمی بھرنے لگا۔

"نہیں...... انہیں میری...... مجھ سے متعلق خبر سے کیا لینا دینا، وہ مجھ سے اتنے خفا کیوں ہو گئے ہیں آپا!"

اصل دکھ آشکار ہو گیا گویا، لبریز پیمانہ ہلکی جنبش سے بھی چھلک پڑا، معاً وہ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، بکھرنے لگی، آپا تو گھبرا گئیں، جیسے جانے کون سا عظیم ظلم انجانے میں سرزد ہو گیا ہو، ایسی ہی بوکھلاہٹ کا شکار ہوئی تھیں، پریشان سی مضطرب سی اسے چپ کروانے کی کوشش میں ہلکان ہوئیں۔

"بیٹے کو ہی لے آتیں، ہم بدنصیب بھی بھتیجے کی شکل دیکھ لیتے، اب تو اور پیارا ہو گیا ہوگا؟" انہوں نے اپنے تئیں موضوع بدلا، شاید اس کا موڈ بدل جائے، اولاد سے بڑھ کر تو کچھ بھی نہیں ہوتا، انہیں تو یہی لگتا تھا مگر انہیں سوچ جھٹکنی پڑی، ادھر کی ہنوز گمبھیر بلکہ نازک صورتحال انہیں اس سوچ کو جھٹک دینے پہ مجبور کر رہی تھی، دکھی کر رہی تھی، عجیب صورتحال ہوگئی تھی، دکھ کا اندازہ ہوا تو دکھ اور سوا ہونے لگا، وہ شاک میں گھرنے لگیں، کیسی پگلی تھی، دیوانی سی دیوانی، یعنی کوئی تک تھی؟ کوئی سر پیر تھا، بھلا پوچھے کوئی اس جھلی سے، کوئی تیسرا تھوڑی جو بیچ میں آیا، وہ تو خود اپنی ناؤ ڈبونے والی تھی، خود تھی جس نے کشتیاں جلائیں، اپنے ہاتھوں اپنے پیروں پہ کلہاڑی چلائی، اب کون مرہم رکھے، کون زخم سہلائے، کس کو پڑی تھی جو اس اذیت کا ازالہ کرے، وہ گم صم پر ملال پر تشویش بیٹھی تھیں اور وہ تھی کہ روئے جاتی تھی، جیسے اب کبھی چپ نہ ہوگی، جیسے اب کبھی دکھ سے باہر نہ آئے گی۔

"ایسے کیسے کٹے گی خولہ! خود کو سنبھالنا ہی واحد حل ہے میری بچی، خود کو سنبھال۔" وہ دکھی سی دکھی تھیں، مگر خود کو بڑے سبھاؤ سے سنبھالے اسے تسلی و ڈھارس دینے لگیں، اس کے آنسو ہنوز بہتے تھے، بہتے رہے، وہ کیسے سنبھلتی وہ کیسے کہتی، کیسے سمجھاتی انہیں، کہ انہیں نہیں معلوم تھا، وہ اک شخص تھا، جو سحر طاری کرنے کی بھرپور صلاحیت سے مالا مال تھا، دلوں کو فتح کرنے کو جیسے ذرا سی بھی محنت ذرا سی بھی کوشش نہیں کرنی پڑتی تھی۔

جب بولتا تھا تو سامنے والا مسمرائز ہو جاتا، نظر بھر کے جسے بھی دیکھ لیتا، ایسا سحر پھونکتا کہ دل اس کے قدموں میں جھک جاتا، کوئی لاکھ کوشش کرتا اس کا سایہ بھی اس کا پرتو بھی نہ بن سکتا، اس کی

جگہ نہیں لے سکتا، وہ پھر کیونکر نہ روتی، اسے رونا تھا، وہ رو رہی تھی، وہ...... وہ بھی، جو اس سجن یار کو پا کر بھی غیر یقین رہتی تھی، خواب آسا کیفیت کے زیر اثر راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس دور دیش کے شہزادے کے خوابیدہ نقوش کو دیکھا کرتی، اسے تب بھی اپنی خوش بختی پہ اعتبار نہ آتا جیسے کہ یہ دیوتاؤں کی سی آن بان والا شخص واقعی اس کی ملکیت ہو چکا ہے، وہ بے نیاز تھا تب بھی دل کو بھاتا تھا، وہ اس پر توجہ دینے لگا تو اور بھی دل کو لبھانے لگا تھا اور بھی پیارا لگتا، پھر قسمت کی بدقسمت کی تیز آندھی نے آشیانہ ایسے بکھیرا کہ وہ پاگل ہوگئی، مر مر کے جینے لگی، جی جی کے مرتی رہی، ایک بار صرف ایک بار غلطی ہوئی، خودسری ضد انا کے بت اپنے ہی قدموں میں ڈھیر ہو گئے، وہ ٹنڈ منڈ درخت کی طرح صحرائے زیست میں تنہا کھڑی تھی، پیاسی، تشنہ لب، کون تھا بھلا اب اس کا۔

سب سے قیمتی سرمایہ تو خود اپنے ہاتھوں لٹا دیا، وہ اور شدتوں سے رونے لگی۔

میرے یوسف تیری بھرپور زیارت کے لئے
مانگ لائی ہوں زلیخا سے ادھاری آنکھیں

غم سمندر تھا اتنا بڑا تھا دکھ، اور تن تنہا اک حقیر تنکے کی مانند اس کی ذات، وہ تو بے بسی کی انتہاؤں پہ تھی گویا، اس کی اضطرابی کیفیت کسی طور نہ چھپتی تھی، آپا دکھ سے رنج سے شل بیٹھی تھیں، اک شاک کے عالم میں گویا کچھ بول نہیں پائیں گی اب، اس نے بات ہی ایسی کہہ دی تھی، خولہ نے یہ کیا کہہ دیا تھا، ان کا دل پھوٹ پڑا، غم سے آنکھیں بہہ پڑیں، وہ جس کی تمکنت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، وہ جس کے طنطنے کا اک عالم گواہ تھا، جسے اک شاہ زادی کی حیثیت اور درجہ حاصل تھا، وہ یہ کیا کہہ رہی تھی، کیا کہہ گئی تھی، وہ جو مالکن تھی، شہزادی تھی، ملکہ تھی، وہ نوکرانی بننے کو تیار تھی، دیدار یار کی طلب ایسی اندھی بھی ہوتی ہے، اس رانجھن نے کیسا ظلم کمایا تھا، اسے وحشت کے کن صحراؤں میں دھکیل گیا تھا، کہ وہ اس کے نقش پا کو تلاشتی پھرتی تھی بس اپنی ہوش تک بھلائے، یہ تو ظلم تھا، ہاں یہ یار کا ظلم تھا۔

وہ کچھ نہیں بولیں، وہ کچھ نہیں کہہ سکیں، بس اسے گلے لگا کر بلک اٹھیں، پھوٹ پھوٹ کر رو دیں، وہ داسی تھی اور داسی کہاں اختلاف کا حق اور جرأت رکھتی ہے۔

او پیار کرے یا ظلم کرے
دلدار جو ہے
میں کی آکھاں

وہ ایسی ہی ہوگئی تھی، شکوہ نہیں کرتی تھی، راضی بارضا تھی، جوگن بن بھٹی میں اترنے کو تیار، اور بھٹی بھڑک رہی تھی، عشق آتش کے شعلے زبانیں نکالتے لپکتے تھے، وہ بھسم ہونے کو تھی، ختم ہونے کو تھی۔

چہرا کوئی بھی آنکھ میں اترا نہ پھر کبھی
دل نے کسی بھی شخص کو چاہا نہ پھر کبھی
روٹھا ذرا سی بات پہ اٹھ کر چلا گیا
ایسا گیا کہ لوٹ کے آیا نہ پھر کبھی

کچھ یوں ملا تپاک سے بس عشق ہو گیا
وہ اجنبی تھا کون تھا سوچا نہ پھر کبھی
اس نے بطور تحفہ دیا تھا لباس ہجر
پہنا جو ایک بار اتارا نہ پھر کبھی
محسن گزر چکا تھا جو اعتدال سے
جانے کہاں گیا اسے دیکھا نہ پھر کبھی

☆☆☆

کھیل نظروں سے کھیلا ہے وہ
وار سیدھا ہے دل پہ ظالم کا

وہ کب سے تصویر دیکھ رہی تھی، بلکہ دیکھ کیا گھور رہی تھی، پھر طیش کے عالم میں ہاتھ مار کر فریم نیچے پھینک دیا، پہلے قہر بار نظروں سے ٹوٹے فریم کی کرچیوں سے جھانکتی ان حسین قاتلانہ نظروں کے وار سہتی رہی پھر نفرت بھرے انداز میں ان ہی آنکھوں کا نشانہ لے کر تھوک دیا۔

''بہت مغرور ہو؟'' وہ پھنکاری۔

''جتنے بھی دلربا ہو، جیسے بھی حسین، مجھ سے نہیں بچ سکتے، قسم کھاتی ہوں، تمہیں حاصل کروں گی، جھکاؤں گی اپنے پیروں پہ، تمہارا غرور توڑ دوں گی اور بالآخر تمہیں برباد کر دوں گی، میں محبت میں فنا ہونے پہ نہیں خاک کر دینے پہ یقین رکھتی ہوں۔''

جس دن میں بغاوت پہ اتری
اٹھا لاؤں گی اپنے شہزادے کو

وہ جیسے مزا لے کر گنگنائی، ہنسے لگی، یہ ہنسی قہقہے میں بدلی اور قہقہہ ہذیانی ہونے لگا، بے حد ہذیانی، وہ دھیرے دھیرے اپنی اصل شکل کھوتی جا رہی تھی، کسی بلا سے مشابہہ لگتی ہوئی، اس کی زبان مغلظات برسا رہی تھی، معاً وہ جنونی ہونے لگی، خود اپنے بال نوچتی ہوئی۔

''سب جھوٹے ہیں، ہر عمل ہر منتر جھوٹا، سب بے کار، وہ میرے جال میں نہیں پھنس رہا، وہ میرے شکنجے میں نہیں آ رہا، وہ کیوں نہیں آ رہا؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کے روتی اپنا سر دیواروں سے ٹکراتی بالکل حواس کھو رہی تھی، اس گریہ زاری کی وحشت بھری صدائیں گھر میں گونجتی تھیں، بیڈ روم کا دروازہ باہر سے گھبراہٹ بھرے انداز میں دھڑ دھڑایا جانے لگا، اس کی ملازمہ اس کے بچے باہر بدحواس آوازیں دیتے تھے، وہ اندر ہر احساس سے عاری احساس زیاں میں گھری ماتم کناں تھی، وہ چاہتی تھی جو شاید ناممکن تھا، مگر وہ ناممکن کا ممکن ہوتا دیکھنے کی متمنی تھی۔

☆☆☆

وہ کہتی ہے سنو جاناں محبت موم کا گھر ہے
تپش اک بدگمانی کی کہیں پگھلا نہ دے اس کو
میں کہتا ہوں کہ جس دل میں ذرا بھی بدگمانی ہو
وہاں کچھ اور ہو تو ہو محبت ہو نہیں سکتی

وہ کہتی تھی سدا ایسے ہی کیا تم مجھ کو چاہو گے؟
کہ میں اس میں کمی بالکل گوارا کر نہیں سکتی
میں کہتا ہوں محبت کیا ہے یہ تم نے سکھایا ہے
مجھے تم سے محبت کے سوا کچھ بھی نہیں آتا
وہ کہتی ہے جدائی سے بہت دل ڈرتا ہے میرا
کہ خود کو تم سے ہٹ کر دیکھنا ممکن نہیں ہے اب
میں کہتا ہوں یہی خدشے بہت مجھ کو ستاتے ہیں
مگر سچ ہے محبت میں جدائی ساتھ چلتی ہے
وہ کہتی تھی بتاؤ میرے بن بھی جی سکو گے تم
میری باتیں میری آنکھیں میری یادیں بھلا دو گے؟
میں کہتا تھا کبھی اس بات پہ سوچا نہیں میں نے
اگر اک پل کو بھی سوچوں تو سانسیں رکنے لگتی ہیں
وہ کہتی تھی کہ آپ بہت باتیں بناتے ہو
مگر سچ ہے کہ یہ باتیں بھی بہت ہی شاد رکھتی ہیں
میں کہتا تھا کہ یہ باتیں سب فسانے اک بہانہ ہیں
کہ کچھ پل زندگانی کے تمہارے ساتھ کٹ جائیں

"پپا!...... پپا جانی!" قدر کھلکھلاتی ہوئی بھاگتی آ کر ان سے پیچھے سے لپٹ گئی، انہوں نے آہستگی سے کتاب بند کر کے رکھی اور اس کی جانب پلٹے، مٹی سے ستے ہاتھوں سے وہ ان کی سفید براق شرٹ داغدار کر چکی تھی۔

"افوہ...... گندی بچی...... پپا کے کپڑوں کا ناس کر دیا۔" آپا ماں نے خفگی سے اسے دیکھا، وہ پریشان کن نظروں سے دونوں باپ بیٹی کو دیکھتی تھیں۔

"میلے ای بابا ہیں، ہیں نا پپا؟" وہ ان سے اور لپٹ کر مچلتی، گویا حق جتایا، کھلکھلائی اور زیادہ، مون نے بے ساختہ جھک کر اس کا ریشمی بالوں والا خوشنما سر چوما۔

"جی جان...... صرف آپ کے ہیں ہم بابا۔" وہ مسکرا رہا تھا، اس کی بیٹی اس کا سرمایہ تھی، وہ اسے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا، زندگی کی واحد خوشی، اکلوتا سکون کا ذریعہ۔

"بیٹے آپ نے بے بی کے اسکول کی تیاری مکمل کر لی؟ مارچ سے اسٹارٹ کروا رہے ہیں نا اسکولنگ اس کی؟" آپا ماں نے اسے مخاطب کیا تھا، خود قدر کا ہاتھ پکڑ کر ٹیلے تولیے سے اس کے ہاتھ صاف کرانے لگیں، وہ بار بار مچل کر باپ کی طرف جاتی تھی، ڈھائی سال کی بے حد حسین اور کیوٹ بچی، جو کسی حد تک نخریلی اور خودسر بھی تھی، مگر اسے نہیں لگتی تھی، مون تو اس کے لاڈ اٹھاتے نہیں تھکتا تھا، آپا جب بھی آتیں، اسے قدر کو اتنا سر چڑھائے دیکھتی تو تشویش کا شکار ہوئے بغیر نہ رہتیں۔

"اتنے ناز نہ اٹھایا کرو مون بچے، بیٹی پرایا دھن ہوتی ہے۔" وہ آہ بھر کے کہتیں، آنکھوں میں

عجیب سا ملال اتر آتا، موں مسکرا دیتا۔

"جانتا ہوں، جبھی تو زیادہ پیار کرتا ہوں آپا!" وہ پھر بھی بچی کو چٹا چٹ چومنے لگتا، آپا کے اندر کی کیفیت بدل جاتی، مسکرانے لگتیں۔

"شکر ہے بیٹی کے لئے تمہارے پاس ٹائم کی قلت نہیں۔" وہ مطمئن نظر آتیں، اب کے موں خاموش سا رہ جاتا، کچھ نہ بول کر بھی اس کا دکھ آشکار ہوئے جاتا، وقت کچھ اور آگے سرکا تو قدر ٹوٹے پھوٹے الفاظ توتلی زبان میں بولنے لگی، ایک دن بولی۔

"پپا آپ کی شادی کس سے ہوئی تھی؟"

"آپ کی مما سے۔" آپا پاس ہی تھیں، مگر بولا ان کا نٹ کھٹ سا بیٹا تھا۔

"علی شیر، آپا کا سب سے چھوٹا لاڈلا بیٹا۔"

"میری مما کہاں ہیں پپا؟" وہ جھٹ اگلا سوال کر گئی، اس سے پہلے کہ کچھ بولتا کوئی وہ خود ہی کہہ گئی تھی۔

"کیا وہ مر گئیں ہیں؟ سارا کی مما بھی نظر نہیں آتیں، وہ بھی مر گئی ہیں جو گھر میں نہیں رہے، نظر نہ آئے وہ مرا ہوا ہوتا ہے نا پپا؟" وہ مدبر بنی بتا رہی تھی، پوچھ رہی تھی کہ سمجھا رہی تھی، کوئی بھی سمجھ نہیں سکا، البتہ ہر سو سناٹا چھا گیا، آپا نے دکھ سے موں کو دیکھا، موں کے چہرے پہ گمبھیرتا تھی، نہ اقرار نہ انکار، بس خاموشی تھی، عجیب سا سرد پن تھا، معاً اس نے نگاہ بھر کے انہیں دیکھا، گویا ایسی نظر سے دیکھا جیسے قدر کی بات پہ تصدیق کی مہر ثبت کی ہو، اقرار میں ڈال دیا ہو، سچ ثابت کر دیا ہو، آپا بے پایاں دکھ سے لبریز ہوئیں۔

احتجاجی انداز اپنانا چاہا مگر وہ اٹھ کر چلا گیا، گویا کچھ اختلاف نہ چاہتا ہو، آپا کی نم آنکھیں بھر آئیں، اس زندہ در گور جیتے جی مر جانے والی کی زبانی کلامی موت کا رنج پتا نہیں انہیں کیونکر اتنا رلانے لگا کہ اگلے کئی دن وہ ڈھنگ سے جی نہ سکیں اور پھر یہی طے پا گیا، وہ مر گئی ہے، قدر کی ماں نہیں رہی تھی، مر گئی تھی، شاید وہ قدر کے کہنے پہ نہیں مری تھی بلکہ وہ بہت پہلے ہی مر گئی تھی اور یہ سچ تھا۔

وہ تو اس دن مر گئی تھی جب صاحب نے اس سے ہر تعلق توڑا وہ اسی دن مر گئی تھی، قدر نے تو اسے اب مارا تھا، پھر اس موت کا اتنا رنج اتنا ملال کیونکر۔

آپا کتنے دن روتیں، کتنے دن خفا رہتیں، بچی بھی بہل گئیں، زندگی آگے بڑھ رہی تھی، وقت گزر رہا تھا نہیں آگے بڑھ رہی تھی تو وہ پاگل لڑکی، جب حماقت ہوئی، جب نقصان ہوا وہ خود کو اس سزا سے بری نہ کرتی تھی، وہ آگے بڑھنا نہیں چاہتی تھی۔

(جاری ہے)

مداوا

مصباح علی سید

Saba

وہ صحن کے بیچ بچھی چارپائی پر گم صم پتھرائی آنکھیں لئے کسی مورتی کی صورت بیٹھی تھی، چند خواتین مسلسل اس کے بھاری بھرکم وجود کو ہلا کر اس میں حسیات بیدار کر رہی تھیں، مگر وہ یک ٹک اپنے دو سالہ اور سات سالہ بیٹوں کو دیکھ رہی تھی۔

''سب ختم ہو گیا، سارے خواب، ان کی تعلیم، خوشیاں، ہر چیز جل کے بھسم ہو گئی، یہ بھوکے رہ جائیں گے، ہم بھوک سے مر جائیں گے، کیا ہم واقعی مر جائیں گے۔'' اس کی شریانوں میں سوچوں کا تلاطم گردش کر رہا تھا، اس کی سانسیں رکنے لگتیں اور آنکھیں مزید پھیلتی جاتیں، برابر والی آپا کنیز ہمیشہ کی طرح اسے دلاسے دے رہی تھیں۔

''صغریٰ ہمت کر...... تو...... تو ہم جیسی عورتوں کے لئے مثال ہے، تو کیسے ہمت ہار کر سکتی ہے، ہوش کر اللہ سب بہتر کرنے والا ہے۔'' وہ اسے اپنے ساتھ لگائے رسانیت سے سمجھا رہی تھیں۔

''ہم انسان ہیں صغریٰ، اپنی تقدیر پر ہمارا کوئی زور نہیں چل سکتا، سب کچھ تو اللہ کی چاہت سے ہو رہا ہے، تو نے سنا نہیں سب چاہت اللہ پاک کی ہے، اگر ہم خود کو اس کی چاہت کے سپرد کر دیں، تو وہ ہماری چاہت کا خیال ضرور کرتا ہے، کیونکہ وہ کل ہے تمام کائنات کا کل۔'' آپا کنیز کے دلاسے سے صغریٰ کی آنکھوں میں تاسف اتر آیا تھا، اس نے بھنویں سکڑ کر آپا کی طرف دیکھا، صغریٰ کی پتھرائی آنکھوں میں ننھے ننھے قطرے ابھرنے لگے۔

''کیا میں نے صبر نہیں کر رکھا؟ کیا میں خود کو اس کی چاہت کے سپرد نہیں کر رکھا تھا۔'' وہ چند لمحے آپا کے چہرے پر پتلیاں گھماتی رہی، پھر اس کی پرشکوہ نگاہ اپنے بچوں سے ہوتی ہوئی آسمان کی طرف اٹھی، اس کے چھوٹے سے صحن سے آسمان کا ٹکڑا بھی چھوٹا سا نظر آتا تھا، اس کا چھوٹا سا آسمان، وہ آسمان کو نظروں سے چھید رہی تھی، اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہنے لگے تھے، ان قطروں میں اس کے چار سالہ ماضی کے کرب تھے دکھ تھے، جب ایک ایسا ہی دن اس کی زندگی میں طلوع ہوا تھا، دن تو خاصا خوشگوار تھا، مگر رات کی ہولناکی اور اس کے بعد طلوع ہونے والا سورج سب کچھ ڈبو گیا تھا۔

صغریٰ کا میاں شوکت حسن ایک رکشہ ڈرائیور تھا، ان کا کچی پکی آبادی میں ذاتی گھر تھا، دو بچے خوشحال گھرانہ، مزے سے زندگی گزر رہی تھی اور زندگی میں مزے آئے بھی دو ماہ ہی ہوئے تھے، کیونکہ اس سے پہلے شوکت حسن بے روزگار تھا، اس نے دوست کے مشورے پر قرض لے کر رکشہ خرید لیا، مستقبل آمدن آنے لگی تھی، تو زندگی بھی طمانیت سے بھرتی چلی گئی، اس نے اپنی آمدن سے سب سے پہلے کمیٹی ڈالی اور اللہ کے فضل سے دوسری کمیٹی شوکت کی نکلی، وہ بہت خوش ہوا تھا، غالباً جلد از جلد قرض سے خلاصی ملے گی، قرض کی ادائیگی کے بعد بچنے والی رقم وہ اپنے گھر پر لگائے گا، گویا مکان خاصا خستہ حال تھا، وہ اسی خیال سے بیوی، بچوں کو چند دن کے لئے میکے چھوڑ آیا تھا۔

''چھت کے تین کڑیاں تقریباً ٹوٹ گئیں، شہتیر کو بھی دیمک لگ رہی ہے، یہ بھی تبدیل کروانا ہوگا، پھر چھت کی لپائی، خاصی مٹی لگ جائے گی۔'' وہ چارپائی پر لیٹا بار بار کروٹ بدلتے ہوئے مٹی گارے کا حساب کتاب لگا رہا تھا، ہر بار بادل کی تیز گرج اس کے حساب میں خلل پیدا کرتی، وہ گردن مار کر پھر سے چیزوں اور قیمتوں کا موازنہ کرنے لگتا، بجلی کی گرج کے

ساتھ تیز بارش ہونے لگی تھی، چھت کے ایک کونے سے بارش کی ٹپ ٹپ شروع ہو چکی تھی، شوکت حسن کڑیوں، شہتیر کا حساب چھوڑ چھاڑ چپل پاؤں میں اڑستے ہوئے بڑبڑایا۔

''یہ فلمی موسم ہم جیسوں کے لئے ظلمی بنتا ہے۔'' وہ ٹپکتی چھت کے نیچے سے سامان کو بھیگنے سے بچا رہا تھا، زناٹے دار ہوا کے ساتھ بارش کی تیز بوچھاڑ سے گھر کے کھوکھلے کھڑکیاں دروازے بجنے لگے تھے، ٹم ٹم جلتا بلب بھی واپڈا کی ناقص کارکردگی کی نظر ہو چکا تھا۔

''چھت تو تبدیل کروانا ہی ہے کیوں نا لگے ہاتھ دروازے کھڑکیاں بھی بدلوا لوں۔'' وہ بجتے دروازے کے آگے اینٹ کی روکاٹ لگا ہی رہا تھا، کہ باہر سے جانے کیسا شور ابھرا۔

بجلی کی کڑک تھی یا کوئی اور آسمانی آفت یا اسرافیل نے صور پھونکا تھا، ایک کان پھاڑ دینے والی آواز گارے کے پہاڑ اور لکڑیوں کے ڈھیر میں معدوم ہو گئی تھی۔

گھر سے کچھ فاصلے پر کھیت تھے جہاں آگ کی بھٹی جل رہی تھی، سارا علاقہ جمع ہو چکا تھا، ریسکیو ٹیمیں، رضا کار، آرمی کے جوانوں کے علاوہ میڈیا پیش پیش تھا، لاہور سے آنے والا ایک بوسیدہ طیارہ اپنی فنی خرابی یا موسم کی شرارت کے باعث زمین بوس ہو چکا تھا، کتنی قیمتی جانوں کا نقصان ہوا، رشتے دار رو رہے تھے، رات کے اندھیرے کی بناء پر کسی کی زندگی کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا، چینلز پر بار بار خبریں چل رہی تھیں، ملک کے سربراہان شدید افسوس کے ساتھ واقعے کی تمام تحقیقات کا حکم جاری کر رہے تھے، کتنے ہی عرصے تک نامعلوم تحقیقات جاری رہی، مرنے والوں کے لواحقین کو سرکاری خزانے سے چیک جاری کیے گئے تھے، مگر اس واقعے کے پس منظر میں بھی کوئی دفن ہوا تھا، جسے نہ میڈیا نے کوریج دی تھی، نہ ہی حکومت کی طرف سے کوئی اعلان ہوا۔

طیارے کے گرنے سے تمام علاقہ زلزلے کی صورت کانپ گیا تھا، شوکت حسن کی چھت تو پہلے ہی کمزور تھی، وہ چند گلیوں کے فاصلے کا لرزہ کیسے برداشت کرتی، اس نے اپنی مٹی میں شوکت حسن کو بھی چھپا لیا تھا، رات کی سیاہی سفیدی میں بدل چکی تھی، لوگوں کا شور ٹھنڈی سانسوں میں بدل گیا تھا، جاڑے کی یہ بارش صغریٰ کی چھت اڑا لے گئی تھی، اس کا آنچل ہوا میں کانپ رہا تھا، وہ ایک سالہ اور تین سالہ بچے گود میں لئے آہ و بکا کر رہی تھی، وہ چلا رہی تھی وہ اپنا سہاگ اجڑنے پر ماتم کناں تھی، وہ کبھی چہرہ پیٹتی، کبھی سر، اس کی ماتمی آواز سے خوفزدہ ہو کر بارش، بادل مجرم بن کے فرار ہو گئے تھے، مگر ان کا فرار اس کے غم کا مداوا نہیں تھا، کنیز آپا اسے سنبھالنے کی مسلسل کوشش میں تھیں، مگر صغریٰ کی ایک ہی آہ۔'' آپا میں لٹ گئی، بے گھر ہو گئی، اللہ نے مجھے برباد کر دیا، میرے ساتھ بڑا ظلم ہو گیا، ہائے آپا میں کہاں جاؤں۔'' وہ ان کے سینے میں منہ چھپائے کر رہنے لگی تھی۔

''صغریٰ ایسا نا کہہ، اللہ ناراض ہو جائے گا، اللہ اپنے بندے کو آباد کرتا ہے، برباد نہیں کرتا، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، وہ ظالم نہیں ہے، بس ہمیں آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔'' وہ اسے دلاسے دیتے ہوئے چپ کروا رہی تھیں۔

''چپ کر جا، صبر کر، دیکھ بندے جیسی پیاری چیز کو تکلیف پہنچا کر۔'' اس کی اونچی ذات کو سکون ملے گا بھلا؟ وہ تو اپنے بندوں سے بے تحاشا پیار کرتا ہے، یہ تو ہم جیسے بے عقل بندے اپنے گھر، شوہر، بچے کو اپنی کائنات سمجھتے ہیں، ان

مادی چیزوں کو اپنا کل سمجھ کر، اپنا سہارا سمجھ کر تکبر
میں آجاتے ہیں، کہ ہم ان کے بغیر زندہ نہیں رہ
سکتے، کہ یہی ہمارا سہارا ہیں، ہم اتنے بڑے رب
کے ساتھ شرک کرتے ہیں، وہ اسی لئے ہمارا
سہارا توڑ کر ہمیں زندہ رکھ کر دیکھاتا ہے، کہ
پروردگار وہ ہے، کل وہ ہے، تکبر صرف اللہ کی
ذات کے لئے ہے، یہ چیزیں تو صرف دنیا میں
سکون کے لئے دل لگی کے لئے بنائی ہیں۔" اس
کا تر بتر چہرہ دونوں ہتھیلیوں میں پکڑے مسلسل
اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھیں، وہ اپنے
ناک سے نمی کھینچتے ہوئے بولیں۔

"تو اس وقت دکھی ہے، تیرا دل ٹوٹا ہے،
ٹوٹے دکھی دل کے اللہ بہت قریب ہوتا ہے، تو
اس سے اپنا سکون مانگ، اپنے بچوں کے لئے
اپنے لئے اس کی اماں مانگ، وہ تجھ پر اپنا کرم
ضرور کرے گا۔" کنیز آپا محلے میں خاصی نیک دل
اور دین دار عورت تھیں، وہ جب بھی صغریٰ سے
ملنے آتیں اسے ہمت کا صبر کا درس دیتیں، وہ نہ
صرف خود اس کے لئے اس کے بچوں کے لئے
دعائیں کرتیں بلکہ محلے کے باہمت لوگوں کو جمع
کیا اور صغریٰ کے گھر کی چھت ٹھیک کروادی، اس
کے رہنے کا بندوبست ہو چکا تھا، مگر اس کی
روزمرہ ضروریات، کھانے پینے کا سامان، بچوں
کی خواہشات کہاں تک پڑوسی، رشتہ دار پوری
کرتے، اس کے شوہر کا روزگار سلامت تھا، اس
نے ایک دن ہمت کی اور اسے چلانے کا ارادہ
کیا، بچپن میں وہ اپنے بابا کی سائیکل بہت اچھی
چلا لیتی تھی، مگر اب بچپن نہیں تھا، اب ڈیل ڈول
میں فرق آ گیا تھا، مگر اس میں ہمت اپنی جگہ تھی
توازن برقرار رکھنے کی کچھ پریکٹس تھی باقی موٹر
سائیکل چلانے کا فن کچھ ہی دنوں میں کنیز آپا کے
چھوٹے بیٹے سے سیکھ لیا تھا۔

☆☆☆

آج وہ اپنے شوہر کا چنگ چی رکشہ لے کر
نکلی، وہ اپنے دونوں بیٹے آپا کے پاس چھوڑ کر ان
کی دعاؤں میں نکلی تھی، دوسروں کے سامنے ہاتھ
پھیلانے کے بجائے اس نے محنت کو اہمیت دی،
اللہ نے جو محنت میں برکتیں رکھیں تھیں وہ انہیں
پانے کے لئے نکلی تھی، کسی نے اس کی صلاحیت کو
سراہا، تو کسی کی نظر میں بے چارگی، رحم تھا، کسی کی
نظریں اس کے وجود کو چھید گئیں، جہاں تالی بجا
کر اس کی ہمت بڑھائی گئی، وہاں کسی کی گندی
مسکراہٹ نے غلط راستے کی رہنمائی کی، یہ دنیا
ہے ہر طرح کا مسافر اس کے رکشے میں سوار ہوا
مگر وہ یہ سب بھول گئی کہ وہ کون ہے، وہ عورت
ہے یا مرد، وہ زندہ وجود، دھڑکتا دل بھی رکھتی
ہے، بس اسے اتنا یاد تھا کہ وہ دو معصوم بچوں کی
ماں ہے وہ ربوٹ کی طرح جت گئی، ہمت اس
کے عزم پر رقصاں تھی، اعتماد نے اس پر فخر کیا،
اس نے محتاجگی کو پیروں تلے روند ڈالا تھا، بے بسی
پر لعنت بھیج دی تھی، اس کا پرعزم چہرہ، اس کی
جوان ہمت آنکھیں اس کے اعتماد کی غماز تھیں،
زمانے کی سرد گرم، سفاک رویے جھیلتے ہوئے
چار سال تارکول کی سڑکوں پہ اس کا پہیہ اوپر نیچے
گھومتا رہا تھا، اس کی زندگی، اس کی ہر خوشی اس
کے بچے، اس کا رکشہ تھا، وہ ان کا بھرپور خیال
بھی رکھتی تھی، رکشے کی صفائی ستھرائی، چمکتی سطح
نفاست پسند ہاتھوں میں پلنے کی گواہ تھی، وہ جب
فارغ ہوتی اپنے رکشے کو نم کپڑے سے چمکاتی،
رات کو گھر لوٹتی تو اس کے پہیے اس کی تمام سطح کو
دھوتی، گارہ مٹی اتار کر سوکھے کپڑے سے چمکاتی
اور پھر گھر میں داخل ہوتی، معقول آمدن سے اس
کے بچوں کی زندگی خاصی سہل ہو گئی تھی وہ رکشے
پر مناسب خرچ کرنے کے بعد تمام آمدن اپنے

بچوں کی تعلیم و تربیت پر اور پھر اپنے گھر پر لگاتی، جس سے گھر کی حالت بھی قدرے بہتر ہو چکی تھی، کنیز آپا محلے کی نرم دل خاتون اس کے لئے صحیح طور پہ ہمسائی ماں جائی ثابت ہوئیں، بچے سکول سے واپسی پر سارا دن آپا کے گھر رہتے تھے، جیسے ہی صغریٰ گھر آتی بچے بھی گھر آ جاتے، وہ گھر آتے ہوئے جہاں اپنے گھر کا سامان لاتی، وہاں کنیز آپا کے بھی کئی کام بھگتا آتی تھی، کوئی بل جمع کروانا ہوتا، کوئی سبزی ترکاری یا پھر بازار کا کوئی دوسرا کام، محلے کے پانچ چھ گھر جن سے اس کی اچھی خاصی سلام دعا تھی ان سے بھی کام کا پوچھ لیتی تھی خاص کر سامنے والے ریاض صاحب جو آج کل بیمار تھے، ان کی بیگم سے ضرور پوچھتی جاتی تھی، دراصل آج کل خواتین بازار جانے سے اکثر کترانے لگیں تھیں، بعض اوقات تو انہیں آنے جانے کا کرایہ ہی پڑتا تھا کیونکہ اکثر بازار میں غیر اعلانیہ ہڑتال ہو جاتی، سڑکوں پر جلسے جلوس نکالے جاتے، وجہ وہی ہوتی کہ مسلمانوں میں فرقہ واریت پھیلانے یا پھر ان کے جوشیلے خون کو جوش دلانے کے لئے اکثر غیر مسلم شرارت کرتے اور پھر غیرت مند قوم کے جیالے جلوس نکال کر توڑ پھوڑ کرتے، حکومتوں کو نعرے بازی، گالی گلوچ کر کے اپنا خون ٹھنڈا کرتے، آج کل بھی یہی صورت حال پائی جا رہی تھی، اگست کا مہینہ گزرا ہی تھا کہ مغربی ممالک میں شان رسولؐ میں نازیبا گستاخی کی گئی، وہ یار خدا کی بے ادبی کر کے قہر خدا کو دعوت دے رہے تھے مگر یہاں کے انصاف پسند، غیرت مند مسلم، اللہ اور اس کے رسولؐ کے مجرم پر قہر خود اتارنے کے لئے میزان ہاتھوں میں لئے پھر رہے تھے، حالانکہ یہ سب ان کی اہلیت سے باہر تھا، پھر بھی حکومت پر دباؤ ڈالنے اور غیر مسلم کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے سرکاری و نجی املاک کو نقصان پہنچانا اپنا مذہبی فریضہ سمجھ رہے تھے، اسی فریضے کی انجام دہی میں پولیس اور عوام میں تصادم ہوتا اور شہر میں خوف و ہراس پھیل جاتا کئی کئی دن بازار گلیاں ویران ہو جاتیں، لوگوں کے روزگار بند ہو جاتے، جہاں بچے تعلیم سے دور ہوتے وہاں مریض گھروں میں تڑپتے رہتے۔

سامنے والے ریاض اپنی کالج وین چلاتے تھے، ایک ماہ پہلے ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، ان کی ٹانگ دو جگہ سے ٹوٹی تھی، ڈاکٹرز نے پلاسٹر چڑھا دیا، اب پلاسٹر کھلنے کو تھا مگر سڑکوں پر نیم کرفیو کی صورت حال تھی، ڈاکٹر تک جانا محال بن گیا تھا، ریاض صاحب کے علاوہ گھر میں کوئی دوسرا مرد نہ تھا، جو مناسب انتظام کر دیتا، کنیز آپا کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے بیٹے کو مشورہ دیا۔

''بیٹا محلے دار دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں، ایسا کرو تم ریاض صاحب کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ، صغریٰ کا رکشہ ہے، تنگ گلیوں میں بھی رستہ بنا لے گا، بیمار کی عیادت و مدد، بہت ثواب کا کام ہے اور ہمارے نبیؐ کا شیوہ بھی۔'' صغریٰ کو بھی انہیں تکلیف میں دیکھ کر ترس آ گیا، پھر اس کے ہمسائیوں نے ہمیشہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا وہ کیوں کام نہ آتی، پہیہ جام ہڑتال پر مریض ہمسائے کی مشکل غالب آ گئی تھی، وہ اور کنیز آپا کا بیٹا ریاض صاحب کو رکشے پر بیٹھا اور تنگ گلیوں سے ہوتے ہوئے ڈاکٹر کے کلینک پہنچ چکے تھے، کلینک کے مین گیٹ پر تالا پڑا تھا لیکن اس سے ملحقہ چھوٹے سے لکڑی کے دروازے سے اکا دکا مریض اندر آ جا رہے تھے، گویا خفیہ طور پر علاج ہو رہا تھا، یہ ہمارا آزاد ملک تھا جہاں علاج چھپ کر، کروانا تھا وہ بھی خاموشی سے رکشہ کھڑا کیے کلینک میں داخل ہو گئے تھے۔

پلاسٹر کھلنے میں خاصا وقت لگنا تھا، صغریٰ ویٹنگ روم میں بیٹھی انتظار کر رہی تھی، ساتھ ساتھ حساب لگا رہی تھی، اس کا رکشہ کتنے دن سے گھر کھڑا ہے، آمدن کا نقصان ہو رہا تھا، جانے کب ہڑتال ختم ہوگی، کبھی بجلی، پٹرول پہ ہڑتال تو کبھی گستاخیِ رسولؐ پر، جانے ان کا حل کیا ہے، وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی کہ اچانک باہر سے نعرے بازی، توڑ پھوڑ کی آوازیں آنے لگیں۔

''بند کرو، بند کرو، عشق رسولؐ میں موت بھی قبول ہے۔'' آوازیں قریب تر آنے لگیں تھیں، چوکیدار کو بھاگ کر دروازہ بند کرتے دیکھا تو صغریٰ تیزی سے اس کی طرف لپکی۔

''او بھائی، دروازہ کھولو، او میرا رکشہ باہر ہے۔''

''اے بی بی! باہر بڑا جلوس ہے، کالج کے لڑکے ہیں اندر گھس آئیں گے۔'' چوکیدار دروازے کی تمام کنڈیاں لگا کر اس کے آگے کرسی بچھا کر بیٹھ گیا۔

''او تم مجھے جانے دو، لڑکے وڑکے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' وہ تیزی سے بولتی ہوئی اس کی کرسی اٹھانے کی کوشش میں تھی۔

''بی بی تمہیں نہیں کچھ کہتے ہونگے مگر یہاں، یہاں اندر گھس آئیں گے، ڈاکٹر صاحب کو ماریں پیٹیں گے۔'' اس نے بولتے ہوئے مشکل سے ہی اپنی کرسی کھسکائی، کیونکہ صغریٰ باہر جانے کے لئے بے تاب تھی، وہ صغریٰ کو سمجھا رہا تھا۔

''ان بے وقوفوں کو دین کا اتا پتا کچھ نہیں ہوتا، بس شغل کے لئے ڈنڈے کھڑکاتے پھرتے ہیں، نماز، روزے کا پتا نہیں اور بنتے ہیں عاشق رسولؐ، ان کی معتبر ذات جیسا صبر کون کر سکتا ہے، کفار کوڑا پھینکتے تھے اور وہ بدلے میں عبادت کرتے تھے، کفار گالی گلوچ کرتے تھے الزام تراشی کرتے تھے، آپ معاف کر دیتے تھے، بلکہ کبھی اپنی ذات مبارک کے لئے صحابہ اکرامؓ کو مشتعل نہیں ہونے دیا، انہوں نے صرف دین کی خاطر جنگ کی، نماز، زکوٰۃ کے لئے جنگ کی جھوٹ بے حیائی کے خلاف لڑے اور ان عاشقوں کو صرف ان کی ذات کے لئے دین یاد آتا ہے، ان کا لایا پیغام یاد نہیں، نماز روزے کے اوقات کی خبر نہیں، بے حیائی ان پر ختم ہے، جن کے خلاف بھڑک رہے ہیں بعد میں اپنے اپنے گھر جا کر انہی کی واہیات فلمیں دیکھیں گے، انہی کا لباس پہن کر انہی کی زبان بولیں گے، ہونہہ آئے بڑے عاشق رسولؐ، اتنے ہی عقلمند ہوں تو پڑھ لکھ کر خود کو ترقی دیں، ملک کو، دین کو ترقی دیں تاکہ کسی کی جرأت ہی نہ ہو خلاف بات کرنے کی، پر نا جی، یہ تو اپنے ہی گھر کو جلا کر باہر والوں کو خوش کرنا جانتے ہیں۔'' چوکیدار مسلسل ہڑتالوں اور ان سے ملتے مسائل پر چڑا چڑا تھا، روز کی ہڑتالوں سے اس کے گھر جانے کیسا کیسا وقت آ رہا تھا، اس لئے وہ اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا اس سے بے خبر کب صغریٰ نے اس کی کرسی کے پیچھے سے جگہ بنائی اور کب کی باہر جا چکی تھی، دروازہ وہ بند کر گئی تھی۔

باہر ایک زبردست ہنگامہ تھا، سینکڑوں لڑکے سروں پر سفید کپڑے باندھے ڈنڈے پکڑے مختلف شٹرز اور اسٹریٹ لائٹس پر مار کر اپنا جوش دیکھا رہے تھے، کچھ حکمرانوں کے پتلے جلا رہے تھے، کچھ ٹائروں پر مٹی کا تیل ڈال رہے تھے، کچھ لڑکے صغریٰ کے رکشے کی جانب بڑھے اور ڈنڈے برسانے لگے، ایک کے دیکھا دیکھی سب شروع ہوگئے، صغریٰ چلاتے ہوئے آگے بڑھی۔

"اوے رکو او رکو۔" وہ تعداد میں زیادہ تھے، ان کے شور میں صغریٰ کی آواز دب گئی تھی، ایک من چلے نے تیل ڈال کر تیلی پھینک دی، آگ کا بڑا سا گولہ بھڑکا، رکشہ اس گولے میں گم ہوگیا، صغریٰ کچھ فاصلے پر کھڑی پھٹی آنکھوں سے اپنی تباہی دیکھ رہی تھی، اس کی سانس رکنے لگیں، وہ بے دم ہی چکرا کر فٹ پاتھ پر جا گری، پولیس جلوس تک پہنچ چکی تھی، لڑکوں پر لاٹھی چارج، گیس شیلنگ کرتے ہی جلوس تیتر بتیر ہوگیا تھا، مگر صغریٰ اردگرد سے بیگانہ صرف آگ کے گولے کو کالے دھوئیں میں بدلتا دیکھ رہی تھی، اس نے تو کوئی گستاخی رسول نہیں کی تھی، وہ تو رزق حلال کماتی تھی، وہ تو حق ہمسائیگی ادا کر رہی تھی، مریض کی خاطر یہاں آئی تھی، پھر یہ سب، اسے کس چیز کی سزا دی گئی تھی، اس کے یتیم معصوم بچوں کا رزق کیوں چھین لیا گیا تھا، وہ نیم پاگلوں کی طرح لٹی پٹی اپنے گھر تک آئی تھی، محلے دار اس کے غم میں برابر کے شریک تھے، نامعلوم افراد کے نام پر چا کٹ چکا تھا، مگر مداوہ کوئی نہ تھا، کنیز آپا اسے بھیجنے پر جہاں دل میں بہت شرمسار تھیں، وہاں روتے روتے اسے حوصلہ بھی دے رہی تھیں۔

"دیکھ صغریٰ! ڈھاڈوں پر ڈھاڈی ہی آتی ہے، تو بہت ہمت والی ہے نا، اس لئے اللہ کو پسند ہے، بھی تو تجھے بار بار آزماتا ہے، نہ رو صغریٰ۔"

"آپا کیسے نہ روؤں، میں نے تو کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا، نبی کی سنت پر چلتے ہوئے حق ہمسائیگی ادا کیا، کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا، اپنے بچوں کے رزق کا انتظام خود کیا، پھر مجھے کیوں سزا دی گئی۔"

"صغریٰ جب تو نے کسی کے ساتھ برا نہیں کیا تو پھر اللہ تیرے ساتھ بھلا کیسے برا کر سکتا ہے، رکشہ تیرا کل نہیں تھا، وہ تیرا رزق نہیں تھا، تیرا کل، تیرا رزق اللہ ہے، یہ جو شیطان معلون ہے نا، کم بخت جوان خون میں خوشی سے بسیرا کرتا ہے تاکہ غلط صحیح کی پہچان ہی بھلا دے، اللہ پاک ہدایت دے ان جوانوں کو احتجاج کرنے کا انہیں درست طریقہ سکھا دے، انہیں عقل دے کہ یہ غریبوں کے رزق سے نہ کھیلیں اور تو اللہ پر توکل کر وہی تیرا مداوہ ہے۔" اور واقعی اللہ ہی اس کا مداوہ مسیحا تھا، وہ اس باہمت عورت کا کل تھا اس نے اس کا بہتر روزگار سوچ رکھا تھا، جہاں حکومت کی طرف سے اس کی کچھ امداد ہوئی وہاں چند ہفتے بعد ریاض صاحب نے اپنی کالج وین اسے چلانے کے لئے کہا تھا، غالباً بڑھاپے اور بیماری کے باعث ڈرائیو کرنا مشکل تھا، دوسرا ان کا بیٹا اپنے شہر میں باپ کو بلا رہا تھا، گویا وہ کسی دوسرے شہر میں مقیم تھا۔

اب صغریٰ آٹھ سال سے کالج وین چلا رہی ہے، رکشے سے کہیں زیادہ بچیاں اس میں سوار ہوتی ہیں، اب اسے براہ راست ہوس میں لپٹی گندی نگاہوں کا سامنا نہیں ہوتا، وہ دو دو چکر لگاتی ہے اس نے قسطوں کی صورت ریاض صاحب کے پیسے جلد از جلد اتار دیئے تھے، وہ اپنی وین کا خیال بھی بہت رکھتی ہے مگر اب ہر وقت حادثے کے لئے ذہنی طور پر تیار بھی رہتی ہے اور سوچتی اگر کسی وجہ سے آزمائش میں آ گئی اور زخم لگا تو چارہ و مسیحا صرف میرا خدا ہے۔

☆☆☆

نرم پلکیں اور موج ہوا

صبا جاوید

''یہ سب کیا ہے؟'' زین نے رزلٹ کارڈ ہوا میں اچھالا اور شمائل پر دھاڑا، جو سہم کر ایک قدم پیچھے ہوا۔

''یہ گریڈز ہیں تمہارے، ہر سبجیکٹ میں بمشکل پاسنگ مارکس آئے ہیں، یوں ڈی گریڈ میں پاس ہونے سے بہتر ہے کہ تم فیل ہو جاؤ۔'' سرخ چہرہ لیے وہ مکمل طور پر مشتعل دکھائی دیتا تھا، شمائل کا تو حلق تک سوکھ چکا تھا نظریں اٹھانے کی ہمت نہ تھی تو جواب بھلا کیا دیتا۔

''یہ سب کن تخریب کاریوں کے سبب ہوا ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں، آخری بار چھوڑ رہا ہوں شمائل، اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ، اگلی بار ایسا رزلٹ آیا تو کوئی لحاظ نہیں برتا جائے گا۔'' اس کا انداز تنبیہی ہونے کے ساتھ ساتھ حتمی بھی تھا۔

''ہمیں تم سے یہ امید نہیں تھی بیٹا، اتنی پور کنڈیشن۔'' کب سے خاموش بیٹھی نفیسہ خاتون نے مداخلت کی۔

''آئی ایم ساری۔'' ندامت کے احساس سے بھیگتی آواز سمیت وہ بولا تو وہ دونوں قدرے نرم پڑ گئے، اسے اپنی غلطی کا احساس تھا زین کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

''فریش ہو جاؤ، پھر اکٹھے ڈنر کرتے ہیں۔'' زین نے پیار سے اس کے بال بگاڑے اس کا اعتماد کچھ بحال ہوا۔

''تھینکس بھیا۔'' نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے شمائل مسکرایا اور کمرے سے نکل گیا۔

''زین!'' شمائل کے جانے کے بعد نفیسہ خاتون نے اسے بلایا۔

مکمل ناول

خراب کی ہیں اسے کوئی ٹیوٹر ہینڈل نہیں کر سکتا، اکیڈمی جوائن کروا دیتے ہیں اس کے علاوہ آفس سے واپسی پر میں خود اسے پرسنلی چیک کروں گا اور برائے مہربانی اب اسے عناب سے دور رکھیے گا۔'' وہ قدرے عاجز آ کر بولا۔

''بچی ہے بیٹا، وہ کیا عادتیں بگاڑے گی اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے کیسے دور رکھوں اس سے۔''

''بچی نہیں ہے آفت کی پرکالہ ہے، یہ بات آپ بھی جانتی ہیں، آٹھویں جماعت میں یقیناً محترمہ شاندار طریقے سے فیل ہوئی ہوں گی ساتھ ساتھ شمائل کا بھی بیڑا غرق کیا ہے، ایسے مارکس کے ساتھ کون اسے سائنس گروپ میں ایڈمیشن دے گا، یہ الگ ٹینشن۔'' وہ جل بھن کر بولا اور عناب کے ذکر پر اس کے لفظوں میں کڑواہٹ خود بخود گھل گئی جو واقعی فیل ہو چکی تھی۔

''اچھا دیکھتے ہیں تم فریش ہو کر نیچے تو آؤ۔'' وہ تھکا ماندہ آفس سے لوٹا تو آتے ہی شمائل کے آٹھویں جماعت کے رزلٹ کے بارے میں پتا چلا اس قدر نالائقی پر وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

☆☆☆

''شمائل میں نے تمہیں کسی بات سے منع کیا تھا۔'' سرخ انگارہ آنکھیں اس پر جمائے وہ ایک بار پھر بیخ پا تھا اور کس بات کے لیے منع کیا تھا شمائل بخوبی سمجھتا تھا، اس کا اشارہ عناب سے دور رہنے کی سمت تھا۔

''جو میں کہتا ہوں بکواس لگتا ہے تمہیں۔''

وہ دھاڑا اس قدر شدت سے کہ در و دیوار لرز اٹھے، تمام نفوس دم سادھے کھڑے تھے، چچی جان، نفیسہ خاتون، شمائل، وہ اس گھر کا بڑا بیٹا تھا اور آج تو معاملہ بھی سنگین تھا ان کا غصہ جائز تھا۔

وقتے وقفے سے شمائل کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

''جواب چاہیے مجھے، کہاں کے ڈان بنے پھرتے ہو تم، غنڈہ گردی کرنی ہے تو آگ میں جھونک دو کتابوں کو۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے ایک زوردار تھپڑ شمائل کے دائیں رخسار پر رسید کیا، وہ اچھلتا ہوا دو قدم پیچھے گرا، اس کا بھاری مردانہ ہاتھ شمائل کے نرم رخسار پر انگلیوں کے نشان ثبت کر گیا، دونوں خواتین نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا۔

البتہ دیوار کی اوٹ میں چھپی عناب سے مزید برداشت نہ ہوا تو لپک کر انٹری دی۔

''زین بھائی، شمائل کی کوئی غلطی نہیں، سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے، وہ تو نہیں جا رہا تھا میں ہی اسے زبردستی لے گئی اور.....'' زین کی تمسخرانہ نگاہیں خود پر جمی محسوس کر کے وہ جملہ بھی مکمل نہیں کر پائی اور سر جھکا گئی۔

سیاہ پٹیالہ شلوار پر پنک شائل کی ڈریس شرٹ پہنے تھی، ناخن خوب بڑھائے جن میں منوں کے حساب سے میل پھنسی تھی، نجانے کب سے نہانے کی زحمت نہیں کی تھی جو بال اپنی اصل شناخت کھو کر سر سے چپک کر رہ گئے، اس اوٹ پٹانگ اور میلے کچیلے حلیے میں وہ کہیں سے بھی ایک مہذب اور تعلیم یافتہ خاندان کا حصہ نہیں لگ رہی تھی، اس نے کف کہنیوں تک موڑے تھے دوپٹہ سرے سے تھا ہی نہیں، زین کو وہ اس وقت زہر سے بھی بری لگی۔

''آج کے بعد تمہارا باہر آنا جانا بند، ورنہ ٹانگیں توڑ کر گھر بیٹھا دوں گا تمہیں۔'' وہ دانت پیس کر بولا، غصہ تو ان قدر تھا کہ اسے دھنک کر رکھ دیتا لیکن لڑکی ہونے کے سبب اسے لحاظ کرنا پڑا۔

"انا بیٹے کمرے میں جاؤ۔" زین کے بگڑے تیور دیکھ کر چچی نے اسے منظر سے ہٹانا چاہا۔

"اگر زین بھائی شمائل کو نہیں ماریں گے تو میں چلی جاؤں گی۔" وہ اس قدر اڑیل انداز میں بولی کہ زین کو اپنی رگوں میں خون کی بجائے انگارے دوڑتے محسوس ہوئے۔

"تم بکواس بند کرو۔" وہ تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر اس کی سمت جارحانہ انداز میں ایک قدم بڑھا، جواباً وہ چچی کے پیچھے بھاگ کر چھپ گئی۔

"کیا اب آپ مجھے بھی ماریں گے۔" چچی کو ڈھال بنا کر وہ سوال و جواب کر رہی تھی، زین بل کھا کر رہ گیا۔

"شمائل، آج جو ہوا وہ پھر سے نہیں ہونا چاہیے، ناٹ نیکسٹ ٹائم ایٹ آل اور اسے چچی جان آپ خود سمجھا دیں تو زیادہ بہتر ہے۔" پہلے شمائل اور پھر چچی کو مخاطب کر کے اس نے گویا بات ختم کی، چچی کی وجہ سے وہ بچ گئی ورنہ جس قدر اسے آج غصہ تھا، وہ یقیناً اسے دو چار لگا چکا ہوتا۔

بات کچھ یوں تھی کہ شمائل کی کچھ لڑکوں سے لڑائی ہو گئی، شمائل تنہا تھا اور وہ چار، انہوں نے شمائل کو اچھا خاصا پیٹا، وہ بے چارہ بمشکل گھر پہنچا، انا نے جو اس کی دگرگوں حالت دیکھی اور تمام واقعہ اس کے علم میں آیا تو بیٹ اٹھا کر سب کو ایک ایک کے گھر جا کر اتنا مارا کہ وہ ہاسپٹل ایڈمٹ ہو گئے، شمائل اور انا کا پیار مثالی تھا لیکن یہ صورتحال ناقابل قبول تھی۔

لڑکوں کے ساتھ الجھنا وہ بھی اس حد تک، ایک لڑکی ہونے کی حیثیت سے یہ شرمناک فعل تھا، اس کے علاوہ ان چاروں لڑکوں کے والدین نے نا صرف انا کی شکایت لگائی بلکہ خوب واویلا بھی کیا، ایک فیملی نے تو پولیس کمپلینٹ تک کے لئے کہہ دیا، زین نے بڑی مشکل سے معاملہ سنبھالا اور معاملہ ٹھنڈا کیا باہر تو معاملہ رفع دفع ہو گیا لیکن ان دونوں پر اس کا پارہ آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔

☆☆☆

واصف عباس اور کاشف عباس دونوں بھائی تھے جن کا آشیانہ سلیم ہاؤس تھا، اس آشیانے میں بڑے بھائی واصف عباس کی شریک سفر نفیسہ خاتون تھیں اور ان کے آنگن کی رونقیں زین عباس اور شمائل عباس تھے، شمائل، زین سے نو برس چھوٹا تھا اور آٹھویں جماعت کا طالبعلم تھا، جبکہ زین عباس سافٹ ویئر انجینئر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بطور انجینئر اپنی خدمات بھی فراہم کر رہا تھا۔

کاشف عباس کی زندگی میں روبینہ جیسی حسین اور سلیقہ شعار خاتون تھیں، خاموش طبع اور ملنسار سی روبینہ کو خدا نے طویل عرصے تک اولاد جیسی نعمت سے محروم رکھا۔

نو سال بعد ایک طویل اور تھکا دینے والے انتظار کے بعد خدا نے بہت منتوں اور مرادوں سے ان کی جھولی عناب زہرا سے آباد کی، جس کی انگوری گرین آنکھوں کی وجہ سے اسے عناب کا نام دیا گیا، جس شدت سے اسے مانگا اتنی ہی چاہتوں سے اسے پالا، کاشف اور روبینہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، نفیسہ خاتون نے بھی بیٹی کی تشنگی عناب کے نرم وجود سے پوری کی۔

اتنی چاہتیں اور محبتیں بھلا کیسے نہ اسے موڈی اور خودسر بناتیں سو وہ ایسی تھی، اپنی مرضی کی مالک، کسی کی سننا تو اس نے سیکھا ہی نہ تھا، آمریت اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

البتہ شمائل اس کا ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد اچھا دوست بھی تھا ان کی خوب بنتی تھی، چوڑیاں، مہندی، گڑیا جیسی چیزوں کا اسے کوئی شوق نہ تھا، وہ زیادہ تر شمائل کے ساتھ رہتی لہٰذا وہ اسی کی ہم مزاج بن چکی تھی، بلکہ کسی وقت شمائل درگزر کر دیتا لیکن انا وہ کام کر کے ہی دم لیتی، گرمیوں کی پرتپش اور جھلساتی دوپہر میں لڑکوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنا، پتنگ کاٹنا، درختوں سے کیریاں توڑنا، پنجے لڑانا اس کے پسندیدہ مشاغل تھے، پڑھائی اور غسل سے اس کی جان جاتی تھی، پانی سے تو یوں دور بھاگتی جیسے اچھوت ہو۔

اس لئے ہر لمحہ گندے مندے اور میل سے اٹے حلیے میں ہڑگشت کرتی پائی جاتی اور اگر کوئی سختی برتتا تو اس کی حمایت کے لئے کوئی نہ کوئی وکیل اٹھ کھڑا ہوتا اس معاملے میں روبینہ کی بھی ایک نہ چلتی، تیرہ برس کی عمر میں ہی اس نے خوب قد کاٹھ نکال لیا تھا مگر دوپٹے سے بے نیاز یہاں وہاں چوکڑیاں لگاتی نا صرف زین کے عتاب کا نشانہ بنتی بلکہ روبینہ کا بھی دل جلاتی۔

چھوٹی چھوٹی شرارتوں اور نوک جھونک سے بھرپور یہ دونوں خاندان ایک دوسرے سے مطمئن اور بہت خوش دکھائی دیتے تھے، پھر اچانک واصف عباس کی دائمی جدائی نے جہاں زین کو سنجیدگی سونپ کر بردبار اور ذمہ دار بنا دیا وہیں سلیم ہاؤس کے در و دیوار میں عجیب سی ویرانی در آئی، زندگی اپنی رفتار سے بڑھتی جا رہی تھی، مگر ان کا خلا اپنی جگہ موجود تھا۔

☆☆☆

آٹھویں جماعت میں شاندار ناکامی کے بعد عتاب نے گنگا جمنا بہاتے ہوئے مزید پڑھنے سے انکار کر دیا، تو دونوں نفوس کے ہوش صحیح معنوں میں ٹھکانے آئے، اکلوتی اولاد جسے وہ معاشرے کا باوقار شہری بنانا چاہتے تھے جسے ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے اس کے ایسے جوہر، وہ جو ہر معاملہ اس کا بچپنا سمجھ کر نظر انداز کر رہے تھے فارم میں آ گئے۔

امور خانہ داری کو فی الحال پس پشت ڈال کر تعلیم کو سامنے رکھتے ہوئے اسکول کے ساتھ ساتھ اکیڈمی کا بھی بندوبست کر دیا، اس کے علاوہ زین سے خصوصی کلاس لینے کے لئے پابند کر دیا، ایک پرائیویٹ اسکول میں نویں جماعت میں بیٹھا دیا۔

اتنی ساری کتابیں دیکھ کر اور اس قدر سختی سے عتاب کے چودہ طبق روشن ہو گئے، وہ بری طرح گھبرا اٹھی، اس مرتبہ اس کا رونا دھونا شور مچانا بھوک ہڑتال کچھ بھی کام نہ آیا۔

☆☆☆

''مجھے نہیں جانا اس سکول میں شمائل، جہاں تم جاتے ہو، مجھے بھی وہیں لے چلو میں وہاں پورا دن بور ہو جاتی ہوں تمہارے بغیر۔'' نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر اس نے شکوہ کیا۔

''اسی سکول میں تو ہو، بس کیمپس الگ الگ ہیں، تم گرلز برانچ میں اور میں بوائز برانچ میں۔'' شمائل نے اسے تسلی دی۔

''امی مجھے اب باہر بھی نہیں جانے دیتیں، تمہارے ساتھ کھیلنے بھی نہیں دیتیں، اس ایک پڑھائی کی وجہ سے سب میرے دشمن ہو گئے ہیں۔'' اس کی انگوری آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئیں، وہ تو ہمیشہ محبتوں کی عادی رہی تھی یہ پابندیاں اور سخت رویہ اس کی برداشت سے باہر تھا پہلے سکول پھر اکیڈمی اور باقی کا دن گھر پر اس کے علاوہ زین رات کے جس پہر بھی گھر آتا ان دونوں کی حاضری لازمی لگتی، ایسی صورتحال عتاب

جیسی کھلنڈری، لاپرواہ اور چاہتوں کے احساس میں بھیگتی لڑکی کے لئے تکلیف دہ تھا، شمائل خود بے حد مصروف تھا وہ اب زین بھائی کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا، لہٰذا وہ بھی اسے کم وقت دے پاتا تھا، عناب کے شب وروز ایکدم جمود کا شکار ہو گئے اور یہ جمود اسے تنہائی کا شکار کر رہا تھا۔

''سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں انا، یوں غلط سوچوں کو دل و دماغ میں جگہ مت دو۔'' شمائل نے اس کا دل صاف کرنا چاہا، وہ دونوں بکس پھیلائے بیٹھے تھے جب زین داخل ہوا انا نے اورنج رنگ کا لباس زیب تن کر رکھا تھا اور حیرت کی بات یہ آج اس کے ساتھ دوپٹہ بھی تھا، دوپٹے سے بے نیازی تو اپنے عروج پر ہی تھی جو شانے سے ڈھلک کر زمین پر پڑا تھا اور اسے لینے کا مقصد فوت ہو چکا تھا بہر حال زین کے لئے اس دوپٹے کی موجودگی ہی کافی تھی، انا بچپن میں سرخ اناری رنگت، تیکھے نقوش کی حامل تھی، جواب اس کی بے نیازی اور تخریب کاریوں کے سبب سانولی ہو چکی تھی، بال تو آج بھی میل سے چپکے تھے اور ناخن مٹی سے اٹے تھے، اس کی حالت دیکھ کر اسے اچھی خاصی کوفت اور بے زاری ہو رہی تھی، لیکن وہ چچی کے حکم کا پابند تھا جنہوں نے پڑھائی کے معاملے عناب کو زین کے سپرد کیا تھا۔

''شمائل آج تمہارا میتھس کا ٹیسٹ ہے لاؤ بک دو۔'' آنکھوں میں ناگواری بھر کر ناک سکیڑ کر اور پیشانی کے بلوں میں اضافہ کرتے ہوئے اس نے اپنی کوفت کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے کہا، اس کے بعد وہ عناب کی سمت متوجہ ہوا۔

''آج انگلش پڑھ لیتے ہیں، باقی جمیکلس میں تو تم ماشاء اللہ ہو اس میں بھی دیکھ لیتے ہیں۔'' اس نے پھوٹتے ہی طنز جھاڑا اور انگلش کا پہلا سبق نکال کر اسے ریڈنگ کرنے کو کہا، اسے حیرت سے غش آنے کو تھی جب اسے چھوٹے چھوٹے لفظوں کے علاوہ کچھ بھی پڑھنا نہیں آیا۔

''کیا پڑھتی رہی ہو تم اتنے سال، تمہیں لفظ بھی صحیح طرح Pronounce کرنے نہیں آتے، یہ کتاب تو پانچویں کا اسٹوڈنٹ بھی پڑھ سکتا ہے اور تم۔'' کتاب اس نے انتہائی طیش میں بند کی اور اس کے سامنے پٹخی۔

امی...... پاپا...... ٹیچرز اکیڈمی میں آئے روز اس کی درگت بنتی تھی نہ پڑھنے پر مگر آج تک اس قدر بیکی کا احساس نہیں ہوا جتنا آج ہو رہا تھا۔

''گلیوں میں لور لور پھرتی ہو، دیواروں اور درختوں پر ٹنگی نظر آتی ہو ان حرکتوں سے فرصت ملے تو پڑھائی کی باری آئے۔'' اس قدر صاف الفاظ میں اس نے انا کی صفات گنوائیں کہ بے بسی سے اس کی آنکھیں بھر آئیں، پہلی بار اسے تضحیک محسوس ہو رہی تھی۔

''میں نے کہا تو ہے مجھ سے نہیں پڑھا جاتا تو پھر کیوں آپ سب مجھ سے زبردستی کر رہے ہیں۔'' چہرے پر ہاتھ رکھ کر وہ چلائی اور اس کے گندے لمبے ناخن دیکھ کر اسے عجیب سی کراہت محسوس ہوئی۔

''اٹھو۔'' وہ کرختگی و سنجیدگی سے بھرپور آواز میں بولا۔

''جی۔'' وہ رونا دھونا بھول کر حیرت سے بولی۔

''میں نے کہا اٹھو۔'' وہ حلق کے بل دھاڑا، تو وہ سہم کر اٹھی۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے، ایک منٹ سے پہلے میری نظروں سے دور ہو جاؤ اور کل سے......'' اس نے لب بھینچ کر اگلا جملہ منہ میں ہی

دبا لیا، وہ ایک لڑکی تھی وہ اس کی ذاتیات پر تنقید کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا لہٰذا جملہ ادھورا چھوڑ دیا، اسے وہیں کھڑے دیکھ کر زین نے خود ہی اس کی کلائی تھام کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر نکال دیا، دروازہ دھاڑ کی زوردار آواز سے بند ہوا۔

''اب اس نے کیا کیا بھیا۔'' کب سے خاموش بیٹھے شمائل نے لب کشائی کی، ان دونوں کے درمیان بحث تو روز کا معمول تھا پڑھائی کم اور بحث زیادہ ہوتی، لہٰذا وہ چپ چاپ ٹیسٹ میں مصروف رہا لیکن اسے سمجھ نہیں آیا کہ زین نے اس قدر شدید ردعمل کس بات پر کیا۔

''تم بھی جاؤ، باقی ہم کل پڑھیں گے۔'' اس نے کہہ کر گویا بات ختم کر دی شمائل خاموشی سے باہر آ گیا۔

☆☆☆

آج وہ تین دن بعد آئی تھی، وہ بھی زین کے بارہا پیغام بھیجنے کے بعد، وہ اس کے لئے مسلسل ٹارچر تھی، اس میں لڑکیوں والی کوئی بات نہ تھی، اس کا وجود اس کی موجودگی زین عباس کے لئے ہمیشہ کوفت اور بے زاری کا سبب بنتی تھی، اس کی حرکتیں اور حلیہ دونوں ہی نا چاہتے ہوئے بھی زین کو کوئلوں کی جلتی بھٹی میں دھکیل دیتے، اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس قدر آلودگی کے ساتھ اس کے نفاست پسند اور صاف ستھرے گھر والے کیسے اسے برداشت کر لیتے تھے، بہر حال اسے تین دن قبل اپنائے جانے والے رویے پر کوئی ندامت نہ تھی اور وہ چپ چاپ آ کر بیٹھ گئی تو زین نے حکم صادر کیا، اس نے ایک لمحے میں زین کے حکم کی تعمیل کی، زین نے محض اسے ایک لائن پڑھائی اور کوئی دس بار پڑھانے کے بعد وہ درست تلفظ ادا کرنے کے قابل ہو گئی، پھر اس نے وہی لائن رجسٹر پر اتاری اور اسے سو بار تحریر کرنے کو کہا۔

''سو بار۔'' اس کی ہیزل گرین آئیز حیرت کی زیادتی سے مزید پھیل گئیں۔

''ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ابھی لکھنا ہے۔'' دوسرا سوال آیا۔

''بالکل۔'' تیسرا سوال کوئی نہیں آیا البتہ آنکھیں ضرور نم ہو گئیں۔

اسے تو ایسے لگا جیسے اسے کند چھری سے ذبح کیا جا رہا ہو۔

''اگر تم روئی تو دو سو بار لکھنا پڑے گا۔''

''نہیں...... میں رو تو نہیں رہی۔'' اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑے، زین عباس شاید زندگی میں پہلی بار اسے دیکھ کر مسکرایا، اتنے میں چچی اس کے لئے چپس بنا کر لے آئیں، جس ہاتھ سے وہ مسلسل خارش کر رہی تھی اس ہاتھ سے مٹھی بھر بھر اس نے چپس پھانکی اور مزے سے کھانے لگی، ایک تو کھانے کا انداز اس پر غلیظ ہاتھ زین کا تو اپنا کھایا پایا باہر آنے کو تھا، بہر حال اس نے چچی کے سامنے انا کو کچھ نہیں کہا اور جب انہوں نے عناب کی پڑھائی کی بابت دریافت کیا تو وہ اس بارے میں بات کرتا ان کے ساتھ ہی نکل آیا، کوئی آدھے گھنٹے کے بعد جب وہ کمرے میں لوٹا تو عناب کشن پر سر رکھے رجسٹر بازو کے نیچے دبائے لکھتے لکھتے سو چکی تھی، اسے عجیب سی بے زاری نے آن لیا، چنانچہ زین نے آگے بڑھ کر کشن بے دردی سے کھینچی، وہ فوراً ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی وہ بھی غنودگی میں تھی۔

''بس جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا تم نے، جاؤ اپنے کمرے میں۔'' سرخ ڈوروں سے بھری آنکھیں اٹھا کر اس نے لمحہ بھر زین کو دیکھا اور

چپ چاپ جانے لگی۔

''رکو۔'' وہ پلٹی۔

''اپنی چیزیں سمیٹو۔'' اس کا اشارہ کتابوں کی سمت تھا۔

''اور ہاں یہ کشن بھی لیتی جاؤ، میرے کمرے میں اب اس کے لئے جگہ نہیں۔'' عناب دم بخود رہ گئی، نفرت کی اس قدر انتہا کہ اس کے سر کے نیچے رکھے کشن کو بھی وہ اپنے کمرے کی زینت نہیں بنا سکتا تھا، توہین و ہتک کے احساس سے اس کے کانوں کی لوئیں تک جل اٹھیں۔

''اس کشن پر میں نے سر رکھا ہے اس لئے دے رہے ہیں تو پھر یہ کارپٹ بھی نکلوا دیں اس پر بیٹھتی ہوں بلکہ اس پورے گھر کو واش کروائیں کیونکہ ہر چیز میں میرا لمس ہے یہاں یا مجھے ہی باہر پھینکوا دیں تاکہ آپ کو اتنی زحمت ہی نہ کرنی پڑے، اتنی بری بھی نہیں ہوں زین بھائی جتنا برا برتاؤ آپ مجھ سے کر رہے ہیں۔'' دھیمی آواز سے کہتی وہ نرمی سے کشن اٹھا کر چلی گئی، زین متعجب تھا ہر وقت گلا پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرتی، فلک شگاف قہقہے لگاتی عناب اس قدر دھیمی آواز میں بھی بات کر سکتی تھی لیکن آج اسے اپنے الفاظ کی تلخی کا ادراک ہوا تھا وہ جیسی بھی تھی، آخر تھی تو اس کی کزن ہی نا۔

☆☆☆

رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کا آغاز ہو چکا تھا، خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول جاری تھا اس نے شائل کے ساتھ چھت پر جا کر اچک اچک کر چاند دیکھا، والد کے ساتھ جا کر سحری کا سامان لے کر آئی کافی عرصے بعد وہ قدرے پرجوش نظر آ رہی تھی۔

''زین بھائی!'' شائل اور زین فجر کی نماز ادا کر کے آئے تو وہ اسے صحن میں ہی مل گئی۔

''ہوں..... کیا ہوا؟'' اس کے پکارنے پر وہ رک کر بولا۔

''آج میرا روزہ ہے اور شائل کا بھی۔''

''ہاں مجھے پتہ ہے تو۔'' وہ اس کی ادھوری بات کا مفہوم نہیں سمجھا۔

''تو پڑھنے سے مجھے روزہ بہت زیادہ لگتا ہے آج ہمیں چھٹی دے دیں۔'' اس کے چہرے پر اس قدر مسکینیت تھی کہ زین نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلا دیا، اس کی انگوری آنکھوں کی چمک میں یکدم کئی گنا اضافہ ہو گیا جو فی الحال اس کی دبتی رنگت پر سوٹ نہیں کر رہی تھی۔

''واہ...... واہ جیو میری شیرنی، پہلے روزے پر کیا تحفہ دلایا ہے آج اسی خوشی میں اکیڈمی بھی نہیں جائیں گے۔'' شائل نے باقاعدہ بھنگڑا ڈالتے ہوئے ایک اور فیور لینے کی کوشش کی۔

''ہاں کر لینا چھٹی لیکن ایک شرط پر؟''

''کیا شرط۔'' وہ دونوں ٹھٹکے۔

''ناخن کاٹنے پڑیں گے تمہیں۔''

''جی نہیں میں نہیں کاٹوں گی یہ شائل سے لڑائی میں میری بہت ہیلپ کرتے ہیں۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے بے ساختہ زبان دانتوں تلے دبائی اور آج یہ معمہ بھی سلجھ گیا کہ عناب ناخن کیوں بڑھاتی ہے جبکہ اس کی کوئی کل سیدھی نہ تھی۔

''ٹھیک ہے پھر چھٹی بھی کینسل، جاؤ دونوں بکس لے کر آؤ۔''

''کیا یار پڑھائی جیسی بلا سے نجات کے لئے تم اتنا بھی نہیں کر سکتی چاہے ایک دن ہی سہی جان تو چھوٹے گی نا اور تمہارے ناخنوں میں میل کچیل کے علاوہ ہے ہی کیا۔'' شائل نے اس کے دل کی بات کی۔

''انہی ناخنوں سے ایک دن شہید نہ ہو جانا

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

مجھ سے۔'' وہ اس کے کان میں گھس کر دانت کچکچا کر بولی۔

''کوئی بات نہیں گھر کی کھیتی ہے پھر بڑھ جائیں گے۔'' خوشی میں سر دھنتا وہ نیل کٹر لینے بھاگا۔

''بھائی اپنی نگرانی میں کٹوائے گا یہ بہت بڑی چیٹر ہے ڈنڈی مار دے گی۔'' نیل کٹر تھما کر وہ شرارت سے بولا اور جواب کا انتظار کیے بغیر اندر بھاگ گیا وہ محض دانت کچکچا کر رہ گئی، وہ بے بسی سے زین کو دیکھ کر رہ گئی۔

''جاؤ پہلے اچھی طرح ہاتھ دھو کر اور ناخن صاف کر کے آؤ۔'' اسے جوں توں بیٹھا دیکھ کر زین نے کہا، کچھ دیر بعد جب وہ لوٹی تو دھلے اور صاف ستھرے ہاتھ قدرے معقول لگ رہے تھے، وہ چپ چاپ آکر بیٹھ گئی، زین نے اچانک اس کو گود میں دھرا ہاتھ تھاما اور ایک ایک انگلی پکڑ کر بڑی احتیاط سے ناخن کاٹنے لگا۔

اس کے ٹھنڈے ٹھنڈے ہاتھوں میں زین کے گرم ہاتھوں کی حدت منتقل ہونے لگی، اسے زین سے عجیب سی جھجک آئی، اس کے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں، سینے میں فٹ دل کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھی، وہ محض چودہ برس کی تھی اور زین تیئس سال کا خوبرو نوجوان، پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا وہ رات گئے اس کے پاس پڑھتی تھی اس طرح کے جذبات واحساسات نے تو کبھی نہ اسے چھوا۔

''تمہارے ناخن تو چڑیلوں کو بھی مات دے رہے ہیں۔'' زین نے تبصرہ کیا اور عناب کا دوسرا ہاتھ تھاما، جو اس نے ایک جھٹکے سے چھڑایا۔

''مم...... میں خود کاٹ لوں گی۔'' اس کی استفہامیہ نظروں کا مفہوم سمجھ کر وہ بدقت تمام بولی اور تیزی سے اندر چلی گئی، جبکہ زین کے پاس وقت ہی کہاں تھا اس کے بارے میں سوچنے کا۔

☆☆☆

''اچھے لوگ ہیں لڑکی بھی خوبصورت، کم گو اور سلیقہ شعار ہے۔'' دودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھ کر چچی، چاچو سے مخاطب ہوئیں جن کی طبیعت آج کل ناساز رہنے لگی تھی اور وہ جیسے بستر کے ہو کر رہ گئے۔

''ہوں۔'' کتاب کے مطالعہ میں محو چاچو نے بس ہوں کہنے پر اکتفا کیا۔

''ایک بات کا ارمان رہ گیا میرے دل میں۔'' وہ مچل کر بولیں۔

''کیا؟'' چشمے کے اوپر سے چاچو نے جھانک کر پوچھا۔

''کاش انا اور زین کی شادی ہو جاتی۔''

''لاحول ولا قوۃ۔'' ان کی بات سن کر چاچو کو اشفاق احمد کی زاویہ بند کرنی ہی پڑی۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں، زین اور انا کا کیا جوڑ بھلا۔''

''ہاں...... انا تو اپنے بچپنے سے نہیں نکل رہی، اس کی اوٹ پٹانگ حرکتوں کی وجہ سے تو بھابھی نے بھی اسے بہو بنانے کا نہیں سوچا۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں میرا اشارہ انا کے غیر سنجیدہ رویے کی طرف نہیں ہے ان کی عمروں کے تضاد کی سمت ہے، وہ تیئس چوبیس سال کا سمجھ دار لڑکا ہے اور انا محض چودہ برس کی کھلونے سے کھیلنے والی لڑکی، اتنی سی عمر میں آپ اس سے کس سمجھداری کی امید کرتی ہیں اور بلاوجہ ڈانٹ ڈپٹ مت کیا کریں، وقت کے ساتھ ساتھ خود ہی سب کچھ سیکھ جائے گی بھلا لڑکیوں کو بھی گھر داری سکھانی پڑتی ہے، یہ تو ان کی گھٹی میں ہوتی ہے۔'' انہوں نے تدبر اور دور اندیشی سے چچی کو دونوں پہلوؤں سے سمجھایا۔

''بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔'' وہ متفق نظر آئیں۔

''اب بتائیں بھلا زین اور انا کی شادی کیسے ممکن ہے۔''

کسی کام سے ان کے کمرے میں آئی انا کے قدم وہیں جم گئے وہ آخری جملہ ہی سن پائی تھی، وہ کچھ دیر مزید کھڑی رہی مگر اندر گہرا سکوت تھا اس کی ٹانگیں ہولے ہولے لرزنے لگیں تو وہ واپس پلٹ گئی۔

''ویسے اگر زین چند سال انتظار کرے تو ممکن ہے۔'' وہ ایک بار پھر کوشش کر رہی تھیں اپنا مقدمہ لڑنے کی۔

''وہ اتنی چھوٹی سی ہے آپ کو ابھی سے اس کی شادی کی فکر ستانے لگی۔'' چاچو قدرے عاجز آ کر بولے۔

''تو کیا ہمیشہ چھوٹی ہی رہے گی کبھی بڑی نہیں ہو گی اور زین تو مجھے کب سے اس کے لئے پسند ہے۔''

''بیگم صاحبہ وہ بچہ شادی کے لائق ہے کیا وہ آپ کی بیٹی کے انتظار میں بیٹھا رہے اور بھول کر بھی بھابھی سے یہ بات مت کیجئے گا۔'' انہوں نے تنبیہ کی۔

''میں تو صرف آپ سے بات کر رہی ہوں، اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے، باقی مجھے قدرت کا ہر فیصلہ منظور ہے۔'' وہ دلگرفتہ نظر آئیں۔

''میں آپ کی خواہش کا احترام کرتا ہوں روبینہ بیگم لیکن یہاں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں۔'' چاچو نے ان کے ہاتھ تھام کر کہا گویا تسلی دینا چاہتے ہوں۔

''اور پھر شمائل بھی تو ہے آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں ویسے بھی زین سے زیادہ اس کی شمائل سے بنتی ہے، آپ دھیرج رکھیے۔''

''نہیں، بڑے ہو کر بچوں کے رجحان بدل جاتے ہیں، میں فی الحال ایسا کچھ نہیں چاہتی۔'' زین کے رشتے کے بعد جیسے ان کا یقین ڈھل گیا۔

''ہماری بیٹی کا نصیب خدا نے بہت اچھا لکھا ہے روبینہ بیگم، آپ خواہ مخواہ خود کو بے کار کی سوچوں سے ہلکان مت کریں۔'' وہ دھیرے سے مسکرائے اور دور کھڑی تقدیر ان کی معصومیت پر مسکرائی۔

☆☆☆

زین کو شکاگو ایک سافٹ ویئر ڈویلپمنٹ کمپنی میں بطور انجینئر جاب مل گئی، سہولیات و مراعات شاندار تھیں لہٰذا زین اس پر کشش آفر کو ٹھکرانا نہیں چاہتا تھا عید کے چند دن بعد اس کی فلائٹ تھی۔

تائی اماں نے سنا تو پہلے پہل راضی نہ ہوئیں لیکن پھر اس شرط پر مان گئیں، کہ جانے سے پہلے وہ منگنی یا نکاح کرے گا سو اسے ہاں کرتے ہی بنی، چنانچہ تائی اماں آج کل بہو کی تلاش میں سرگرداں تھیں اور چند دن کی کڑی محنت کے بعد علینہ طارق ان کی نظروں میں بہو کے طور پر سما گئی، اپنے طور پر تسلی کر لینے کے بعد انہوں نے علینہ کا ہاتھ زین کے لئے مانگ لیا، کچھ پس و پیش کے بعد انہوں نے رشتہ قبول کر لیا اور آج وہ منگنی کی تاریخ مقرر کر آئے تھے، عید کی شام کو سلیم ہاؤس میں منگنی کی تقریب ہونا طے پایا، علینہ ایک پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی تھی، تائی ای کے ساتھ چاچو اور چچی کو بھی وہ خوب بھائی، تائی ای جلد از جلد بیٹے کے سر پر سہرے کی لڑیاں سجانے کے خواہاں تھیں، تایا ابو کی وفات کے بعد تائی اماں پہلی بار اس قدر خوش نظر آ رہی تھیں اور

باقی اہل خانہ اپنی خواہشات دل میں دبائے ان کی خوشی میں خوش تھے۔

☆☆☆

زندگی میں پہلی بار اسے اپنے بستر پر نیند نہیں آرہی تھی، ایک ہی جملہ سماعتوں میں گردش کر رہا تھا "زین اور انا کی شادی" اور زین کے نام پر دل کیسا ان چھوا سا احساس چٹکیاں بھر رہا تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی، لیکن جو بھی تھا خوبصورت تھا انوکھا، لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتا، اس کے نوخیز وجود میں زین کے لمس کی حدت و تپش بھرتا، اس کے احساس سے عناب کے وجود کو آباد کرتا۔

تاحد نگاہ خواب تھے، زین تھا اور درمیان میں وہ خوابوں کی شہزادی بنی کھڑی تھی یہ جانے بغیر کہ خواب الجھاتے ہیں، ایسی عمارت تعمیر کرتے ہیں جس کی بنیاد ہی نہیں ہوتی حقیقت سے گراہی کا خوابیدہ راستے ہوتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

☆☆☆

گھر میں زین کی منگنی کی تیاریاں زوروشور سے جاری تھیں نفیسہ خاتون اور روبینہ کے آئے روز بازار کے چکر لگ رہے تھے، چچی جان انتہائی دلجمعی اور خلوص سے ہر تیاری میں پیش پیش تھیں۔

"تم بتاؤ یہ لہنگا کیسا ہے، علینہ پر سوٹ کرے گا نا؟" وہ جو چاروں طرف بکھرے شاپنگ بیگز دیکھ رہی تھی، چونک کر ڈل گولڈ اور آف وائٹ کے ساتھ گرین امتزاج کے جدید طرز کے لہنگے کی طرف متوجہ ہوئی، اس کی لانگ شرٹ تھی اور درمیان سے اوپن تھی نیچے کھلا گھیر دار لہنگا تھا۔

دوپٹہ بھی خوب بڑا، نہایت دیدہ زیب اور نفیس کام کا حامل تھا۔

"اس سے کیا پوچھ رہی ہیں امی، خود تو اس نے کبھی تھری پیس سوٹ پہنا نہیں، شلوار کوئی اور قمیض کوئی اور، کبھی جینز کے ساتھ میری شرٹ یا اپنی کوئی اونگی بونگی قمیض اٹھا کر پہن لیتی ہے، ایسی ماسٹر پیس بن کر گھومتی ہے کہ ماسیوں کو بھی مات دے دے۔"

اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی شمائل نے بات اچک لی اور بے لاگ تبصرہ جھاڑا، آج سے پہلے اس نے شمائل کے اس طرح کے مذاق کان پر سے مکھی کی طرح اڑائے تھے، مگر آج نجانے کیوں دل یاسیت اور سراسیمگی سے گھرا تھا۔

"خود کو پرنس آف ویلز سمجھتے ہو کیا، شکل دیکھی ہے آئینے میں، لنگور بھی تم سے دس گنا بہتر ہوگا۔" جواب تو ہمیشہ کی طرح کرارا ہی تھا لیکن آنکھوں کی نمی نئی تھی۔

"کب بڑے ہوں گے تم دونوں۔" تائی امی زیر لب بڑبڑائیں سامان سمیٹنے لگیں، جبکہ انا برآمدے میں بچھے تخت پوش پر آکر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی، نظریں سامنے لان میں لگے نیم کے درخت پر پھدکتی چڑیوں پر تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" شمائل بھی اس کے پیچھے تھا باقاعدہ پیشانی چھو کر تسلی کرنا چاہی۔

"کیوں مجھے کیا ہوا ہے؟" تیوری چڑھا کر بولی۔

"تو پھر آنکھیں نم کیوں ہیں؟"

"پتہ نہیں شاید انفیکشن ہو گیا ہے اسی لئے صبح سے پانی بہہ رہا ہے۔" وہ صاف مکری۔

"اچھا تو تم اب جھوٹ بھی بولنے لگی ہو۔" شمائل نے فوراً جھوٹ پکڑا۔

"اچھا بابا بتاتی ہوں، ساری رات نیند نہیں آئی اس لئے طبیعت بوجھل ہے۔" اس نے ہتھیار ڈالے۔

"سونی کیوں نہیں؟"

"پتہ نہیں، بس ایسے ہی۔"

"نیند نہیں آئی اور وجہ بھی نہیں پتہ۔" کسی ماہر امراض کی طرح سوچتے ہوئے اس نے جملہ دہرایا۔

"یہ علامت تو محبت کے مرض کی ہیں محترمہ۔" اس کے کان کے قریب چہرہ لا کر اس نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہا تو وہ بے ساختہ اچھلی۔

"اچھا...... لیکن تمہیں یہ سب کیسے پتہ؟" وہ من وعن اس کی تشخیص پر ایمان لے آئی۔

"میں نے سنا ہے اکثر پیار ہونے کی پہلی نشانی نیند کا اڑنا ہی بتایا جاتا ہے، خیر میرا اندازہ تمہارے معاملے میں سو فیصد غلط ہے۔"

"کیوں؟" وہ حیرت سے بولی، صدمے سے گنگ۔

"تم تو اندر سے باہر تک جلاد قسم کی لڑکی ہو، بلکہ لڑکیوں والی کوئی ادا تو تم میں ہے ہی نہیں، ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار رہتی ہو۔" مسکراہٹ دبائے وہ سنجیدگی سے بولا تو اس قدر کھلی بے عزتی پر اس کا رہا سہا ضبط چھلک گیا۔

"اب ایک لفظ اور کہا تو میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔" خونخوار تیور لئے وہ اب کسی رعایت کے موڈ میں نہ تھی۔

"یہی تو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ تم ڈائن، چڑیل، جلاد سب کچھ ہو سکتی ہو لیکن ایک لڑکی ہر گز نہیں۔"

"شمائل کے بچے۔" وہ جوابی کارروائی کے لئے کوئی چیز تلاشنے لگی، کچھ نہ ملا تو سامنے پڑی چپل اٹھا کر داخلی دروازے کے کمرے کی دہلیز پر دانتوں کی نمائش لگائے شمائل پر چلائی مگر اس کے نشانے سے قبل ہی وہ کمال پھرتی سے اندر گھس گیا اور اسی لمحے زین کمرے سے برآمد ہوا اور چپل سیدھی اس کی پیشانی سے ٹکرائی۔

"اف۔" آنکھیں بند کر کے انا نے ہاتھ سر پر مارا، اب تو ڈانٹ پکی تھی۔

زین نے پہلے پیشانی سہلائی پھر برآمدے میں اس ہستی کو تلاشا جس نے یہ واردات سر انجام دی تھی اور وہ دور ہی سے اسے تخت پوش کے نیچے چھپی نظر آ گئی۔

"عناب باہر آؤ۔" وہ قریب آ کر بولا، مارے اشتعال کے اس کی رگیں پھول کر تن گئیں، غصہ کی وجہ وہ عمل تھا جو عناب نے اپنایا۔

"نہیں آپ مجھے ماریں گے۔" وہ وہیں سے بولی۔

"اگر باہر نہیں آئی تو واقعی ماروں گا۔" مٹھیاں بھینچتا وہ ضبط کے آخری دھانے پر کھڑا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا عناب کی گردن مروڑ دے۔

"یہ سب کیا تھا؟" وہ یقیناً چپل اٹھا کر مارنے کے عمل کے بارے میں استفسار کر رہا تھا۔

"وہ شمائل مجھے تنگ کر رہا تھا تو......" آنکھیں جھکائے وہ منمنائی۔

"شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ، کچھ بھی ہو یہ طریقہ کار قطعاً قابل قبول نہیں، مہذب لوگ اس طرح بات نہیں کرتے، کس بات کی سزا دے رہی ہو، کبھی تو پر سکون رہنے دو، ہر وقت اول فول حرکتیں کر کے آگ میں جھونک کر جلاتی ہو، تہذیب تو نام کو نہیں، لڑکی ہو اس بات کی سمجھو، محسوس کرو، یہ اوچھی، چھچھوری اور تھرڈ کلاس حرکتیں چھوڑ دو، اگر نہیں چھوڑ سکتی تو ایٹ لیسٹ میری نظروں سے اوجھل رہا کرو تمہاری اوٹ پٹانگ حرکتیں اور اول جلول حلیہ میں تو ہر گز برداشت نہیں کر سکتا۔"

اس کی نگاہیں گرم اور شعلہ بار تھیں، لفظ سخت تھے دانت یوں پیس رہا تھا جیسے دانتوں تلے عناب کا وجود ہو، جسے وہ چبانا چاہتا ہو اس کا بس چلتا تو انا کی ہڈی پسلی ایک کر دیتا، تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال کر جا چکا تھا، وہ نظریں جھکائے سپاٹ چہرہ لئے کھڑی تھی، مگر ضبط کے باوجود آنسو ٹپ ٹپ گرتے دامن بھگو رہے تھے، جب وہ ہر احساس سے عاری تھی تو بھلا آنسو کیوں بہہ رہے تھے۔

☆☆☆

آج پھر نیند روٹھی تھی، مگر وجہ اور احساسات الگ تھے، گزشتہ شب اس شخص کے تصور نے اسے سونے نہیں دیا اور آج اس کے رہانت و ہتک میں لتھڑے جملوں کی مار نے اسے اذیت کے بستر پہ رگیدا، اس نے عناب کی ذات کے بخیے ادھیڑ کر گویا اس کو زندگی کے ہر فعل میں ناکام اور بدسلیقہ ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ عناب کو خوب آئینہ دکھایا، وہ اتنی حساس کبھی نہیں رہی تھی لیکن چند دنوں سے نہ جانے کیوں ہر بات محسوس کرنے لگی تھی۔

''میں کچھ محسوس نہیں کرنا چاہتی میں جیسی ہوں ویسی رہنا چاہتی ہوں، مجھے کسی کی رائے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، پلیز یارب مجھے محسوسات سے عاری پہلے جیسی لاپرواہ بنا دیجئے، یہ سب بہت تکلیف دہ ہے، میں اس تکلیف میں نہیں جینا چاہتی۔'' وہ خدا کے حضور گڑگڑا رہی تھی، مگر آنکھوں سے سیل رواں تھا اور دل درد کے بوجھ سے بوجھل۔

☆☆☆

''زین کیا تم آج فری ہو بیٹا؟''

''کیوں کوئی کام تھا؟'' سحری کے دوران ہاٹ پاٹ سے پراٹھا نکالتے ہوئے اس نے دریافت کیا۔

''ہاں بیٹا، میں نے علینہ کے لئے منگنی کا جوڑا اور باقی تمام سامان کی تیاری مکمل کر لی ہے، تم آفس جاتے ہوئے دے دینا۔''

''امی آپ خود دے آئیں نا۔'' وہ جھجک کر بولا۔

''برخوردار لڑکے تو اپنے سسرال جانے کے بہانے تلاشتے ہیں اور تم پہلو تہی برت رہے ہو۔'' چاچو نے اسے چھیڑا تو تمام جملہ افراد کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''چاچو آپ بھی شروع ہو گئے۔'' وہ جھینپ کر بولا۔

عناب کا نجانے کیوں دل گھبرانے لگا اس کے دل میں ہیجان عذاب کی طرح اترنے لگا اس نے دہی کا پیالہ سرکایا اور ڈائننگ چیئر پیچھے دھکیلتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا انا یوں سحری ادھوری چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو؟'' چچی کے پکارنے پر تائی امی، شمائل اور چاچو سمیت زین بھی لمحہ بھر کو اس کی سمت متوجہ ہوا، اس کی آنکھیں سوجی ہیں اور لال لال سی تھی۔

''نہیں امی بس موڈ نہیں۔'' وہ مختصراً کہہ کر پلٹ گئی، چچی محض اس کی پشت گھور کر رہ گئیں۔

☆☆☆

آج آخری روزہ تھا جیسے جیسے منگنی کا وقت قریب آ رہا تھا ان کی وحشتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، قدرے تپتی دوپہر کو وہ لان میں بیٹھی گیلی مٹی کے گروندے بھی بناتی اور بھی توڑ دیتی، تائی امی اور چچی آرام کرنے کو لیٹی تھیں، مرد حضرات کو تین بجے تک آنا تھا، شمائل اپنے کسی دوست کی طرف گیا تھا، وہ تنہا لان میں بیٹھی تھی۔

''تم اتنی دوپہر میں یہاں کیا کر رہی ہو؟'' ڈوپلی کیٹ کی سے لاک کھول کر اندر آتے شمائل

کی نظر سب سے پہلے لان میں دوزانو بیٹھی عناب پر پڑی، جواباً وہ اپنے کام میں مشغول رہی۔

''پہلے کیا کم ستیاناس کیا ہے اپنے کلر کا تم نے، اب کیا بیٹسن بننے کا ارادہ ہے، کل عید پلس بھائی کی منگنی ہے، باقی لڑکیوں کی طرح مہندی، جیولری، میک اپ کی فکر کرنے کی بجائے بے نیازی سے یہاں بیٹھی اپنا رنگ اور میرا دل جلا رہی ہو۔'' اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اس نے عناب کو اپنی سمت متوجہ کیا اور ازلی دوستانہ انداز میں بولا، اس کا پورا وجود پسینے سے شرابور تھا، چہرہ پانی سے تر بتر تھا اور بدن یوں تپ رہا تھا جیسے آگ میں جھلسا تھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ کافی دیر سے یہاں بیٹھی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔'' خشک لبوں پر زبان پھیر کر وہ بے دردی سے بولی۔

''اے انا! لڑکی مت بنا یار، روتی تو لڑکیاں ہیں، تم تو پوری برابری سے مجھ سے پنگے لیتی، اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی اچھی لگتی ہو، تم لڑکی بن گئی تو میں بہت اچھا ایک دوست کھو دوں گا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو پھسلتے دیکھ کر وہ دھیرے سے بولا۔

وہ گرمی کی شدت سے بے نیاز اس کے ساتھ تپتی دوپہر میں بیٹھا تھا اس کے ہاتھ تو مٹی سے لتھڑے تھے اس کے باوجود شائل نے تھام رکھے تھے، بھلا وہ بھائی جیسے دوست کے خلوص پر شک کر سکتی تھی، اس کا دل کچھ اور بھر آیا۔

''شائل چاہے ساری دنیا مجھ سے نفرت کرے، چاہے تم جیسی بھی ہو تم مجھ سے نفرت مت کرنا میں ایک بھائی اور دوست، کا رشتہ کبھی نہیں کھونا چاہتی۔'' اس کے شانے پر سر ٹکا کر وہ سسکی تو شائل کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، وہ بھلا کب سے باتوں کو سنجیدگی سے لینے لگی تھی وہ

زندہ دل اور باتوں کو چٹکیوں میں اڑانے والی تھی، اسے تکلیف میں دیکھ کر شائل کا پہلو میں دھڑا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا، نجانے کس کی بات کو وہ اتنا دل سے لگا بیٹھی تھی۔

''پاگل مت بنو، کوئی تم سے نفرت نہیں کرتا، چلو اٹھو اندر چلو شاباش۔'' اس کے بال سہلاتے ہوئے اس نے تسلی دی مگر اس کا دل تو جیسے منوں مٹی تلے دفن ہوتا زندگی کا احساس کھو رہا تھا۔

☆☆☆

ہر سال تائی امی عناب کو عید پر ڈھیروں تحفے خرید کر دیتیں، مگر اس برس تو انہیں جیسے کچھ یاد ہی نہ تھا، غیر شعوری طور پر وہ ان کی منتظر تھی مگر وہ تو مکمل طور پر اسے فراموش کیے تھیں۔

چچی نے اس کے لیے ڈھیروں ڈھیر شاپنگ کی، آخر وہ ان کی اکلوتی اولاد تھیں مگر ان چیزوں میں اسے رتی برابر بھی دلچسپی نہ تھی، آخری روزہ بھی افطار ہو گیا، عید کے اعلان کی صدائیں بلند ہونے لگیں، اس کی امید کا آخری جگنو آخری روزے کے ساتھ ہی ٹمٹما کر بجھ گیا۔

''اس دفعہ میں اپنی بیٹی کے لیے کچھ نہیں لے پائی، میری انا مجھ سے ناراض تو نہیں۔'' وہ چاند دیکھنے چھت پر جا رہی تھی جب تائی امی نے اسے پکار لیا۔

''نہیں تو تائی امی، بہت کچھ ہے میرے پاس۔'' وہ بدقت تمام مسکرائی۔

''میری بیٹی اتنی خاموش کیوں ہے آج کل۔'' صبح کے لیے کپڑے پریس کرتی چچی بھی سوئچ بند کر کے آ بیٹھیں، کچھ دنوں سے وہ جیسے سب کچھ بھول گئی تھی، اس کی باتیں، شرارتیں، ہنسنا، بولنا، سب ماند پڑ گیا، چچی محسوس تو کر رہی تھیں مگر خاموش رہیں۔

''دنیا کچھ نہیں'' اس نے ٹال دیا تھی۔

''زین دس ہزار دینا بیٹا۔'' خاموشی سے چینل سرچ کرتے زین کو تائی امی نے پکارا تو اس نے دس ہزار والٹ سے نکال کر انہیں تھمائے، توجہ کے ارتکاز ایک بار پھر ٹی وی کی سمت مبذول ہو گئے۔

''یہ لو اپنی مرضی سے جو جی چاہے زین یا شمائل کے ساتھ جا کر لے آؤ۔'' تائی امی نے محبت سے اس کا چہرہ چھوا۔

''آپ امی کو دے دیں مجھے ضرورت ہو گی تو میں ان سے لے لوں گی۔'' حلق میں پھیلتے ناقابل برداشت اور ناسمجھ آنے والے درد کو دبانی وہ جلدی سے بولی اور تیزی سے چھت پر چلی گئی۔

''اسے کیا ہو گیا، اچانک اتنی اکھڑی اکھڑی کیوں لگ رہی ہے، اس سال زین کی منگنی کی وجہ سے میں اس پر توجہ نہیں دے پائی ورنہ تو پہلے روزے سے اختتام تک بس اسی کی تیاریاں چلتی ہیں شاید اسی لئے دلبرداشتہ ہو گئی ہے۔'' تائی امی نے تاسف سے خود ہی قیاس آرائی کی۔

''امی بس کریں اتنی حساس وہ ہے تو نہیں، بہرحال آپ پریشان نہ ہوں میں دیکھتا ہوں اسے۔'' کہتا ہوا وہ بھی اس کے پیچھے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

☆☆☆

جس دن سے اس نے عتاب کو ڈانٹا تھا تب سے زین کا بہت کم اس سے سامنا ہوا تھا، شاید اس کی باتوں کو وہ کچھ زیادہ ہی سنجیدگی سے لے گئی، وہ چھت پر پہنچا تو اناجھولے پر بیٹھی تھی جو اس کی پرزور فرمائش پر چاچو نے لگوایا تھا اس کی نظریں آسمان کے سینے میں محو سفر کمان کی شکل اختیار کیے ہلال عید پر تھیں، لیکن سوچ کے پنچھیوں کی پرواز یں کہیں اور تھیں، وہ خاموشی سے جھولے پر بچی باقی خالی جگہ پر بیٹھ گیا، وہ چونک کر سیدھی ہوئی ایک نظر اسے دیکھا پھر چہرہ جھکا کر انگلیاں چٹخانے لگی، زین کو اس وقت وہ بہت سمجھدار سنجیدہ اور میچور لگی۔

''کیا تم امی سے ناراض ہو؟'' اس جذبے چراتی خاموشی کو زین کی بھاری آواز نے توڑا۔

''اوں ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر شاید مجھ سے۔'' پہلے حیرت کے بے پناہ احساس سے اس کی آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا جو حیرت سے فرصت ملی تو جواب دیا۔

''ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی ہے کہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں۔''

بھلا زین عباس کب سے اس کے نخروں کی پرواہ کرنے لگا، حیران ہونا ایک فطری عمل تھا، جس کا اظہار اس نے جی بھر کر کیا۔

''گڈ آنسر، پھر پیسے کیوں نہیں لئے وہ تمہاری پیشگی عیدی تھی۔''

''بس ایسے ہی۔'' اسے دیکھ کر نجانے کیوں وہ مسکرائی۔

اسے زین کا پاس بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا وہ اس کے قریب تھا، اس قدر قریب کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کے نقش چرا سکتی تھی، فان کلر کی شرٹ میں ملبوس بکھرے بالوں اور موڑے ہوئے کفوں میں وہ بے حد خوبرو اور قیامت خیز جاذبیت کا حامل لگ رہا تھا۔

''تو چلو پھر آج تمہیں اور شمائل کو ڈھیر ساری شاپنگ کرواتا ہوں اس کے علاوہ ڈنر اور آئس کریم کی آفر بھی ہے۔'' زندگی میں شاید پہلی بار وہ عتاب سے نارمل انداز میں مخاطب تھا، آج کی خوشی کے پیچھے یقیناً اس کی زندگی میں ہونے والی تبدیلی کارفرما تھی، فطری طور پر وہ خوش تھا، جس کا اظہار اس کے عتاب کے ساتھ نرم رویے

اور بات بے بات مسکراتے لبوں سے ہو رہا تھا۔
''چلیں۔'' اسے خود کو مسلسل گھورتا پا کر اس نے کہا اور پھر اس کا ہاتھ تھاما، ایک بار پھر عجیب سا احساس ہلچل مچانے لگا یہ دوسری بار تھا، پہلی بار اس نے نظر انداز کر دیا لیکن اس بار، اس نے جو محسوس کیا وہ سوچ کر لمحے اس کے لئے تھم گئے۔
''زین بھائی آپ سے ایک بات پوچھوں۔'' اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ دھیرے سے بولی۔
''ہوں بولو۔''
''کیا آپ کو علینہ بہت اچھی لگتی ہے۔''
''واٹ، یہاں علینہ کا کیا ذکر۔'' اس نے ٹھٹک کر پوچھا اور جھولے سے اٹھ گیا۔
''کیا میں آپ کو اچھی نہیں لگتی؟'' وہ دھیرے دھیرے اس سے دور جا رہا تھا، عناب کو لگا وہ زندگی میں بھی یوں ہی اس سے دور چلا جائے گا اور وہ کچھ نہیں کر پائے گی، یہ خیال ہی اس کے لئے سوہان روح تھا۔
''تمہیں کیا ہو گیا عناب، اتنی بے تکی باتیں کیوں کر رہی ہو۔'' وہ سخت عاجز آ کر بولا۔
''میری ایک بات مانیں گے؟''
''کون سی بات؟''
''آپ علینہ سے شادی مت کریں۔''
''کیوں اب اس میں تمہیں کیا برائی نظر آتی ہے۔'' وہ ذرا اکھڑ کر بولا۔
''بس میں آپ کو کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی۔''
''پھر کس کے ساتھ دیکھنا چاہتی ہو۔'' وہ اس کی عدم تحفظ کی شکار اور وحشت زدہ آنکھوں میں جھانک کر بولا۔
''اپنے ساتھ۔'' اس نے گویا دھماکہ کیا زین کو لگا جیسے اس کے پرخچے اڑ گئے ہوں عناب سے ہر طرح کی حماقت کی امید کی جا سکتی تھی مگر ایسی نامعقول بات وہ پتھرا کر رہ گیا وہ ایسی بات سوچ بھی کیسے سکتی تھی کجا کہ اس کے منہ پر اظہار کرنا۔
''اب کوئی ڈرامے بازی نہیں چلے گی عناب، میں تمہارا مزید کوئی تماشہ افورڈ نہیں کر سکتا۔'' تیکھے چتون تن گئے، لہجے سے تمام نرمی مفقود تھی۔
''یہ ڈرامہ نہیں میری محبت ہے، آپ مجھے اچھے لگتے ہیں، آپ کے بارے میں سوچنا آپ کے خواب دیکھنا، آپ کی موجودگی مجھے اچھی لگتی ہے، مجھے رات کو نیند نہیں آتی اور شمائل کہتا ہے جب نیند نہ آئے تو پیار ہو جاتا ہے۔'' وہ اس کے سامنے آ کر بڑی تفصیل سے وضاحت پیش کر رہی تھیں جبکہ زین کا دماغ گھوم گیا، ایک چودہ سال کی لڑکی کے منہ سے عشق محبت کی باتیں اسے بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھیں اور اس بار اس کا ہاتھ نہیں رکا، اس کا فولادی ہاتھ عناب کے چہرے پر نشان ثبت کرتا اس کے چودہ طبق روشن کر گیا۔
''آئندہ ایسی خرافات اپنے ذہن میں لانے کی کوشش بھی مت کرنا، تمہاری عمر پڑھنے لکھنے کی ہے ان باتوں کے لئے ابھی تم بہت چھوٹی ہو۔'' اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں سیڑھیاں اترتا نیچے چلا گیا۔
عناب رخسار پر ہاتھ رکھے تو اتر سے بہنے والے آنسوؤں کو روک نہیں پائی، وہ بھلا اس قابل کہاں تھی کہ دل میں شور مچاتے اس شوریدہ سری سے بھرپور جذبے کو سینت سینت کر رکھ پاتی یا ٹھکرائے جانے کی اذیت کو سمجھ پاتی، اسے تو بس اتنا پتہ تھا کہ وہ زین عباس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

اگلا دن عید کا تھا، مگر وہ منہ سر لپیٹے پڑی رہی، شمائل اور چچی کے ساتھ ساتھ باقی تمام افراد نے بھی گاہے بگاہے اسے اٹھانے تیار ہونے اور کھانا کھلانے کی کوشش کی مگر اس نے کسی کی نہ مانی اور باقاعدہ دروازہ لاک کر کے اندر گم ہو گئی۔

چچی اس کی ہٹ دھری پر کڑھتی باقی تمام افراد کے ساتھ منگنی کے انتظامات میں مصروف تھیں، بڑی خاموشی سے وقت دن کے پہر سے نکل کر شب کی تاریکیوں میں ڈھل گیا، وہ کاٹن کے سادہ سلے سوٹ میں ملبوس سوگ ماتم بچھائے بیٹھی تھی دل تھا کہ بے قرار، اضطراب اور بے چینی سے بھرا، زین کو ایک بار دیکھنے کی خواہش نے زور پکڑا تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے کمرے سے باہر نکلنا ہی پڑا، وہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہا تھا، وہ دہلیز پر آ کر رک گئی، آف وائٹ اور میرون شیروانی زیب تن کیے وہ ساحر بے حد جاذب اور خوبصورت لگ رہا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اسے عین دہلیز پر کھڑے دیکھ کر وہ تیوری چڑھا کر بولا۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

''لیکن میں فی الحال کوئی بے وقوفانہ گفتگو سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' وہ دبے دبے غصے سے چلایا۔

''میں نے خود کو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر میرا دل کوئی تاویل سننے کو راضی نہیں۔'' موٹے موٹے آنسو نکال کر وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''تمہاری بکواس ختم ہو گئی ہو تو ہٹو راستے سے مجھے باہر جانا ہے۔'' وہ جھنجلایا۔

''نہیں میں آپ کو کسی اور کا نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ بری طرح تپا۔

''یہ کیسا بچپنا ہے عناب! تم خود نہیں جانتی تم کیا کر رہی ہو۔''

''مجھے پتہ ہے بس میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔'' مصالحت کی تمام کوششیں بیکار گئیں وہ جارحانہ تیور لیے اس کی سمت بڑھا۔

''تم سے کسی اچھی بات کی امید رکھنا ویسے ہی عبث ہے، مگر تم اتنی گری ہوئی حرکت کرو گی مجھے امید نہیں تھی، لیکن مجھے معلوم ہونا چاہیے تم کچھ بھی کر سکتی ہو اور ویسے بھی جیسی تمہاری شخصیت ہے میں کیا دنیا کا کوئی بھی مرد تمہاری خواہش نہیں کرے گا۔''

''دنیا کے کسی مرد کی خواہش مجھے ہے بھی نہیں مجھے بس آپ چاہئیں۔'' اس نے دروازہ لاک کرتے ہوئے کہا تو زین کا ضبط چھلک گیا، اس پر جیسے جنونیت کا دورہ پڑ گیا، ایک لمحے میں اس نے عناب کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی، وہ چند لمحے بے حس و حرکت اسے دیکھتی رہی پھر درمیان میں موجود ایک قدم کا فاصلہ بھی مٹایا۔

''مت کریں مجھ سے ایسا سلوک، آپ کے تھپڑ میرے چہرے پر نہیں میرے دل پر پڑتے ہیں۔'' اس سے لپٹی وہ روتے ہوئے سسکتے ہوئے کہہ رہی تھی، زین گڑبڑا کر رہ گیا، وہ نہیں جانتی تھی اس طرح کی حرکتیں کر کے وہ مزید اس کی نظروں سے گرتی جا رہی تھی۔

''ڈونٹ کراس یور لمٹس، تم مر بھی جاؤ تو آئی ڈونٹ کیئر۔'' اسے پرے دھکیل کر وہ لاک کھول کر نکل گیا، اس کے پورے وجود سے جیسے آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں اس کی آنکھوں میں دہکتے شعلے انا کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے تھے، اس کا بس چلتا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا چار تھپڑوں سے بھلا کہاں دل کو راحت نصیب ہوتی تھی مگر اس کی [illegible] پھینکنے کے سبب وہ اپنی

شخصیت مسمار نہیں کر سکتا تھا، عناب کو اپنی عزت وقار کی پرواہ نہیں تھی بہر حال زین کو تھی لہٰذا ایک لحہ ضائع کیے بغیر اس کے آنسو، اس کے سسکیاں، احتجاج اور جذبات کو نظر انداز کرتا وہ عناب کو چھوڑ کر جا چکا تھا۔

☆☆☆

جب تک وہ لان میں لگے اسٹیج تک پہنچا علینہ اور اس کی فیملی آ چکی تھی، مدعو کیے گئے تمام عزیز و اقارب بھی آ چکے تھے، ان کی طرف سے دیئے گئے لہنگے میں علینہ خوب دمک رہی تھی، اسے دیکھ کر قدرتی طور پر اس کے شدید اشتعال پہ جیسے اوس پڑ گئی، رشتہ دار لڑکیوں میں گھری علینہ کی سمت خود بخود ہی اس کے قدم بڑھ گئے۔

''انا کدھر ہے بیٹا۔'' تمام حاضرین محفل کی نظریں ان دونوں پر مرکوز تھیں جن کے لئے اس تقریب کا انعقاد کیا گیا تھا وہ انگوٹھیاں تھامے اس تقریب کو انجام دینے والے تھے، جب نفیسہ خاتون نے استفسار کیا۔

''وہ تو صبح سے اپنے کمرے میں بند ہے بھابھی، میں نے پوچھا بھی مگر آپ کو تو پتہ ہے کہ کس قدر موڈی ہے کچھ نہیں بتایا، اس کی ضد اور ہٹ دھری سے میں سخت عاجز ہوگئی۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اب تو اسے لے کر آؤ، ایک ہی تو بیٹی ہے ہمارے گھر کی وہ بھی نہ ہو تو اچھا نہیں لگتا۔'' وہ ابھی انا کا تذکرہ کر ہی رہی تھیں کہ ستے ہوئے چہرے اور بکھرے بالوں سمیت، کل شام کے سلوٹ زدہ کپڑوں میں وہ برآمد ہوئی، مارے بکی و رہانت کے چچی کا برا حال تھا، اس سے پہلے کہ چچی اس تک پہنچ کر اس کی کلاس لیتیں وہ دھیرے دھیرے چلتی زین تک پہنچ چکی تھی، اسے دیکھ کر زین بے ساختہ کھڑا ہوا، جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا یقیناً وہ کوئی بڑا گیم کھیلنے والی تھی زین نے کوفت زدہ ہو کر سوچا۔

''آپ کو میرے جذبات کی سچائی پر اعتبار نہیں، آپ کو میرے ہونے نا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا نا، تو مجھے آپ کے بغیر جینا ہی نہیں۔'' لان میں ایک دم سکوت در آیا، تمام لوگ دم سادھے عناب کی بات سن رہے تھے، جبکہ اس کے گھر والے شرم سے کٹتے زمین میں دفن ہونے کی بس جگہ چاہتے تھے، پھر کسی کو بھی کچھ سمجھنے کا موقع دیئے بغیر اس نے تیز دھار والا چھوٹا چاقو نکالا اور اپنی دونوں کلائیاں کاٹ لیں، یہ اس قدر غیر متوقع اور اچانک ہوا کہ زین سمیت باقی سب کو سانپ سونگھ گیا ہوش تو تب آیا جب وہ لڑکھڑا کر زمین بوس ہوگئی۔

''انا!'' چچی کی چیخ بڑی بے ساختہ تھی، سب سے پہلے زین کے دماغ نے کام کرنا شروع کیا، سب کچھ چھوڑ کر وہ انا کی سمت لپکا اسے بانہوں میں اٹھا کر گاڑی میں ڈالا، چاچو اور شمائل بھی ساتھ تھے۔

''شمائل تم چچی اور امی کو ساتھ لے کر آؤ، باقی سب کو معذرت کر کے گھر بھیجو۔'' گاڑی ریورس کرتے ہوئے اس نے تیزی سے ہدایت دی اور گاڑی ہاسپٹل کے راستے پر ڈال کر فل اسپیڈ پر چھوڑ دی، شمائل چچی کی سمت لپکا جو صدمے سے بے حال ساکت بیٹھی تھیں اور پھر تائی امی سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

☆☆☆

اسے بے ہوشی میں کئی گھنٹے گزر چکے تھے، چچی تکیے کے قریب بیٹھی مختلف سورتوں کا ورد کر رہی تھیں، تائی امی بھی موجود تھیں، چاچو کسی گہری سوچ میں مستغرق کمرے میں موجود صوفے پر بیٹھے تھے، زین باہر لابی میں تھا شمائل میڈیکل اسٹور تک گیا تھا، عناب کو ہوش میں آتے دیکھ کر

سب اس کی سمت لپکے۔

''انا! آنکھیں کھولو بیٹا۔'' تائی امی نے پکارا۔

''زین...... زین بھائی۔'' وہ دھیمی آواز میں اس کے نام کا ورد کر رہی تھی۔

''زین باہر ہے انا آپ کو اس سے کیا کہنا ہے۔'' چچی نے اس کی پیشانی چوم کر پوچھا، جس کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں، وہ نیم بے ہوشی میں تھی۔

''زین بھائی مجھ سے دور مت جائیں۔''

''آپ علینہ سے شادی مت کریں۔''

''میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔''

''میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔''

''میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر۔''

ورد کرتی دائیں بائیں سر ہلاتی وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی، اس کی بڑبڑاہٹ سب نے بخوبی سنی اور ایک دوسرے سے نظریں چراتے منظر سے ہٹ گئے۔

☆☆☆

''یہ کسی طور کسی قیمت پر ممکن نہیں امی''اٹس امپاسبل'' تائی امی کی بات سن کر اسے تو گویا پتنگے لگ گئے۔

''تم نے انا کی حالت دیکھی ہے زین، مر جائے گی وہ۔''

''مر جائے، بھاڑ میں جائے۔'' وہ بے لچک انداز میں بولا۔

''اور اگر چاچو، چچی نے آپ کو سفیر بنا کر بھیجا ہے تو انہیں بتا دیں کہ میں کوئی کھلونا نہیں ہوں جس پر ان کی لاڈلی کا دل آ گیا ہے اور اس کی خواہش پوری کرنا لازمی ہے، میں ایک جیتا جاگتا انسان ہوں جس کی اپنی مرضی ہے اس بار اس سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا اسے سیکھنا ہوگا کہ ہر خواہش پوری ہونے کے لئے نہیں ہوتی۔''

''بیٹا اور بھائی صاحب نے مجھ سے کچھ نہیں کہا میں تو اپنے طور پر کوشش کر رہی ہوں۔''

''تو چھوڑ دیں یہ کوشش، وہ ایک چودہ سال کی ضدی گھمنڈی اور بد سلیقہ لڑکی ہے ساری زندگی اس کی حماقتوں پر کڑھتا رہوں یا اس کے بچپنے سے نکلنے کا انتظار کرتا رہوں، وہ دنیا کی آخری لڑکی ہوتی تب بھی میرا انتخاب نہ ٹھہرتی میں اسے ایک لمحہ برداشت نہیں کر سکتا جسے کھانے پینے سے لے کر پہننے اوڑھنے تک کا سلیقہ نہیں پڑھائی سے لے کر امور خانہ داری تک ہر میدان میں زیرو ہے پوری زندگی محض بربادی ہے امی کی ایک سوبر اور میچور شریک سفر کی خواہش رکھتا ہوں، جو گھر بنانا جانتی ہو جسے دیکھ کر مجھے زندگی خوبصورت لگے میرا دل سکون سے بھر جائے تاکہ جیسے دیکھ کر میں کوئلے کی بھٹی میں جلنے لگوں اور یہ میرا معاشرتی حق ہے جسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔'' اس نے دوٹوک انکار کر دیا، اس کا حرف حرف درست تھا تائی امی بھلا کیسے اختلاف کرتیں۔

''میں کسی اور کے لئے اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔'' وہ مزید گویا ہوا۔

''وہ کسی اور نہیں زین، تمہارے چاچو کی بیٹی ہے۔''

''امی پلیز مجھے رشتوں کی بھینٹ مت چڑھایئے گا۔'' اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے اور مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا، ہاسپٹل سے ڈسچارج ہونے کے بعد اس نے رو رو کر سب کو بتایا کہ زین نے اسے مارا اور اپنی محبت کا بھی برملا اظہار کر دیا، چاچو اور چچی کے سمجھانے پر اس کا ردعمل شدید تھا، وہ کسی سے کچھ نہ کہتی، کئی کئی دن کھانے پینے کو ہاتھ نہ لگاتی یا خود کو نقصان

پہنچاتی، بیٹی کی خواہش اور اس کے حصول کے لئے ایسے طریقے پر چاچو اور چچی بے حد شرمسار تھے، بمشکل انا کو سنبھالتے لیکن تائی امی اور زین سے کوئی سوال نہ کیا، تائی امی نے اپنے طور پر زین کو منانے کی کوشش کی مگر اس کا انکار اقرار میں نہیں بدلا، علینہ نے منگنی ختم کر دی، نتیجتاً وہ کسی سے بھی ملے بغیر شکاگو روانہ ہو گیا، جہاں عید کے فوراً بعد اس کی جوائننگ تھی۔

☆☆☆

اسے دیکھتے ہی تائی امی کا موڈ آف ہو چکا تھا، برتنوں کو اٹھا کر بلاوجہ ہی ادھر ادھر پٹخنے لگیں، یہ ان کی بے زاری کا اظہار تھا۔

''آپ رہنے دیں تائی امی میں کھانا لگا دیتی ہوں۔''

''رہنے دو بی بی، جتنی گھر گھرہستن تم ہو میں خوب جانتی ہوں۔'' زہرخند لہجے میں کہتیں کام میں مشغول ہو گئیں۔

''کچھ نہیں ہو گا تائی امی، میں آپ کا نیا ڈنر سیٹ نہیں توڑوں گی۔'' ان کی بات کا مفہوم سمجھ کر وہ آنسو پیتی بولی۔

''توڑنے میں تو تمہارا کوئی ثانی نہیں عناب، وہ چاہے گھر ہو یا کوئی چیز اور اب ضد یں باندھنا چھوڑ دو، یہاں تمہاری ماں لاڈ دیکھ سکتی ہے سسرال والے چوٹی سے پکڑ کر نکال دیں گے۔'' تائی امی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی زبان کی تلوار سے اسے کاٹ دیتیں، اس کا ضبط چھلک گیا وہ منہ پر ہاتھ رکھتی بھاگ گئی۔

زین کو گئے چار سال ہو گئے وہ جاتے سے کسی سے مل کر بھی نہیں گیا، کبھی کبھار فون کر لیتا، تائی امی کی آنکھیں اسے دیکھنے کو ترس گئیں ان کے دل میں ملال نہ جاتا ان کا بیٹا گھر سے دور محض عناب سے فرار حاصل کرنے پردیس جا

بیٹھا، ان کے رویے میں تضاد خود بخود آ گیا، انہیں اس طویل جدائی کی ذمہ دار عناب دکھائی دیتی تھی، ان کا بس نہ چلتا اسے کہیں غائب کر کے اپنے بیٹے کو گھر لے آئیں۔

''جب اس زہر کی پڑیا کی شادی ہو جائے گی تو میں بھی واپس آ جاؤں گا۔'' تائی امی کے واپس بلانے پر وہ چڑ کر کہتا، تو وہ بری طرح جھنجھلا جاتیں ان کی کلپتی ممتا مزید بے سکون ہو جاتی۔

☆☆☆

وہ شائل سے ایک سوال سمجھ رہی تھی جب تائی امی نے اچانک رجسٹر اس کی گود سے جھپٹا، وہ دونوں حق دق رہ گئے۔

''یہ پڑھائی کے بہانے کیا پٹیاں پڑھا رہی ہو میرے بیٹے کو، ایک کو تو سات سمندر دور مجھ سے بھیج دیا کہ اس کی شکل دیکھنے کو بھی ترس گئی ہوں، اب دوسرے کو بھی مجھ سے چھیننے کا ارادہ ہے۔''

''نہیں...... میں تو سوال......'' وہ ہکلائی۔

''سب سمجھتی ہوں میں، اپنے جوہر تو تم مجھے چودہ برس کی عمر میں ہی دکھا چکی ہو۔''

''امی پلیز۔'' شائل نے انہیں روکنا چاہا۔

''بولو، کرو اس کی حمایت، یہی تو وہ چاہتی ہے۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہیں امی، انا ایسی نہیں ہے۔''

''اب تم سمجھاؤ گے مجھے، دفع ہو جاؤ یہاں سے اور آئندہ مجھے اس لڑکی کے آس پاس بھی دکھائی مت دینا۔'' ان کا نشانہ اب شائل تھا، تائی امی کے جلے کٹے جملوں کی تو اسے اب عادت ہو چکی تھی البتہ کرب واذیت کا احساس ہر بار نیا تھا، اس میں بچپنا تھا وہ کھلنڈری تھی مگر اسے سو بر بنانے اور زندگی کے قریب لانے کا خوب انتظام

کیا تھا قدرت نے وہ لمحہ بہ لمحہ درد سہتی راکھ بنتی جا رہی تھی۔

"اب جو رشتہ آیا ہے اس کے لئے ہاں کر دو عتاب، تم جاؤ گی تو میں اپنے بیٹے کی شکل دیکھ پاؤں گی، اس کی واپسی تمہاری رخصتی سے مشروط ہے۔" شمائل کے جانے کے بعد وہ اس مدعا پر آئیں، تو مارے استعجاب و حیرت سے اس کی زبان گنگ رہ گئی۔

"میں ابھی شادی کے بارے میں کیسے سوچ سکتی ہوں۔" وہ بدقت تمام بولی۔

"کیوں چودہ برس کی عمر میں محبت کر سکتی ہو تو اب شادی کیوں نہیں۔" تائی امی نے اس کی محبت کو اس کے لئے طعنہ بنا دیا، انہوں نے جیسے انگلی رکھ کر اس کا زخم دبایا، وہ درد سے زرد پڑ گئی، اس نے بغور تائی امی کو دیکھا وہ اس وقت ایک عورت تھیں نا اس کی تائی امی، وہ محض ایک ماں تھیں جن کا دل بیٹے سے جدائی پر بے قرار تھا، جو ہر رشتے سے بے نیاز دکھائی دیتی تھی۔

"آپ بے فکر رہیں تائی امی، آپ جیسا چاہتی ہیں ویسا ہی ہوگا، امی کی فکر مت کریں انہیں میں منا لوں گی۔" گلے میں اٹکتے کرب و اذیت کے پھندے میں جکڑتی وہ بمشکل بولی اور وہاں سے تیزی سے نکل گئی، رکنے کا کوئی جواز ہی نہ تھا۔

☆☆☆

تائی امی خوش تھیں بے حد خوش، خوشی و انبساط کی کرنیں ان کے چہرے سے پھوٹ رہی تھیں، آنکھیں بار بار کی چرا رہی تھیں لب مسکراہٹ کا پیرہن اوڑھے تھے چھ سال بعد ان کا بیٹا لوٹا تھا ان کی مسرتوں کا کوئی شمار نہ تھا۔

"معاف کر دیں امی بلاوجہ کی ضد میں آ کر میں نے آپ کو اتنی تکلیف پہنچائی۔" اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کر کے وہ محبت سے بولا۔

"تو میرے سامنے ہے زین میرا ہر دکھ مٹ گیا۔" فرط جذبات سے وہ سخت آبدیدہ تھیں۔

"شمائل کی واپسی کب تک ممکن ہے، اسے اتنی دور کیوں بھیج دیا امی، لاہور میں بھلا کم یونیورسٹیاں ہیں۔"

تائی امی نے زبردستی اس کا ایڈمیشن اسلام آباد اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی میں کروا دیا، ارادہ محض اسے عتاب سے دور رکھنا تھا مگر انجانے میں وہ اپنے دوسرے بیٹے کو بھی خود سے دور کر چکی تھیں۔

"بس اس کا شوق تھا اور واپسی تو اب عید پر ہی ہوگی ویسے بھی رمضان کی آمد آمد ہے۔" آنسو پونچھتی وہ نظریں چرا گئیں۔

"تم آرام کرو زین بیٹے اتنے لمبے سفر سے آئے ہو تھک گئے ہو گے۔" چچی نے محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو وہ بھی واقعی بے پناہ تھکاوٹ محسوس کرتے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ صبح چار بجے لوٹا تھا اور پورے گھر میں عجیب سی رونق لگ گئی، اس طرح اچانک آ کر اس نے جیسے سلیم ہاؤس کی خوشیاں لوٹا دیں، گھر میں عجیب سی مسرت و شادمانی چھلک رہی تھی، تائی امی کی آنکھوں کا جیسے نور لوٹ آیا، تائی امی بار بار اس کا چہرہ چوم رہی تھیں، اسے چھو کر جیسے اس کی موجودگی کا یقین کر رہی تھیں، چاچو اور چچی بھی مطمئن لگ رہے تھے، صبح آٹھ بجے کے قریب وہ آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں گیا تو محفل برخاست ہوئی، صد شکر کہ اس نے عتاب کے بارے میں نہیں پوچھا، پوچھتا تو بھلا چچی کیا جواب دیتیں، لیکن وہ بھلا اس کی بابت استفسار کرتا بھی کیوں؟

☆☆☆

دو بجے تک سو کر زین اٹھا تو خود کو قدرے فریش اور پرسکون محسوس کر رہا تھا، اپنے گھر کی طمانیت اور سکون و محبت کو اس نے چھ سال بے حد مس کیا، بلاشبہ اس کے جانے کی وجہ عناب بنی تھی لیکن لمبے قیام کا سبب وہاں کی بے حد مصروفیت اور اس کی تیزی سے ہوتی ترقی تھی، آہستہ آہستہ وہاں گھڑی کی سوئیوں پر زندگی گزارتے لوگوں کے بیچ رہ کر عناب سے سرد جنگ خود بخود ختم ہو گئی، مشینی رفتار سے ڈھلتے شب و روز میں اس کا خیال بھی محو ہو گیا، اسے یاد تھا ڈیڑھ سال قبل ای نے اسے عناب کی شادی کے بارے میں بتا کر اسے آنے کے لئے کہا تھا اب تو شاید اس کا آٹھ ماہ کا بیٹا بھی تھا۔

وہ اس کے دل و دماغ میں کہیں نہیں تھی پھر بھی وہ اسی کو سوچتا ہوا نیچے چلا آیا، بھوک سے برا حال تھا اس نے پلین میں بھی کچھ نہیں کھایا تھا، پیشانی مسلتا وہ کچن میں داخل ہوا اور ڈائننگ چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''ای پلیز ناشتہ بنا دیں۔'' دھانی آنچل لہرایا تو اس نے دیکھے بغیر کہا اور پھر بے دھیانی میں گردن موڑ کر دیکھا تو دم بخود رہ گیا، اس لڑکی نے بھی ٹھٹک کر آواز کے تعاقب میں نظریں اٹھائیں۔

سرخ و سفید رنگت، سرو قد، تیکھے نقوش اور سانچے میں ڈھلا وجود، وہ اپسرا خوبصورتی کی تفسیر تھی، رائل بلیو لمبی شفون کے نازک سے کپڑے کی گھیر دار فراک پہنے پنک کلر کا دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے سلیقے سے گندھی چوٹی میں وہ کون تھی بھلا، اس کے ذہن نے سوال کیا پھر اس کی نگاہیں اس کے سراپے سے پھسلتی ہوئی اس کی آنکھوں پر ٹھہر گئیں، پرنم آنکھوں والی وہ کوئی اور نہ تھی، وہ تو عناب زہرا تھی، اس کی انگوری آنکھوں نے معمہ حل کر دیا، اس عناب اور چھ سال قبل کی عناب میں زمین آسمان کا فرق تھا، بس چند لمحے وہ ٹھٹکی اور پھر سنبھل کر تیزی سے کچن سے نکل گئی، لیکن اس کی غزالی آنکھوں میں پھیلتی نمی کی لکیریں زین سے چھپ نہ سکیں، زین کی حیرت کا کوئی انت نہ تھا، امریکہ کے ماڈرن شہر شکاگو میں وہ حسن و جمال کے کھلے ڈھلے مناظر دیکھ چکا تھا، مگر اس قدر بھرپور، معصوم اور جاذب حسن اس کی حیرت کا کوئی انت نہ تھا، حیرت یہ نہیں تھی کہ وہ خوبصورت تھی حیرت تو اس بات پر تھی کہ وہ عناب زہرا تھی، وہ ایسی نزاکت اور قیامتوں کی حامل بھی ہو سکتی ہے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

☆☆☆

''ای آپ نے مجھے عناب کے بارے میں نہیں بتایا۔'' رات کو وہ تائی ای سے پوچھ رہا تھا جواباً انہوں نے اسے یوں گھورا جیسے کہہ رہی ہوں تمہارے اس سے بڑے خوشگوار تعلقات تھے جو تمہیں بتاتی، زین بری طرح گڑبڑایا۔

''کیا بتاتی تمہاری واپسی کے لئے میں نے زبردستی اس کی اٹھارہ سال کی چھوٹی سی عمر میں شادی کروا دی اور پھر ڈیڑھ سال بعد ہی وہ کرم جلی تین ماہ کا شاہ میر گود میں اٹھائے بیوگی کی چادر اوڑھ کر ایک بار پھر اس دہلیز کی محتاج ہو گئی۔''

دل میں کہیں پچھتاوے کا بیج اگ آیا تھا، عناب کی جامد اور خاموش زندگی دیکھتیں تو ان کا دل کٹ جاتا، ابھی خود بچی تھی، جب اپنے آٹھ ماہ کے بچے کو بہلاتی تو تائی ای کو منہ چھپانے کو جگہ نہ ملتی، ابھی تو خود اس کے ہنسنے کھیلنے کے دن تھے اور وہ تمام زندگی جیسے جی چکی تھی، بیٹے کی محبت نے ان سے خوب ظلم کروایا۔

عناب کی ویران زندگی انہیں لمحہ بہ لمحہ کچوکے لگاتی۔

ڈیڑھ سال قبل اس کی شادی اشعر سے ہو گئی، چچی کے سمجھانے کے باوجود اس نے شادی پر زور دیا کیونکہ تائی امی سے وعدہ کر چکی تھی، اشعر ایک خوش شکل، شوخ اور زندہ دل نوجوان تھا، اس کے سنگ انا جیسے ہر غم بھولنے لگی، تائی امی کے طعنے، زین کی جدائی مگر خوشیاں اس کے دامن میں زیادہ دن پناہ گزین نہ ہو سکیں، اشعر کو کینسر جیسے موذی مرض نے نگل لیا اور وہ بیوگی کی چادر اوڑھ کر ایک بار پھر سلیم ہاؤس آ گئی، مگر اس بار اس کی گود میں تین ماہ کا ننھا سا وجود تھا اس کا بیٹا، اس کا شاہ میر، اس کی کل کائنات، اس کے جینے کی وجہ ورنہ تو زندگی میں کچھ نہ بچا تھا۔

☆☆☆

''اچھا امی میں نکلتی ہوں۔'' رسٹ واچ باندھتے ہوئے اس نے چچی سے اجازت مانگی جو لیمن لان کے سوٹ میں ملبوس چمکتی دھوپ لگ رہی تھی، چچی نے بے ساختہ آیت الکرسی پڑھ کر پھونکی۔

''خدا تمہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے میری جان۔''

اس وقت زین بھی آفس کے لئے نکل رہا تھا ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود وہ کئی کئی دن اس کے سامنے نہ آتی اور اس کی نگاہیں نجانے کیوں بس عناب کو ہی تلاشتیں۔

''اگر تم چاہو تو میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈال کر زین نے آفر کی۔

''تھینکس میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے سختی سے پیش کش رد کی۔

''امی شاہ میر کو دیکھ لیجئے گا وہ بس اٹھنے ہی والا ہے۔'' بیٹے فکروں میں گھلتی وہ زین کو کس قدر بے گانی سی لگی۔

''میں دیکھ لوں گی انا، تم فکر مت کرو اور زین کے ساتھ ہی چلی جاؤ مجھے بھی اطمینان رہے گا۔'' چچی نے فکر مند ہو کر کہا تو محض آنکھیں دکھا کر رہ گئی۔

''امی پلیز مجھے کسی بات کے لئے مجبور مت کیجئے گا۔'' اس نے دہائی دی تو چچی خاموش ہو گئیں جبکہ زین بھی مزید کچھ سنے بغیر اپنی گاڑی کی سمت بڑھ گیا۔

☆☆☆

اس نے اور شمائل نے ایک ساتھ بی کام کیا تھا، اس کے بعد عناب کی تو شادی ہو گئی البتہ شمائل اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی آف اسلام آباد سے ایم بی اے کر رہا تھا، ہر ویک اینڈ پر ان سے ملنے آتا تھا، وہ ایک مقامی بینک میں جاب کر رہی تھی، صبح نو سے دو بجے تک کی شفٹ پر وہ جاتی، باقی کا کام اس کی کولیگ اکیلی سنبھالتی، یہ بھی اس کے ایم ڈی کی اس پر خاص نظر کرم تھی وہ اس سے ہر لحاظ سے تعاون کرتے تھے جس پر وہ ان کی شکر گزار تھی، چاچو اور چچی تو اس کے جاب کرنے کے حق میں نہ تھے، لیکن وہ کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی لہٰذا چاچو کو اس کی ماننے ہی بنی، انہوں نے اپنے ذرائع استعمال کر کے اسے بینک میں سیٹ دلوا دی، عناب اچھا خاصا پڑھ چکی تھی اور اب نوکری کی شکل میں اپنی خدمات سر انجام دے رہی تھی یہ خوبی زین کے علم میں آئی تو وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا، وہ جب سے آیا تھا، عناب کی ذات اس کے لئے مسلسل حیرت کا موقع بنی تھی۔

☆☆☆

''امی شاہ میر کہاں ہے؟'' اسکارف کھول کر اس نے سائیڈ پر رکھا اور چچی سے پوچھا،

لاونج میں سب سے پہلے اسے شاہ میر ہی ملتا تھا لہٰذا آج اسے نا پا کر وہ حیران ہوئی۔

''وہ تو زین کے ساتھ پارک گیا ہے۔''

''ان کو کس نے حق دیا میرے بیٹے کو کہیں لے جانے کا، آپ نے منع کیوں نہیں کیا۔'' وہ شدید مشتعل ہوئی۔

''اتنا وہ زین سے مانوس ہو گیا ہے وہ تو روزانہ ہی اسے اپنے ساتھ کہیں نہ کہیں لے جاتا ہے۔''

''اور آپ نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔'' وہ اور تپ گئی۔

''ان کی کمپنی کی نئی برانچ یہاں پاکستان میں کھل رہی ہے تمام کام مکمل ہے وہ آج کل فری ہے اسی لئے شاہ میر کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔'' چچی نے اسے شانت کرنا چاہا۔

اسی اثناء میں زین اندر داخل ہوا اس نے شاہ میر کو اٹھایا ہوا تھا، دوسرے ہاتھ میں کینڈیز، چاکلیٹ، لیز اور نجانے کیا الم غلم سے بھرا شاپر اٹھائے ہوئے تھا۔

''آئندہ میرے بیٹے سے دور رہیے گا، اس کی عادتیں بگاڑنے کی قطعاً ضرورت نہیں نہ ہی میرے بیٹے کی یتیمی پر ترس کھانے کی ضرورت ہے، اس کے لیے اس کی ماں ہی کافی ہے۔'' اس نے چیل کی طرح شاہ میر کو جھپٹ لیا، وہ مکمل ثابت قدمی سے اس کو کھری کھری سنا رہی تھی یا شاید خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ان آنسوؤں کا کیا کرتی جو لہجہ مضبوط ہونے کے باوجود گالوں پر پھسل کر اسے کمزور ثابت کر گئے، ہاں وہ کمزور تھی اشعر کی جدائی اور بیوگی کے لیبل نے یا شاید غموں کی شدت نے اسے کمزور بنا دیا تھا اور اس کے آنسوؤں سے زین کا دل جیسے پھٹنے لگا۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا پہلا عشرہ ختم ہونے کے قریب تھا، آج اتوار تھا چاچو بھی گھر پر تھے اور شائل کی آمد بھی متوقع تھی ویسے وہ گزشتہ ہفتے ہی زین سے مل کر گیا تھا۔

وہ روزہ افطار ہونے کے بعد ٹیبل پر کھانا چن رہی تھی، جب وائٹ کلف شدہ شلوار سوٹ میں ملبوس زین عباس کف موڑتا کچن میں داخل ہوا۔

''گڈ ایوننگ مائی چائلڈ۔'' شاہ میر اس کے پاس سلیب پر بیٹھا جوس پی کم اور گرا زیادہ رہا تھا، اسے دیکھتے ہی قلقاریاں مارنے لگا اور اچک اچک کر اس کی سمت آنے لگا، اس کے کپڑے مینگو جوس سے لتھڑے تھے اس کے باوجود زین نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا۔

''ایک گلاس پانی ملے گا۔'' شاہ میر کو اٹھائے وہ اس کے پاس آیا جو اوون سے کباب نکال کر ڈش میں سیٹ کر رہی تھی۔

''نظر نہیں آ رہا بزی ہوں میں اور شاہی کو کیوں اٹھایا ہے آپ نے۔'' وہ لمحوں میں تپی۔

''بیڈ مینرز، بڑا ہوں تم سے ایسے بات کرتے ہیں۔'' مسکراہٹ دبائے وہ سنجیدگی سے بولا تو اس کی توقع کے مطابق وہ خائف ہوئی اور اپنی خفت چھپانے کو فریج سے بوتل نکال کر پانی گلاس میں انڈیلنے لگی، گلاس آگے بڑھ کر زین نے خود اٹھا لیا، اس کے پینے سے قبل ہی شاہ میر نے مانی...... مانی (پانی) کی رٹ لگا لی جو اب ٹوٹے پھوٹے لفظ بولنے لگا تھا، زین نے اپنے لبوں تک جاتا گلاس اتار کر شاہ میر کے منہ سے لگا دیا۔

جو اس نے دو گھونٹ پی کر پیچھے کر دیا، پھر وہی گلاس خود پینے لگا۔

''میں آپ کو اور پانی دے دیتی ہوں آپ یہ رہنے دیں۔''
''یہ کیوں رہنے دوں۔'' گلاس ختم کر کے اس نے ٹیبل پر رکھا۔
''یہ شاہ میر کا چھوڑا ہوا تھا۔''
''اگر تم اس کا چھوڑا پی سکتی ہو تو میں کیوں نہیں۔''
''میری بات اور ہے میں تو اس کی ماں ہوں۔''
''تو میرا بھی اس سے کچھ ایسا ہی رشتہ ہے۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے شاہ میر کی پیشانی چوم لی، جبکہ انا پہلو بدل کر رہ گئی۔
''لائیں اسے مجھے دیں یہ آپ کے کپڑے خراب کر دے گا۔''
''ہوں ٹھیک ہے۔'' اس نے عناب کی بات سے اتفاق کیا، وہ اس کے قریب آئی بڑھ کر شاہ میر کو تھاما، اس کے بازو زین کے سینے سے مس ہوئے، اسے عناب کا لمس اچھا لگا، اسے عناب کی موجودگی اچھی لگ رہی تھی، اسے پوری کی پوری عناب اچھی لگ رہی تھی۔

☆☆☆

''مما...... مما۔'' اسے بینک سے لوٹتے ہی لاؤنج میں شاہ میر ملا جو اب بھاگنے دوڑنے کے ساتھ بولنے بھی لگا تھا۔
''مما کی جان کیسے ہو؟'' اس نے فوراً اسے اٹھایا اور چٹا چٹ چوم ڈالا، سیڑھیوں سے اترتے زین نے یہ منظر بخوبی دیکھا، محض بیس برس کی عمر میں زندگی کے تمام رنگ دیکھ چکی تھی، سچ بات تو یہ بھی کہ ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے گھر گرہستی سنبھالتی بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھی، اسے تو وہی حماقتیں کرتی ضدی سی عناب یاد آ رہی تھی اس کی جلد شادی کی وجہ بھی تو زین عباس ہی تھا اور اک کے آئینے بے حد تکلیف دے تھے۔
''میں اپنے بیٹے کے لئے چپس بناتی ہوں کھائے گا نا شاہ میر۔'' اس نے لاڈ کرتے ہوئے اپنی تھکن کی پرواہ کیے بغیر اسے گود میں اٹھائے وہ کچن کی سمت بڑھ گئی۔
حسب عادت اسے سلیب پر بیٹھا کر وہ خود کام میں مصروف ہو گئی۔
''تم کیوں آتے ہی کام میں لگ گئی، ہٹو میں بنا دیتی ہوں تم فریش ہو کر آرام کرو۔'' چچی نے مداخلت کی۔
''شاہ میر کو دیکھ کر ساری تھکاوٹ اتر جاتی ہے اور اپنے بیٹے کا کام کرنے مجھے بہت سکون اور خوشی ملتی ہے امی۔'' اس نے سادگی سے کہا۔
''تم کیوں دروازے میں کھڑے ہو زین آؤ اندر آؤ۔'' کب سے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑے زین کی سمت چچی کا دھیان گیا تو بولیں۔
''سوچ رہا ہوں ماں بیٹی کے پیار میں مداخلت کروں یا نہ کروں۔''
''کیسی باتیں کرتے ہو، تمہاری آمد مداخلت تھوڑی ہے۔'' چچی نے پیار سے اس کی پیشانی چومی جواب چیئر سنبھال چکا تھا۔
''انا فارغ ہو کر کچن کے سامان کی لسٹ بنا دو زین کو، پھر یہ مارکیٹ سے لے آئے گا۔''
''جی میں بنا دوں گی؟'' اس نے پہلی بار اختلاف نہیں کیا۔
''یہ لیں۔'' تھوڑی دیر بعد اس نے ایک چٹ زین کو تھمائی جو شاہ میر کو چپس کھلانے میں مصروف تھا۔
''اس میں رس ملائی کا سامان بھی ایڈ کر دو، آج تمہارے ہاتھ کی رس ملائی کھانے کو دل کر رہا ہے۔'' وہ محض اس کو تنگ کرنے کو بولا۔

''زہر کھلا دوں۔'' وہ تپ کر بڑبڑائی۔
''نہیں زہر نہیں۔'' اس کی بڑبڑاہٹ سن کر وہ مزے سے بولا، تو عناب جی بھر کر خجل ہوتی برتن سیٹ کرنے لگی، وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا اور وہ خواہ مخواہ کنفیوز ہونے لگی۔
''پلیز اب آپ جائیں اور یوں میرے آس پاس مت رہا کریں۔'' وہ کئی دنوں سے دیکھ رہی تھی زین جب سے آیا تھا اس کا رویہ بہت عجیب سا تھا نجانے وہ اس سے ہمدردی دکھا رہا تھا یا کچھ اور بہر حال جو بھی تھا وہ اس کی موجودگی سے خائف تھی۔
''یاد کرو کبھی تمہاری خواہش تھی کہ میں تمہارے آس پاس رہوں۔'' نجانے وہ مذاق کر رہا تھا یا سنجیدگی سے طنز چھاڑ رہا تھا، وہ سمجھ نہیں پائی، مگر انا کے دل پر اس کے جملے خنجر کی طرح پیوست ہو گئے، وہ جہاں کی تہاں تھم گئی، لب بھینچ کر اس نے درد سے نکلنے والی سسکی دبائی، زین اس کے آنسو دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔
وہ تو اپنے بدلتے احوال سے اسے آشنا کرنے کے لئے تمہید باندھ رہا تھا اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتا دھڑام سے کچھ گرنے کی آواز آئی اور پھر لمحے کے ہزارویں حصے میں شاہ میر کی چیخوں سے پورا سلیم ہاؤس دہل گیا۔
''شاہ میر!'' انا چیختے ہوئے تیر کی طرح اس کی سمت لپکی جو سلیب سے گر چکا تھا اور سلیب تقریباً تین فٹ اونچی تھی، اس کے سر سے بہتا خون دیکھ کر اس کے حواس کام کرنا چھوڑ گئے، زین کے بھی اعصاب جھنجھنا اٹھے، چچی اور تائی امی بھی شاہ میر کا رونا سن کر آ چکی تھیں شاہی کے سر سے تیزی سے بہتا خون دیکھ کر حواس باختہ رہ گئیں، سب سے پہلے زین کے دماغ نے کام کرنا شروع کیا اس نے تیزی سے شاہ میر کو اٹھایا اور باہر بھاگا، عناب بھی اس کے پیچھے دیوانہ وار دوڑی ان کی منزل قریبی ہاسپٹل تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر نے بروقت ڈریسنگ کر کے شاہ میر کو خواب آور انجکشن دے کر سلا دیا، زخم کافی گہرا تھا اور آٹھ گھنٹے انڈر آبزرونیس رکھنے کو کہا، عناب کا رو رو کر برا حال تھا، بیڈ پر ہوش و خرد سے بیگانے اپنے ننھے سے جگر کے ٹکڑے کو دیکھ کر اس کا دل کٹ کٹ جا رہا تھا آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے، کوئی آدھ گھنٹے سے زین گیا تھا۔
''کیا کہا ڈاکٹر نے؟'' اسے دیکھتے ہی وہ بے قراری سے اس کی سمت لپکی، زین نے بغور اس کا ستا چہرہ سرخ و متورم آنسوؤں میں ڈوبی آنکھیں دیکھیں اور اسے کچھ بھی بتانے کا ارادہ ترک کر دیا، ایک نظر پرسکون سوئے شاہ میر کو دیکھا اور پھر صوفے پہ بیٹھ گیا، ڈاکٹر نے کوئی حتمی جواب نہیں دیا تھا بظاہر شاہ میر ٹھیک تھا مگر اس بات کا فیصلہ کہ اندرونی کوئی دماغی چوٹ تو نہیں، سٹی اسکین کے بعد ہونا تھا، چنانچہ اگر وہ رپورٹ ٹھیک آ جاتی تو پریشانی کی بات نہ تھی، مگر وہ یہ بات عناب کو کیسے بتاتا جو پہلے ہی مصائب سے تھکی ہوئی تھی۔
''وہ ٹھیک ہے عناب، بس ایک ٹیسٹ کروانا ہے اس کے بعد ہم گھر چلے جائیں گے۔'' اس نے اسے تسلی دی۔
''آپ سچ کہہ رہے ہیں۔'' وہ مشکوک ہوئی۔
''ہاں بالکل چاہے تو ڈاکٹرز سے پوچھ لو۔''
''میں مر جاؤں گی اگر شاہ میر کو کچھ ہوا، میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں مگر شاہی کی جدائی نہیں۔'' اس کے کندھے پر سر ٹکائے، وہ بے بسی سی بلک رہی تھی، زین نے اس کی کمرے

کے گرد بازو حمائل کر کے اسے خود سے لپٹا لیا جیسے وہ کوئی چھوٹی بچی ہو اور مضبوطی سے اسے اپنے حصار میں قید کر لیا۔

''خدا پر بھروسہ رکھو عناب، ماں کی دعا تو عرش سے ٹکرا جاتی ہے اپنے بیٹے کی صحت وتندرستی اس پاک ذات سے مانگ لو۔'' روتی سسکتی عناب کے کان میں اس نے سرگوشی کی تو وہ مزید شدتوں سے رونے لگی۔

☆☆☆

''ریلیکس اب آپ کا بیٹا بالکل ٹھیک ہے ان کی ساری رپورٹس بھی نارمل ہیں۔'' ڈاکٹر نے کوئی دسویں بار عناب کو تسلی دی، جس کی پریشانی کی شدت اس کے چہرے اور آنکھوں کی سرخی سے ہویدا تھی۔

''تھینکس ڈاکٹر۔'' وہ دل سے مسکرائی۔

''آپ کا بیٹا بہت خوبصورت ہے مسٹر زین اور آپ کی مسز بھی۔'' دوائیوں کی چٹ اسے تھماتے ہوئے ڈاکٹر نے کہا۔

''تھینکس ڈاکٹر۔'' ولدیت کی جگہ پر پیشنٹ فائل میں زین نے اپنا نام لکھا تھا پھر بھلا ڈاکٹر کو غلط فہمی کیوں نہ ہوتی جبکہ ڈاکٹر کا جملہ سن کر عناب کے مسکراتے لب سکڑ گئے اس نے زین کی سمت دیکھا کہ شاید وہ وضاحت پیش کرے، مگر وہ تو آنکھوں میں شرارت بھر کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''اب تو مسکرا دو یار، ہمارا لاڈلا اب بالکل ٹھیک ہے۔'' شاہ میر کو احتیاط سے اٹھاتے ہوئے اس نے کہا تو ہمارا کے لفظ پر وہ ٹھٹک کر رک گئی، ایک بار اس کا ایک دوست گھر ملنے آیا تھا جب شاہ میر کھیلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں چلا گیا، تب اس کے دوست نے پوچھا تھا کہ یہ بچہ کس کا ہے اس نے بڑے دھڑلے سے کہہ دیا۔

''یہ میرا بیٹا ہے۔'' جبکہ دروازے پر کھڑی شاہ میر کو بلاتی عناب الٹے قدموں واپس مڑ گئی اور آج بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔

''آپ نے ڈاکٹر کی غلط فہمی دور کیوں نہیں کی۔'' اس نے گاڑی واپسی کے راستے پر ڈالی تو عناب نے استفسار کیا۔

''کون سی غلط فہمی؟'' وہ معصوم بنا۔

''یہی کہ میں آپ کی.....'' وہ بات مکمل نہ کر پائی۔

''تم میری کیا۔'' اس نے جان بوجھ کر بات کو طول دی، انا کو تنگ کرنے میں مزہ آ رہا تھا۔

''سب پتہ ہے آپ کو۔'' وہ غصے سے بولی۔

''ارے واقعی مجھے پتہ نہیں پلیز بتا دو نا۔''

''کچھ نہیں۔'' روٹھے پن سے کہتی وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تو زین کے لبوں کے گوشوں پر بڑی دلکش مسکان ابھر کر معدوم ہو گئی۔

☆☆☆

رمضان کا آخری عشرہ جاری تھا، اسی دوران عناب کے ایم ڈی کا رشتہ انا کے لئے آیا وہ ایک پکی عمر کا شخص تھا تین بچوں کا باپ تھا بیوی طلاق لے کر بچے چھوڑ کر جا چکی تھی، انا نے سنا تو پتھے سے اکھڑ گئی البتہ چچی نے سوچنے کے لئے وقت مانگ لیا۔

زین نے اعتراض کیا تو چچی جیسے پھٹ پڑیں، ان پر عناب کے احتجاج اور انکار کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

''تو کیا کروں زین، ساری عمر اپنے آسرے پر نہیں بیٹھا سکتی اسے آج ہم ہیں کل نہیں ہوں گے کیا تم لوگ پر بوجھ بنا کر چھوڑ دوں اسے، وہ اب ایک بیوہ اور ایک بچے کی ماں ہے

اب اس کے لئے ایسے ہی رشتے آئیں گے اس کی بیس سال کی چھوٹی عمر کوئی نہیں دیکھے گا، کون کنوارہ لڑکا اس شادی کرے گا بولو۔'' چچی نے روتے ہوئے سفاک سچائی اس کے کانوں میں انڈیلی تو وہ ساکت رہ گیا۔

''میں کروں گا عتاب سے شادی۔'' اس نے گویا دھماکہ کیا، چچی ششدر رہ گئیں۔

''یہ جذباتیت کا وقت نہیں ہے زین، تمہاری اپنی زندگی ہے، اسے اپنے طریقے سے جیو وہ اکیلی نہیں ہے، اس کی گود میں ایک بچہ بھی ہے۔'' چچی نے اسے حقیقت کی تلخی سے آشنا کرنا چاہا۔

''مجھے سب پتہ ہے چچی لیکن یہ سچ ہے میں انا کو خود سے دور نہیں رکھ سکتا اور میں وعدہ کرتا ہوں آپ مجھے اپنے فیصلے میں ثابت قدم پائیں گی۔''

''اور بھابھی۔''

''وہ بھی خوش ہی ہوں گی میرا یقین کریں۔'' ان کے ہاتھ تھام کر وہ فرط جذبات سے بولا تو چچی مشکور ہوتیں اس سے لپٹ کر رو دیں۔

☆☆☆

اسے اپنے دل کی خواہش بتانے وہ اس کے کمرے میں آیا تو وہ صوفہ کم بیڈ پر ترچھی لیٹی تھی سنہری اور سیاہ بالوں کی آبشار صوفے کم بیڈ سے نیچے بہہ رہی تھی اس نے بازو آنکھوں پر رکھا تھا، زین پر بے بس کرتے احساسات غلبہ پانے لگے اس نے گھبرا کر دروازے پر دستک دی وہ چونک کر اٹھی۔

''آ...... آپ...... یہاں۔'' وہ ہکلائی، وہ پہلی بار اس کے کمرے میں آیا تھا اس کی حیرت بجا تھی، مگر زین کا دھیان اس کی سرخ و متورم سفید موتیوں سے بجی خوابناک آنکھوں پر تھا، اس کی نظریں اس کے پرکشش و معصوم چہرے پر تھیں۔

''آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔'' اسے مسلسل گھورتا پا کر اس نے ذرا سخت لہجے میں کہا دوپٹہ تلاش کر کے خود پر پھیلایا۔

''مت روؤ عتاب۔'' وہ قریب آیا اور انگلی کے پوروں سے اس کے آنسو پونچھے، وہ بے ساختہ پیچھے ہوئی، مگر اس کی پیش رفت جاری تھی، وہ آگے بڑھا شانوں سے تھام کر قریب آیا، پھر اور قریب، اتنا کہ اس کی گرم گرم سانسیں عتاب کے چہرے پر پڑنے لگیں۔

''میں تمہارے آنسو نہیں دیکھ سکتا، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔'' کہتے ہوئے اس نے اپنے لب اس کی آنکھوں پر رکھنے چاہے عتاب کا دل گہرائی میں ڈوب کر ابھرا، زین کا مقصد سمجھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، زین کا بدلا رویہ اور نگاہ و التفات سب سمجھ آنے لگا، پوری طاقت سے اس نے اسے پرے دھکیلا۔

''کیا چاہتے ہیں آپ، میرا استعمال، اسی لئے اتنے دنوں سے مجھ پر، سب سمجھ آ رہا ہے مجھے، اپنے ہی گھر میں نقب لگاتے ہوئے شرم آنی چاہیے آپ کو، بیوہ ہوئی ہوں لیکن بے آسرا نہیں، جو آپ مجھ پر نیت خراب کیے بیٹھے ہیں۔'' وہ آپے سے باہر ہو رہی تھی غم و غصے سے پاگل ہو رہی تھی اور اس کے اس قدر گھٹیا الزام پر زین کا دماغ گھوم گیا، وہ تو اس جذبے سے مغلوب ہو گیا تھا جو وہ اپنے دل میں عتاب کے لئے محسوس کرنے لگا تھا، ابھی اس پر خود بھی واضح نہیں ہوا تھا کہ وہ عتاب زہرا سے محبت کرنے لگا ہے، اس کے بیوہ ہونے کے باوجود اس کی گود میں ایک بچہ ہونے کے باوجود، ہاں محبت جس کے لئے وہ

تڑپتی رہی اپنی جان تک دینے کی کوشش کی مگر تب وہ اسے دھتکار کر چلا گیا، اس کی محبت کو ضد سے مشروط کر کے نارسائی اس کا مقدر بنا گیا، اب جب وہ محبت کے احساس کی منزل طے کرنے لگا تھا تو پھر کوئی اور اسے چھیننے کے درپے تھا، جو فیصلہ وہ طویل عرصے سے نہیں کر پا رہا تھا، وہ اس کی غموں کے بھید چراتی آنکھوں کو دیکھ کر لمحوں میں ہو گیا اس کا جی چاہا تھا اپنی محبت کے ساون میں اس کا ایک ایک غم دھو ڈالے۔

ہاں وقت غلط تھا اور طریقہ بھی وہ بھی اس صورت میں جب ماضی کا حوالہ اختلافات کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا، لیکن اس کے جذبات اور نیت میں کوئی کھوٹ نہ تھی اسی لئے اس نے ایک لمحہ سوچے سمجھے بغیر زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر جڑ دیا۔

''بکواس بند کرو اب اگر ایک بھی بے ہودہ بات کی تو میں تمہارا حشر کر دوں گا۔'' شدید غصے میں اس کا بازو تھامتا وہ حلق کے بل دھاڑا اور گھسیٹتا ہوا اسے باہر لے گیا۔

''چھوڑیں مجھے۔'' وہ چیخی تو اس کی آواز سن کر تائی اور چچی بھی کچن سے برآمد ہوئیں، وہ سیڑھیوں سے اسے گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا۔

''کہاں لے جا رہے ہو اسے؟'' چچی نے پوچھا تو وہ ان سنی کر گیا درحقیقت وہ حواسوں میں کب دکھائی دیتا تھا اس پر تو جیسے جنون سوار تھا وہ کسی کی بھی سنے بغیر گلاس ڈور دھکیل کر ساتھ میں اسے گھسیٹتا اس کی چیخ و پکار اور دہائیوں پر کان لپیٹے اپنی سوچ پر عمل کر چکا تھا۔

☆☆☆

آج چاند رات تھی اور کل عید، اب صبر کا کوئی جواز نہ تھا اور انا کو کیسے سیدھا کرنا تھا وہ خوب جانتا تھا، وہ جب اسے انتہائی غصے میں اسے اپنے ساتھ لے کر گیا تب اس نے عناب سے کورٹ میرج کر لی اور عناب سے تو اس نے زبردستی دستخط لئے، ایسی سچائی اور جذبوں کی صداقت کا ثبوت اس سے بہتر بھلا کیسے پیش کیا جا سکتا تھا، وکیل اس کا دوست تھا لہٰذا باقی کے معاملات اس نے سنبھال لئے اور اسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی، اگر انا کی مرضی کو ملحوظ خاطر رکھتا تو آج عناب کا نام زین سے نہ جڑا ہوتا، ویسے بھی یہاں انا کی مرضی نہیں زین کی محبت کا سوال تھا، ہاں وہ خود غرض بن رہا تھا اس کی موجودگی اس کا ساتھ زین کے لئے خوشی کا باعث تھا تو وہ اپنی خوشی کو ترجیح دیے رہا تھا اسے حاصل کرنے کے لئے اس نے صحیح غلط کا فرق مٹا دیا، چھ سال قبل جس اذیت کی شکار عناب زہرا ہوئی اب اس کا شکار زین عباس ہرگز نہیں بننا چاہتا تھا، وہ اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور اپنے کیے پر اسے پچھتاوا بھی نہ تھا یہی بات عناب کے لئے تکلیف دہ تھی، جب وہ گئی تب عناب زہرا تھی اور جب لوٹی تو مسز زین عباس بن چکی تھی، سب کچھ اس قدر اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا کہ انا شاکڈ رہ گئی، چچی کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی ان کو خوشی تھی کہ زین نے مکمل رضامندی سے پورے شرعی و قانونی حق سے اسے اپنایا، تائی امی کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا، شاید خدا نے انہیں اپنے گناہوں اور زیادتیوں کا کفارہ ادا کرنے کا ایک موقع دیا تھا، وہ جو خود کو انا کی بربادی کا ذمہ دار سمجھتی تھیں جیسے رب کے حضور سرخرو ہو گئیں، شمائل کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا، تین چار روز سے وہ بھی عید کی چھٹیوں میں آ گیا، انا کو بھابھی کہہ کہہ کر خوب چھیڑتا اور غصے میں بھری انا اس کی بیلن سے خوب پٹائی لگاتی۔
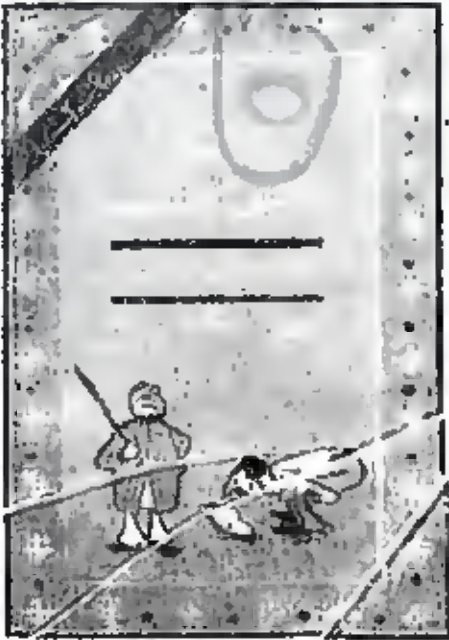
سب اپنی اپنی جگہ مطمئن تھے، اگر کلپ رہی تھی تو عنایب زہرا، جوزین کے فیصلے کو قبول نہیں کر پا رہی تھی، اس نے گزشتہ پانچ روز سے زین سے بات چیت بند کر رکھی تھی وہ اس کے عزائم نہیں جانتی تھی، اتنا بڑا قدم اٹھانے کے پیچھے نجانے کیا ارادہ کارفرما تھا، وہ سوچ سوچ کر ہولتی کیونکہ نکاح کے بعد اسے اب تک زین نے اسے ایک بار بھی مخاطب کرنے یا صفائی دینے کی کوشش نہیں کی، وہ تو جیسے اسے مکمل طور پر فراموش کیے ہوئے اس کی طرف سے کوئی پیش رفت نہ ہوتی ورنہ تو ہر وقت بھنورے کی طرح اس کے آس پاس منڈلاتا رہتا، کوئی صفائی کوئی تجدید عہد نہیں، اس کا دل مزید بھر آیا، دو گرم گرم نمکین پانی کے قطرے اس کے شفاف رخساروں پر پھیل کر نشان چھوڑ گئے، انہی سوچوں میں گھری وہ کمرے میں آئی تو وہ شاہ میر کو کمرے میں نا پا کر وہ حواس باختہ ہوگئی، تمام لوگ سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے، زین کو تو اس نے ابھی تک گھر میں دیکھا ہی نہیں تھا پھر شاہ میر کہاں گیا۔

"شاہ میر!" اس نے کمرے سے نکل کر اسے پکارا۔

زین کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اس نے ایک دفعہ تسلی کرنے کے لئے جھانک کر دیکھا تو سامنے بیڈ پر زین دراز تھا اور اس کے سینے پر بیٹھا شاہ میر موبائل سے کھیل رہا تھا۔

"آپ بھی ... بتا کر تو لاتے میری جان نکل گئی۔" زین کو معلوم تھا اس کے لئے آئے نہ آئے شاہ میر کے لئے ضرور وہ اس کے کمرے میں آئے گی لہذا چپکے سے اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

"مما پاپا چلیے آگئے ہیں" (مما پاپا)

چاکلیٹ لائے ہیں)۔'' اسے دیکھتے ہی شاہ میر نے توتلی زبان سے کہا جس کا ثبوت شاہ میر کے ہونٹوں پر لگی چاکلیٹ تھی۔

''پاپا، کس نے کہا کہ یہ تمہارے پاپا ہیں۔'' وہ طیش میں آکر بولی اور بچے کے سامنے ایسے رویے پر زیر لب مسکراتے زین نے قدرے ناقدانہ انداز میں دیکھا اس کی الزامیہ نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر وہ جزبز ہوگئی۔

''کیا نہیں ہوں میں شاہ میر کا پاپا؟'' شاہ میر کو بڑی احتیاط سے خود پر سے اتار کر اس نے ٹشو سے اس کا منہ صاف کیا اور فیڈر اٹھا کر اس کے منہ میں ڈالا، شاہ میر فیڈر پینے میں مصروف ہوگیا، اس کی اس قدر توجہ اور چاہت پر عناب مزید نادم ہوگئی، پھر اس کی طرف پلٹ کر زین نے پوچھا۔

''آؤ شاہ میر چلیں۔'' اس کا سوال نظر انداز کرتی وہ شاہ میر کی سمت بڑھی اور بازو پھیلائے جبکہ شاہ میر کروٹ بدل کر سائیڈ پر ہوگیا پھر اسے حیران دیکھ کر ہنسنے لگا۔

''واہ میرے شیر، خوش کر دیا پاپا کو۔'' اس کی پیشانی چوم کر زین نے خوشی کا اظہار کیا۔

''لائیں اسے دیں مجھے، یہ تنگ کرے گا آپ کو۔'' شاہ میر کو وہیں پھیلتے دیکھ کر وہ منمنائی۔

''اوں ہوں، تم مجھ سے جو بھی رویہ رکھو لیکن ایک باپ بیٹے کے بیچ تمہاری مداخلت ہرگز برداشت نہیں کروں گا، میں شاہ میر سے محبت تمہاری نسبت نہیں کرتا عناب، تم سے پہلے میں اس سے مانوس ہوا ہوں اسے چاہنے کے لیے مجھے کسی دلیل کسی صفائی کی ضرورت نہیں۔'' وہ اتنی سنجیدگی سے بولا کہ چند لمحے عناب کچھ کہنے کے قابل ہی نہ ہو سکی۔

''تو پھر میری زندگی تماشہ کیوں بنائی آپ نے، جب میں آپ کی زندگی میں شامل نہیں ہونا چاہتی تو پھر کیوں زبردستی کی میرے ساتھ، غصے میں آکر ایک فیصلہ کر لیا اب یقیناً اس پر پچھتا رہے ہوں گے۔'' دل کی دل میں ہی رکھتے رکھتے اس کا دل پھوڑے کی طرح دکھنے لگا تو آج اس کے سامنے پھٹ پڑی۔

''سب مجھ پر ہی کیوں اپنے فیصلے مسلط کرتے ہیں، سب کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کا شوق ہے میں کیا چاہتی ہوں کسی کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔'' وہ جیسے تھک کر ہار گئی تھی مزید احتجاج کی اس میں ہمت نہ تھی، زین اس کی ہر اذیت سمجھتا تھا، اس کے ایک ایک آنسو پر سو بار ندامت کی چھریاں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتی تھیں، مگر اب اظہار کا وقت تھا گزشتہ رویوں کے ازالے کا لمحہ تھا۔

اس نے عناب کو شانوں سے تھاما، لیکن وہ جھٹکے سے پیچھے ہوگئی۔

''کیوں کی مجھ سے شادی، جواب چاہیے مجھے، مزید خار پر مت گھسیٹیں مجھے، میرا ضبط مت آزمائیں، کیا چاہتے ہیں بس اتنا بتائیں۔'' اس کے آگے ہاتھ جوڑے وہ بلک اٹھی اور وہیں کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی۔

''میں تمہیں چاہتا ہوں انا۔'' اس کے قریب بیٹھ کر وہ دھیرے سے بولا، انا کو سب بھول گیا، صرف ایک سرگوشی سماعتوں میں گردش کر رہی تھی، انا بیس سالوں میں پہلی بار اس نے اسے اس قدر چاہت اور اس نام سے پکارا تھا، عناب کو اپنا نام آج سے پہلے اتنا خوبصورت کبھی نہیں لگا تھا، وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

''ہاں انا، تم زین کی انا ہو، تم میری انا ہو۔''

عناب کی ساری مزاحمتیں دم توڑنے لگیں، وہ جیسے

یقین نہیں کر پا رہی تھی، زین نے اس کی آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھی۔

''یقین نہیں آتا نا، لیکن یہی سچ ہے، جسے میرے دل نے محسوس کیا جس کی گواہی میرے دماغ نے دی، جس کی چاہت میرے وجود میں پھیل گئی۔''

''میں یہ نہیں کہوں گا کہ سب بھول کر مجھے اپنا لو، مگر اتنا ضرور کہوں گا انا کہ میں اپنی محبت میں تمہیں اس قدر مصروف کر دوں گا کہ تمہیں کوئی ماضی کا تکلیف دہ لمحہ یاد ہی نہیں آنے دوں گا، مجھے اقرار ہے انا، مجھے تمہارے بغیر گزرا ہر لمحہ ادھورا لگتا ہے، تمہیں دیکھ کر میرے لب مسکراتے ہیں، تم آس پاس رہوں تو میں آسودہ رہتا ہوں، جب سے لوٹا پہلے والا زین عباس کہیں کھو گیا ہے اور اب جو زین عباس ہے وہ تمہیں دیکھ کر جیتا ہے تمہارے ساتھ روتا ہے، تم مجھ سے مزید بدگمان رہو میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

سچائی کے ساتھ کہتا وہ اس کی پانیوں سے بھری انگوری آنکھوں میں جھانک کر بولا، عناب نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھا جن میں پہلی محبت سے دوسری شادی کی داستان رقم تھی، اس تک پہنچنے کا راستہ قسمت نے بہت کٹھن اور تکلیف دہ بنایا تھا اس کا پور پور زخمی ہو چکا تھا وہ تھکن سے چور تھی۔

''نہیں، میں وہ انا نہیں ہوں زین، میں پہلے ہی شادی کے تجربے سے گزر چکی ہوں میں ایک بچے کی ماں ہوں۔'' وہ سمجھ گیا جو وہ کہنا چاہ رہی تھی۔

''مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا، فرق پڑتا تو تم آج میری زندگی میرے نام سے منسوب نہ ہوتیں۔'' اس کے لہجے میں اٹل ارادے اور چٹانوں سی سختی تھی، اس نے چند لمحے

زین کی سچائی صداقت سے، جذبوں سے شرابور محبت کو چھلکتی آنکھوں میں دیکھا اور پھر مکمل خود سپردگی کے احساس سمیت خود کو اس کے حوالے کر دیا، زین کو اس لمحے وہ دھوپ ساون سی لڑکی محبت سے بھی پیاری لگی۔

''آپ بہت برے ہیں، آپ نے مجھے مارا۔'' مضبوط سائبان کی بانہوں میں بکھرتی وہ پیار کا پہلا شکوہ کر گئی۔

''تم باتیں ہی ایسی کرتی ہو۔''

''یعنی آپ آئندہ بھی چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر مجھے ماریں گے۔''

''نہیں اب پیار سے سمجھا دوں گا۔'' وہ جھٹکے سے اس کے حصار سے نکلنے والی تھی جب اس نے حصار تنگ کرتے ہوئے شوخی سے کہا۔

''میں بہت تھک گئی ہوں زین، میں مزید کسی امتحان کے قابل نہیں، میں آپ کو بتا دینا چاہتی ہوں میں بہت کمزور ہوں بہت زیادہ۔'' وہ سسکی، زین کو نئے سرے اس کے غم ستانے لگے۔

''انا کیا تمہیں اب بھی لگ رہا ہے تم کمزور ہو۔'' زین نے اس کے گرد حصار مزید تنگ کیا۔

''نہیں۔'' اس نے اقرار کیا۔

''اب زندگی میں کوئی امتحان نہیں بس خوشیاں ہیں صرف خوشیاں۔'' اس کا چہرہ سامنے لا کر زین نے کہا۔

''شاہ میر سو گیا ہے میں اسے اپنے کمرے میں لے جاتی ہوں میں اسے لے جاؤں۔'' اس کی نظروں میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ اجازت طلب کرنے پر مجبور ہو گئی۔

''اچھا تو میرا دھیان بٹا رہی ہو، لیکن میرا دھیان تو آج صرف تم پر ہے شاہ میر کو بھی یہیں رہنے دو اور خود بھی یہیں رک جاؤ۔'' وہ شوخی

شرارت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

''وہ دیکھیں عید کا چاند، کتنا خوبصورت ہے۔'' اس کی نظر اچانک بالکونی سے جھانکتے ہلال عید پر پڑی تو دیکھنے بھاگی، زین بھی اس کے پیچھے تھا۔

''ہاں واقعی بہت خوبصورت ہے۔'' اس کی پشت پر آکر زین نے دونوں بازو اس کے گرد حمائل کیے اور شانے پر ٹھوڑی ٹکا کر اپنا رخسار اس کے عارض سے مس کیا۔

''انا۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے پکارا۔

''جی۔''

''کل خوب ہار سنگھار کرنا، چوڑیاں بھر بھر کر پہننا، ہاتھوں پر مہندی لگانا، میں تمہیں دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں اور کل مجھ پر کوئی پابندی مت لگانا۔'' اس کے کان میں نرم گرم سرگوشیاں انڈیلتا وہ مکمل موڈ میں تھا۔

''لیکن۔'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''معاشرہ کیا کہتا ہے اس کی پرواہ مت کرو صرف میری پرواہ کرو۔'' اس نے تنبیہ کی، تو وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

''زین!''

''جی زین کی جان۔''

''آج میں اپنے روم میں سو جاؤں۔'' اس کی طرف پلٹ کر وہ سراسیمہ سی بولی۔

''خواہش مشکل ہے لیکن تمہاری آرزو ہے تو نو پرابلم، لیکن کل کوئی رعایت نہیں ملے گی۔'' اس کی کھلی ڈھلی باتوں پر انا خوب جھینپ گئی، اس کے چہرے کے ساتھ ساتھ کان کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں، وہ شرما کر پلٹنے لگی جب اس نے بڑھ کر کلائی تھام لی۔

''ایک بات تو رہ ہی گئی۔''

''کیا؟''

''چاندرات مبارک۔''

''آپ کو بھی۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''انا مجھ سے پیار کرتی ہو نا پہلے کی طرح، بالکل ویسا جیسا چھ سال قبل کرتی تھی۔'' روشن نگاہوں کے دیئے اظہار کے متمنی تھے۔

''نہیں۔'' وہ حیران رہ گیا اس کے انکار پر، زین نے اس کے چہرے پر شرارت تلاش کرنی چاہی مگر وہ مکمل سنجیدہ تھی، بے چینی اس کے نقش نقش میں پھیل گئی۔

''بلکہ اس سے بھی زیادہ۔'' اس کے چہرے کی بدلتی رنگت دیکھ کر وہ کھلکھلائی اور وہاں سے بھاگ گئی، کل عید تھی اور ان کے ولیمے کی تقریب بھی جو زین کی خواہش پر منعقد کیا جا رہا تھا، اس کے جواب نے زین کو اندر تک شانت کر دیا، وہ سر تا پیر سرشاری سے بھیگ گیا، اس نے مسکراتے ہوئے بالوں میں ہاتھ چلایا اور شاہ میر سے لپٹ کر لیٹ گیا، دور کہیں آسمانوں میں ڈھلتے ہلال عید نے اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا مانگی تھی ستاروں نے آمین کہا اور مسکراتے ہوئے چاند کی روشنی سے کھیلنے لگے۔

☆☆☆

میں حبیب ہوں

مریم ماہ منیر

میں حبیب ہوں اور یہ میری کہانی ہے، یہ کہانی کل ملا کر چار کرداروں کے گرد گھومتی ہے، چوتھا کردار جو بہت بعد میں اس کہانی کا حصہ بنتا ہے بہرحال کہانی کی ابتدا ہو یا پھر اختتام ہر کردار کی اپنی جگہ اہمیت مسلم ہے، اسی انداز میں جیسے زندگی میں ہر گزرتے پل کی اہمیت اپنی جگہ قائم ہوتی ہے۔

کہانی کی شروعات مجھ سے ہوئی، یعنی کہ حبیب کی زندگی سے، حبیب کی زندگی پر بات کی جائے تو وہ حبیب جیسی ہی رہی، بالکل اپنے نام کی طرح، دوست احباب میں بچپن سے جوانی میں قدم رکھا تو نوجوانی کی لاپرواہی کو حبیب بنا لیا، کچھ عرصہ گزرا تو دوست احباب نے سگریٹ سے دوستی کرا دی، کتنے ہی پل یاد ہیں جب ابا نے گھر سے فیس کے پیسے جمع کرانے کو دیئے اور دوست احباب کے ساتھ کالج کیفے ٹریا اڑا دیئے۔

کتنی ہی شامیں پڑھائی کے نام پر کرکٹ کھیلتے گزاریں اور کتنی ہی راتیں Combined study کے نام پر سینما کے لیٹ نائٹ شو میں فلم دیکھ کر بتائیں، ابا کا خیال تھا مجھے ایم بی اے کرانے کا، لیکن نوجوانی کے نشے میں میں مشکل سے بی اے ہی کر پایا اسی پر بھی میرے اماں ابا نے شکر ادا کیا، ابا نے تو دبے لفظوں میں ایم اے کرنے کا کہا لیکن میں نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا ساتھ ہی سمجھا دیا کہ ابا کو بھی کہیں کہہ دل سے یہ بات نکال دیں۔

"لیکن حبیب بیٹا میرا بھی دل تھا کہ ایم اے کر لیتا۔" آہستہ آواز میں اماں نے اپنے دل کی خواہش بیان کی۔

"ہوں تو پھر آپ یہ بھی اپنے دل کو سمجھا لیں کہ میں اب مزید نہیں پڑھوں گا، بس پڑھ لیا جتنا پڑھنا تھا۔" میں خاصا جھنجلایا ہوا تھا، پڑھائی سے عاجز۔

"اچھا جیسے مرضی۔" اماں نے میری بات پر سر تسلیم خم کیا آخر اکلوتا بیٹا جو تھا۔

"اماں میں نوکری کروں گا اور آپ ابا کو بھی کہہ دیں کہ مزید میری پڑھائی کا خیال دل سے نکال دیں، اب میں نے ساری عمر پڑھتے تھوڑی رہنا ہے، میرا ابھی دل ہے کہ میں نوکری کروں اور اپنا کماؤں۔"

بی اے تک بڑی مشکل سے پڑھائی اور اپنا ساتھ چلا، گویا دشمنی ہی تھی، لیکن اس سے زیادہ اس دشمنی کا ساتھ قبول نہ تھا، سو بی اے تک تعلیم حاصل کر کے پڑھائی کو خیر آباد کہہ دیا اور نوکری کی تلاش شروع کر دی۔

اس معاشرے میں ڈگری ہولڈر جوتے چٹخاتے ہیں تو پھر میں تو صرف بی اے تھا، اتنی تعلیم کے ساتھ اچھی نوکری جوئے شیر لانے کے مترادف تھی۔

کئی آفسوں کے دھکے کھانے کے بعد ایک مقامی ایجنسی میں بی اے کی جاب ایسے تھا گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو، لیکن اس نوکری کی مدت دو ماہ سے زیادہ نہ رہ سکی۔

لاپرواہ اور غیر ذمہ دارانہ فطرت کی بنا پر اس نوکری سے نکالا گیا اور اس کے بعد مزید دو نوکریوں سے فارغ ہونے کے بعد سارا قصور سوسائٹی کے غلط اور غیر منصفانہ نظام پر ڈالتے ہوئے میں نے بزنس کرنے کا فیصلہ کیا۔

"بزنس کے لئے پیسہ چاہیے ہوتا۔" اماں نے میرا ارادہ سنتے ہی کہا۔

"جی معلوم ہے۔"

"تو کہاں سے آئے گا پیسہ؟" انہوں نے پوچھا۔

''بینک لون۔'' میں ذہن میں پہلے سے پلان کیے بیٹھا تھا، جواب میں اماں خاموش ہو گئیں لیکن اماں کے خاموش ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ابا بھی چپ رہتے۔

جن سوالات کی شروعات اماں نے کی تھی اس سوالنامہ کے مزید سوال ابا نے کیے۔

''بینک ایسے ہی لون نہیں دے دیتے، کچھ ان کے پاس رکھنا پڑتا ہے۔'' ابا نے جیسے میری معلومات میں اضافہ کرنا چاہا اور میں تو اس بات کے لیے پہلے سے تیار تھا فوراً بول اٹھا۔

''تو ہے نا یہ گھر۔'' میری بات پر ابا کے ساتھ اماں نے بھی چونک کر مجھے دیکھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔'' ابا گرج کر بولے۔

''بس ابا میں نے بزنس کرنا ہے اور اس کے لیے مجھے بینک لون لینا ہے۔''

''بزنس میں پیسہ ڈبو دے گا اور ہمیں فٹ پاتھ پر لا بٹھائے گا۔'' اس مرتبہ بھی ابا کے غصے کا گراف اونچا تھا، اس دن تو بات رفع دفع ہو گئی لیکن جب مجھ بزنس کے معاملے میں ربضد دیکھا اور قدرے سنجیدہ بھی تو ابا بھی مان گئے۔

''بزنس کس چیز کا کرنا ہے؟''

''کپڑے کا، گارمنٹس۔'' میں نے مختصراً الفاظ میں بتایا۔

''کوئی تجربہ ہے نہیں تمہیں، بزنس ایسے ہی تو نہیں چل جاتے۔'' ابا نے رسان سے سمجھانے کی کوشش کی، آخر کو جوان اولاد تھی۔

''ہر کسی کو لگا لگایا بزنس نہیں ملتا۔'' میرا دو ٹوک جواب تھا۔

''لیکن وہ لوگ محنتی ہوتے ہیں لگن کے پکے، تم سے پڑھائی ہوئی نہیں، نوکری تم دو سے تین ماہ تک کر نہیں سکے، تو بزنس میں نقصان کرو گے، میں کس امید پر اپنا گھر گروی رکھوا کر بینک لون لوں، اگر تم یہاں بھی دو ماہ سے زیادہ نہ چل سکے تو کون لوٹائے گا بینک لون۔'' ابا کے کہنے میں سوال، تفتیش، طنز بہت سے جذبات اکٹھے ہو گئے تھے۔

''بس میں نہیں جانتا، میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے گارمنٹس کا کاروبار کرنے کا۔'' میں نے ہر طرح کا لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے بات پوری کی اور زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے گھر سے باہر نکل آیا۔

میری ضد کے آگے ہار مان کر ابا نے بینک لون لیا، لیکن اس شرط پر کہ میں بزنس کے سلسلے میں جہاں جہاں پیسہ انویسٹ کروں گا انہیں اس کی باقاعدہ اطلاع کروں گا اور وہ یک مشت میرے ہاتھ میں پیسہ نہیں پکڑا دیں گے، آہستہ آہستہ کام کے اعتبار سے دیں گے، شاید ابا کے دل میں یہ بات کھب گئی تھی کہ میں پیسے کے معاملے میں لاپرواہ ہوں، ان کے ذہن سے ابھی تک کالج فیس دوستوں میں اڑانے کے واقعات تازہ تھے۔

میں ابا کی ان شرائط پر تلملایا لیکن مجھے بات ماننی پڑی، کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

لیکن ابا کے خدشات کے برعکس میں نے بزنس کیا، بہت پیسہ نہیں کما سکا لیکن گزر اوقات اچھی ہونے لگی، اماں ابا نے بھی شکر کیا کہ میں نے کسی کام میں تو دلچسپی دکھائی۔

میرا کاروبار جمتے ہی اماں ابا نے میری زندگی کی ڈوریاں عزت کے ہاتھ دینے کا فیصلہ کیا، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوا، شاید میری زندگی میں ایک فیصلہ میرے اماں ابا نے کیا جس کے خلاف ایک بھی لفظ نہیں بول پایا۔

عزت کے ساتھ زندگی اچھی گزر رہی تھی،

سکون تھا لیکن ایک دن نجانے عزت کو بیٹھے بٹھائے نوکری کی سوجی، میں نے آپ کو پہلے بتایا نہیں کہ عزت ایم بی اے تھی، بلکہ جب میری اس سے شادی ہوئی تو اس نے ایم بی اے کمپلیٹ نہیں کیا تھا، ایک آخری سمسٹر رہتا تھا، میری اس یقین دہانی کے بعد کہ میں اسے پڑھنے سے منع نہیں کروں گا تبھی وہ فائنل امتحان سے پہلے مجھ سے شادی پہ راضی ہوئی تھی۔

میں خود نہیں پڑھ سکا لیکن تعلیم کی اہمیت کو جانتا تھا، لیکن اب کو جیسے وقت گزر گیا تھا، ذریعہ معاش کے چکر نے ذہن کو اور بہت سی سوچوں سے بھر دیا تھا، یوں تو عزت نے بھی مجھے پرائیوٹ ایم اے پر قائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے ہی اس کی باتوں کو سیریس نہ لیا۔

☆☆☆

مجھے اچھی طرح یاد ہے اسی دن وہ مجھے نظر آئی تھی، پہلی مرتبہ زندگی میں اس سے ملاقات ہو رہی تھی، سنا بہت تھا اس کے بارے میں لیکن جان پہچان نہ تھی، میں عزت سے جھگڑ کر گھر سے باہر نکل آیا تھا، بہت دن سے وہ میرے ایم اے کرنے کے لئے مجھے راضی کرنے پر لگی ہوئی تھی، بحث ہوتے ہوتے بات لڑائی تک پہنچ گئی اور میں گاڑی کی چابی اٹھائے گھر سے نکل آیا، بلاوجہ سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے میں نے قریبی پارک کی جانب گاڑی کا رخ کیا، شام کا وقت تھا پارک میں مقامی لوگوں کی خاصی تعداد موجود تھی، شام کے اس پہر بچے بڑے سبھی پارک میں موجود اپنی اپنی دلچسپی میں مشغول تھے، جاگنگ ٹریک پر صحت کی فکر میں غلطاں لوگ واک اور جاگنگ کرتے نظر آرہے تھے اور جھولوں پر بچے قبضہ جمائے ہوئے تھے، جوان دونوں مقام پر موجود نہ تھے وہ پارک کی گھاس پر چہل قدمی کر رہے تھے یا

پھر گروپ کی صورت میں گھاس پر بنچوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔

میں بھی ایک خالی بینچ دیکھ کر اس پر بیٹھا ہی تھا کہ مجھے میرے عقب سے آواز سنائی دی۔

''کیسے ہو حبیب؟'' میرے دائیں کندھے پر کسی ہاتھ کا بوجھ پڑا، میں نے مڑ کر دیکھا وہ میرا کالج کا دوست زلفی تھا۔

''سناؤ زلفی تم کیسے ہو؟'' میں نے بھی اسی گرم جوشی سے جواب دیا اور اٹھ کر بینچ سے اس کے گلے لگا۔

''میں تو ٹھیک ہوں، تم سناؤ کیسی چل رہی ہے، سنا ہے شادی کر لی ہے؟''

''ہاں بس کر لی شادی۔'' میں نے خوش دلی سے مسکرا کر کہا۔

''کوئی سدھرا ہے شادی کے بعد یا پھر وہی زندگی اور زندگی کے مزے۔'' Just wol and chill والا موٹو، میرے قریب بینچ پر بیٹھتے ہوئے وہ مجھ سے ہنستے ہوئے بولا۔

''ارے نہیں، اب کافی نہیں بلکہ بہت سدھر گیا ہوں، اپنا بزنس بھی ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے اور پھر اب تمہاری بھابھی نے بھی ایم بی اے کمپلیٹ کر لیا ہے، جاب ڈھونڈ رہی ہے۔'' میں نے قدرے اونچی آواز میں ہنستے ہوئے جواب دیا اور اس کی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

''کیا مطلب؟ بھابھی ایم بی اے ہیں۔'' اس نے استفسار کیا۔

''ہاں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''واہ کیا قسمت ہے تیری، بی اے پاس کو ایم بی اے ملی، کیا بات ہے جناب تیری۔'' اس نے اپنا دایاں ہاتھ ہوا میں لہرا کر بڑے انداز سے کہا، میں مزید کھل کر مسکرایا، وہیں باتیں کرتے ہوئے وہ میرے سامنے سے گزری تھی،

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف　　ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ　　ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ　　ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

i. Open Paksociety Page.
ii.Click Liked.
iii.Select Get Notifications.
iv.Select See First.
All Done

Liked　Message
Get Notifications
Add to Interest Lists...
Unlike
IN YOUR NEWS FEED
See First
See new posts at the top of News Feed
Default
See posts as usual
Unfollow

پہلی مرتبہ ایک جھلک کی صورت۔
''اور کیا ہو رہا ہے آج کل، کیسا وقت گزر رہا ہے؟''
''کرم ہے مولا کا، اور تم کیا کر رہے ہو؟''
''میرے وہی شب و روز اور میری چھوڑ، یہ بتا یہ ابھی تو نے بھابھی کی نوکری والی بات کی۔''
میرے سوال کا جواب نظر انداز کر کے بلکہ کہنا بہتر ہوگا کہ میری بات پلٹ کر اس نے مجھ سے سوال کیا۔
''ہاں، ایک دو پرائیوٹ کمپنیز کو سی وی دیئے ہیں اس نے، دیکھو کب تک کال لیٹر ملتا ہے۔'' میں نے سادہ سے الفاظ میں اس کی بات کا جواب دیا۔
''کیوں تیرا بزنس ٹھیک نہیں چل رہا؟'' اس مرتبہ اس کے لہجے میں کھوج تھی۔
''ٹھیک ہے بتایا تو ہے میں نے، اچھی خاصی گزر بسر ہو جاتی ہے۔'' میرا انداز ہنوز تھا، میں نے اس کے لہجے میں چھپے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔
''تو پھر بھابھی کی جاب کی کوششیں، گھر میں تو سب ٹھیک ہے آئی مین کوئی مالی مسئلہ۔'' میری بات کے جواب میں اس نے مزید سوال کیا، وہ بھی ذاتی قسم کا۔
''نہیں یار، گھر پر اکیلی ہوتی ہے، ای کے ساتھ بھی کتنی باتیں کرے تو اس کا شوق تھا تو میں نے اجازت دے دی۔'' میں نے بھی زلفی کے انداز پر خاص توجہ نہ دی، آخر کو کالج کے زمانے کا دوست تھا۔
''اچھا، ویسے تیری غیرت اجازت دیتی ہے تو ٹھیک ہے نہیں تو بیوی زیادہ تعلیم یافتہ ہو تو مسئلہ ہی ہوتا ہے اوپر سے چار پیسے کمانے لگے تو دماغ عرش معلٰی پر پہنچ جاتا ہے۔'' میری بات کے جواب میں زلفی نے تبصرہ کیا۔
زلفی نے ابھی اپنی بات پوری ہی کی تھی کہ ایک مرتبہ پھر میری نظروں کے سامنے سے وہ گزری تھی، اس مرتبہ وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی، پہلی مرتبہ میں نے اس کے دیکھنے کا کچھ خاص نوٹس نہیں لیا لیکن دوسری مرتبہ میں اسے نظر انداز نہیں کر پایا تھا، زلفی نے بھی مجھے اپنے آپ میں گم پایا تو بولا۔
''کیا ہوا حبیب؟ کسے دیکھ رہے ہو؟''
''ہوں...... نہیں تو...... کچھ نہیں۔'' میں ہلکایا۔
''اچھا یار میں چلتا ہوں، میں روز یہاں آتا ہوں شام میں واک کے لئے، صحت بہتر رہتی ہے اور کچھ پارک کی کھلی پرفضا ماحول ذہن کو بھی تر و تازہ کر دیتے ہیں، پھر زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔'' میں نے ہونٹوں پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائی کہ ذہن تو کسی اور طرف کو اٹک گیا تھا، زلفی بھی بینچ سے اٹھ کر جاگنگ ٹریک کی جانب بڑھا۔
''بھابھی کی جاب کی پہلی تنخواہ کی ٹریٹ دینا نہ بھولنا۔'' کچھ قدم چل کر زلفی رکا پھر مڑ کر بولا، میں اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک مترنم ملائم سے قہقہہ کی آواز میرے کانوں کے پردوں سے ٹکرائی، ساتھ ہی ایک آنچل میری نظروں کے سامنے لہرایا۔
''ہوں، تو جناب کا نام حبیب ہے۔'' وہ میرے قریب بینچ پر بیٹھتے ہوئے بولی، میں جواب میں خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔
''تو بیگم کو جاب کرانے کا ارادہ ہے۔'' نہایت ہی بے تکلفی تھی لہجے میں، میں اس بے تکلفی پر اسے ٹوکنا ہی چاہتا تھا کہ وہ بول اٹھی۔
''حیران ہونا، کہ میں کون ہوں؟'' اس کا

لہجہ معانی خیز تھا۔
''ہوں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔
''نہ جان نہ پہچان پھر بھی گلے کا ہار ہوئی جا رہی ہوں، پریشان ہو؟'' پتہ نہیں اس نے سوال کیا تھا یا میرے ذہن سے اٹھنے والی سوچوں کو الفاظ کا روپ دیا تھا۔
''میں اجنبی لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔'' میرا خاصا لیا دیا انداز تھا۔
''میں تمہارے لئے اجنبی سہی لیکن تم میرے لئے اجنبی نہیں ہو۔'' جواب آیا تھا۔
''آپ اگر برا نہ مانیں تو اپنے بارے میں بتانا پسند کریں گئیں۔'' میرے انداز میں روکھا پن تھا، جواب میں ایک مرتبہ پھر سے وہی مترنم قہقہہ میرے کانوں کے پردوں سے ٹکرایا جو کچھ دیر پہلے مجھے سنائی دیا تھا۔
''میں انا ہوں، انا نام ہے میرا، یہیں قریب میں رہتی ہوں۔'' اس کے لبوں پہ چھائی مسکراہٹ خاصی دلفریب تھی۔
''قریب کہاں؟ کس ایریا میں؟'' میں نے پوچھا۔
''کہا ناں، قریب ہی ہے میرا گھر۔''
''پھر بھی کوئی بلاک نمبر؟ گھر کا بھی کوئی نمبر تو ہوگا نا؟'' میرا اگلا سوال تھا۔
''تم پوچھ کر کیا کرو گے؟'' وہ مشکوک انداز میں میری جانب دیکھتے ہوئے بولی تو ایک پل کو میں اپنی جگہ پر شرمندہ ہو گیا، بے دھیانی میں مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ ہماری سوسائٹی میں پہلی ملاقات میں کسی مرد کا کسی عورت سے گھر کا اتا پتہ پوچھنا خاصا معیوب سمجھا جاتا ہے، اس کا انداز نارمل تھا، اس کی جگہ پر کوئی بھی لڑکی ہوتی تو وہ ایسے ہی ریکٹ کرتی۔
''معاف کرنا انا جی! مجھے اس طرح پوچھنا نہیں چاہیے تھا۔''
''اٹس اوکے۔'' اس نے میرے تفتیشی انداز کو اگنور کرتے ہوئے کہا، جواب میں ہلکی سی دوستانہ مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر ابھر آئی۔
''ویسے مجھے اچھا لگا۔'' وہ ادا دلربائی سے بولی۔
''کیا؟'' میں نے پوچھا۔
''خود کو انا جی کہلانا۔'' اس کا انداز ہنوز تھا، میں نے یکا یک اس کی جانب نظر کی، کچھ ایسا پوشیدہ تھا اس کے وجود میں جس نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا تھا، میں پہلی ملاقات کے آخر میں جب اس کے پاس سے اٹھ کر واپس گھر آیا تو میری گردن فخر سے تنی ہوئی تھی، میں عجیب سے احساس کو اپنے پورے وجود میں سرائیت کرتا محسوس کر رہا تھا جس نے میری روح تک کو اپنی خوشبو سے سیراب کر دیا تھا، وہ میری اور عزت کی شادی شدہ زندگی کا پہلا موقع تھا جب پورا ایک دن ہم نے قطع کلامی رکھی۔

☆☆☆

اور پھر میں نے عزت کی جاب پر انکار کر دیا تھا، عزت ہی نہیں بلکہ اماں بھی اس بات سے پریشان تھیں کہ آخر ایسی کیا بات ہوئی ہے جس پر یوں اچانک بیٹھے بٹھائے میں نے حکم صادر کر دیا ہے۔
''کوئی ضرورت نہیں ہے بلاوجہ آفسوں کے دھکے کھانے کی۔''
''سارا دن گھر پر بور ہو جاتی ہوں۔'' عزت نے مجھے قائل کرنا چاہا۔
''تو اماں کے ساتھ گھر کے کاموں میں دلچسپی لو۔'' میرے لہجے میں خاصی خشکی در آئی تھی۔
''بہت کام کرواتی ہے میرے ساتھ۔''

اماں بھی اس کی حمایت میں بولی تھیں۔

''شریفوں کی طرح گھر میں بیٹھو، مجھے عورتوں کا فضول میں باہر پھرنا پسند نہیں ہے۔'' اماں کا اس حمایت میں بولنا مجھے خاصا ناگوار گزرا اور میرے لہجے کی سختی میں مزید اضافہ ہوا۔

''نہیں، یہ بیٹھے بٹھائے کیا سوجی، بلکہ کہاں کی سوجی، کل تک تو خود آپ کا خیال تھا کہ مجھے گھر بیٹھ کر اپنی ڈگری کو برباد نہیں کرنا چاہیے، بلکہ چولہے میں نہیں جھونکنا چاہیے پھر یہ کایا پلٹ۔'' عزت میرے انداز و لہجے پر حیران پریشان تھی۔

''تمہیں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ، ویسے بھی تم نے آج تک جو بھی فرمائش کی ہے جلد نہیں تو بدیر میں نے پوری کی ہے، تو کیا ضرورت ہے جاب کی، گھر بیٹھو انجوائے کرو لائف کو۔''

''میرا دماغ پاگل ہو گیا ہے گھر میں بند رہ کے۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عزت کی جھنجھلائی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

''تو اپنے دماغ کو خود ہی سیٹ کرو، میں نے کہہ دیا ہے جب جاب نہیں کرنی تو نہیں کرنی، اب میں فضول میں کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔'' میرا لہجہ حتمی تھا۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو، اچھا بھلا تو مانے تھے میری جاب پہ، اب یکا یک کیوں انکاری ہو رہے ہیں، کہیں کسی دوست کے کہنے میں تو نہیں آ گئے۔'' اب کی بار عزت جھنجھلائی تو میں بے ارادہ ہی نظریں پھیر گیا، دل کا چور تھا جو اس نے پکڑا تھا لیکن بات انا کی تھی، میں اس کا نام کیوں لیتا، اس کا نام لینا گویا ایک نئے فساد کی محاذ آرائی کی شروعات تھی اس لئے مصلحت اسی میں جانی کہ خاموش رہتا، سو میں چپ شاہ کا روزہ رکھے رہا، لیکن عزت کے جاب نہ کرنے کا فیصلہ اٹل تھا۔

یوں تو میری انا سے ملاقات روز نہیں ہوئی تھی لیکن ہفتے میں ایک آدھ بار ہو جاتی تھی، شروع میں تو بات گھر والوں سے چھپی رہی لیکن کہاں تک ایسی باتیں چھپی رہ سکتی ہیں، آخر ایک دن تو بات کھلنی تھی، ایک دن تو میری اور انا کی دوستی کا علم ہونا تھا عزت کو، جہاں پر عزت نے گھر میں واویلا مچایا وہیں پر ابا اور اماں نے بھی اختلاف رائے کیا۔

اماں ابا سے میرا موقف تھا کہ انا میری دوست ہے صرف اچھی دوست اور ابا اماں کا کہنا تھا کہ حبیب اور عزت کے درمیان انا کا آنا مسئلہ کی شروعات ہے جس کا انجام خوشگوار نہیں، دوسری جانب عزت کسی طور مان ہی نہیں رہی تھی کہ وہ حبیب کے ساتھ کسی انا کی دوستی کو ذہنی طور پر قبول نہیں کر رہی تھی۔

میری صحت پر اماں ابا اور عزت کے کسی بھی بیان اور ناراضگی کا رتی بھر بھی اثر نہیں ہوا، البتہ انا کی دوستی نے میری صحت پر خاصا مثبت اثر ڈالا تھا، اس ساری کہانی کا انجام گھر کے خراب ماحول کی صورت میں سامنے آیا۔

میں کیا کر سکتا تھا؟ دل تھا کہ انا کی دوستی کو بے قرار تھا اور ذہن کبھی کبھی احساس دلاتا تھا کہ انا کو حبیب اور عزت کی زندگی سے نکل جانا چاہیے، لیکن میں نے بھی جیسے فیصلہ کر لیا تھا بلکہ ذہن پر دل کی آواز کو فوقیت دوں گا، انا ہم دونوں کی زندگی سے کیا نکلتی کہ اسی دوران میں چاہت ہم دونوں کی زندگی میں چلی آئی، ہم دونوں چاہت کی صورت میں سکون کی تلاش میں پھر سے ایک دوسرے کے قریب آنے لگے۔

چاہت کی کلکاریوں سے گھر کے ٹینس ماحول میں خاصا خوشگوار اثر ہوا تھا، چاہت میری

زندگی کی کہانی کا چوتھا کردار تھی، چاہت میں گم رہ کر میں انا سے خاصا دور ہٹ گیا تھا، اب بزنس سے گھر آکر میں باقی ٹائم چاہت کے ساتھ بتانے لگا۔

شروع میں انا نے شکوہ کرنا چاہا لیکن میں چاہت کے وجود میں اس قدر گم ہو گیا کہ مجھے انا کی ناراضگی کی بھی پرواہ نہیں رہی تھی۔

اب میرے اور عزت کے درمیان انا کو لے کر جھگڑے بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے، مجھے چاہت کی ذات میں گم دیکھ کر عزت کو بھی میری جانب سے بے فکری ہونے لگی تھی اور اماں ابا نے بھی جیسے سکھ کا سانس لیا تھا، چاہت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑی ہو رہی تھی۔

چاہت کی معصوم باتیں اور شرارتیں ہم سب کو اپنے حصار میں لئے رکھتیں، حبیب، عزت اماں ابا اور چاہت، ہمارا گھر ایک مرتبہ پھر سے مکمل ہو گیا تھا اور اس سب کا کریڈٹ چاہت کو جاتا تھا، وہ بات جو اماں ابا مجھے نہ سمجھا سکے وہ چاہت نے سکھا دی۔

انا کے وجود سے میں بالکل ہی غافل ہو چلا تھا کہ انا پھر سے ہماری زندگی میں چلی آئی، اس مرتبہ وہ حبیب کی ناراضگی میں نہیں بالکل گھر تک چلی آئی تھی، مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس دن دروازے پر بیل ہونے پر میں دروازہ کھولوں گا اور مجھے انا دروازے میں کھڑی نظر آئے گی۔

بات چاہت کو سکول داخل کروانے کی تھی، میرا خیال تھا کہ اسے ایک سال تک محلے میں قائم سکول میں داخل کروایا جائے تا کہ وہ گھر کے قریب ہی رہے، کسی وقت بھی اس کا دل کرے تو عزت جا کر اسے گھر لے آئے، گھر سے دور سکول ہوتا تو تو یہ ممکن نہیں تھا، بات یہیں تک ہوتی تو مسئلہ نہ تھا، اصل بات تھی کہ اسکول اردو میڈیم تھا اور عزت اور اس کے والدین کا خیال تھا کہ چاہت کو انگلش میڈیم سکول میں داخل کروانا چاہیے تا کہ اسے شروع سے ہی پڑھائی میں مضبوط بنیاد مل سکے۔

لیکن میں چاہت کی محبت میں اس قدر غرق تھا کہ میں یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ اتنی چھوٹی سی بچی کو میں گھر سے اتنی دور بھیج دوں، بات بحث سے ہوتی ہوئی لڑائی جھگڑے تک جا پہنچی اور اتنی بات بڑھی کہ عزت کے والدین کو اس معاملے میں آنا پڑا۔

وہ اسی مسئلے کے حل کے لئے گھر آئے تھے، بیل بجنے پر میں دروازہ کھولنے گیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کے ساتھ انا بھی ہوگی، انا کی وجہ سے تو میرے اور عزت کے درمیان ماضی میں کافی فاصلے پیدا ہوئے تھے اور عزت کے والدین کا انا سے غائبانہ تعارف بھی تھا، پھر وہ کیسے ان کے ساتھ چلی آئی؟ چند لمحوں میں ہی پتہ چلا کہ وہ ان کے ساتھ نہیں آئی تھی بلکہ وہ خود آئی تھی، میں کافی عرصے سے پارک بھی نہیں جا رہا تھا تو میری فکر میں وہ گھر تک چلی آئی، میں نے دروازے سے عزت کے والدین کو اندر جانے کو کہا اور انا کو وہیں دروازے سے چلتا کر دیا، یہ الگ بات کہ وہ وہاں سے چلے جانے کے بعد بھی جب تک عزت کے والدین گھر پر موجود رہے میرے ذہن پر انا سوار رہی، میرے ذہن کو اپنے خوشبو کے مست حصار میں لئے رہی۔

ہمیشہ کی طرح بات میری ہی مانی گئی، چاہت کو گھر کے قریبی سکول میں داخل کروایا گیا، لیکن اس مرتبہ عزت ایک ماہ تک میرے ساتھ خفا رہی، اس دوران انا ایک مرتبہ پھر سے میرے قریب آ چکی تھی، لیکن اس کا نشہ ماضی سے خاصا کم ہو چکا تھا۔

زندگی کے گرم سرد بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے، زیست کی ناؤ خاصی پرسکون پانی میں بہہ رہی تھی کہ میرے کار ایکسیڈنٹ نے میری زیست کی ناؤ کو ایک مرتبہ طوفان کے بیچ و بیچ لا کھڑا کیا، ایک دن شام میں آفس سے گھر واپس آتے ہوئے میں گھر کی روزمرہ کی اشیاء انڈے، بریڈ، لینے ایک بیکری گیا، بیکری کے سامنے پارکنگ میں گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ نہیں تھی اس لئے سڑک کے دوسری جانب گاڑی پارک کر کے پیدل سڑک کراس کر رہا تھا کہ ایک تیز رفتار موٹر بائیک پر سوار تین اجڈ لڑکوں نے موٹر بائیک میرے پر چڑھا دی، نتیجتاً میں ہسپتال جا پہنچا اور پھر گھر واپس آیا تو بائیں ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ئے تین ماہ تک کے لئے بستر کا ہو کر رہ گیا، بائیں ٹانگ کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹی تھی، جسے سٹینل کی پلیٹ ڈال کر جوڑا گیا تھا اور تین ماہ بعد میرا پلاسٹر اترنا تھا۔

بستر پر پڑے رہ کر میں دو ہفتوں میں ہی تنگ آ گیا تھا، طبیعت میں چڑچڑا پن عود کر آیا تھا، بزنس الگ برباد ہو رہا تھا کوئی سنبھالنے والا نہ تھا، اس برے وقت میں عزت کی ڈگری کام آئی تھی، بہن بھائی تھا نہیں ابا کی ساری زندگی سرکاری نوکری میں گزری تھی، انہیں بزنس کی ڈیلینگ کی کوئی خاص شدبد نہیں تھی، بس یہی جو مجھے دیکھتے رہتے تھے یا کبھی میں ان سے اپنے بزنس کے مسائل ڈسکس کر لیا کرتا تھا، تو اس برے وقت میں عزت نے جس بہادری اور ہمت سے میرے کاروبار کو سنبھالا میں دنوں میں ہی اس کی صلاحیتوں کا معترف ہو گیا، وہ گھر بھی دیکھتی چاہت کا بھی خیال رکھتی اور ساتھ میں بزنس سنبھالنے کے ساتھ مجھے بھی سنبھالتی کہ میں کبھی بھی شرمندہ ہو جاتا، میں اسے صبح سے شام تک گھر سے آفس اور پھر آفس سے گھر، گھر اور آفس کے کام نمٹاتے دیکھتا، کبھی اس بات کا اظہار کرتا تو وہ ہنس کے ٹال جاتی۔

گو کہ اماں بھی ساتھ میں خاصی مدد کرتی تھیں اور گھر کے اوپری کاموں کے لئے نوکرانی بھی رکھی ہوئی تھی اس کے باوجود عزت پر کام کا خاصا دباؤ تھا، لیکن وہ کسی بھی شکوہ کے بنا خوش اصلوبی سے اپنے کام نمٹاتی رہتی، اسی دوران میں، میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا کہ میں جب بھی دوبارہ قدموں پر کھڑا ہو کر بزنس سنبھالوں گا اس مرتبہ عزت بھی میرے ساتھ ہو گی، ویسے بھی چاہت اب خاصی بڑی ہو گئی تھی۔

یہ زندگی کا وہ دور تھا جب مجھے قدرت نے اپنے انداز میں عزت اور انا کے فرق کو سمجھایا تھا، میری بیماری کے دوران انا میرے سے ملنے ایک مرتبہ آئی اس شام جب عزت نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ میری جگہ پر بزنس سنبھالے گی، جب تک میں ٹھیک نہیں ہو جاتا، لیکن اس مرتبہ میں نے انا کی لگائی بجھائی پر ذرا بھی کان نہیں دھرے، اس نے دبے لفظوں میں عزت کے فیصلے کی مخالفت کی تھی لیکن اس مرتبہ میں نے اسے بری طرح سے جھڑک دیا اور صاف الفاظ میں اسے گھر سے نکل جانے کو کہا۔

انا ہکا بکا حبیب کے ہاتھوں اپنی بے عزتی برداشت کرتی رہی اور جب اس کی برداشت سے باہر ہوا تو اٹھ کھڑی ہوئی، کبھی نہ آنے کا کہہ کر گھر سے چلی گئی، اس کے گھر سے نکلتے ہی اماں میرے پاس چلی آئیں، تو میں نے اماں سے پوچھا۔

''اماں میں نے ٹھیک کیا؟''

''ہاں حبیب بیٹا تو نے بالکل ٹھیک کیا۔''

''پتہ نہیں، ایسے ہی سوچ رہا ہوں کہیں انا کو

ناراض کر کے غلطی تو نہیں کر بیٹھا۔"
"نہیں بیٹا! تو نے جو کیا بالکل ٹھیک کیا ہے، حبیب اور عزت کے درمیان ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، جو تم دونوں نے گھر بسایا اس میں انا کی کوئی جگہ نہیں ہے، انا کو بیچ میں لا کر گھر کی بنیادیں کمزور ہوتی ہیں، اگر کوئی ہے حبیب اور عزت کے مابین تو وہ چاہت ہے، ایک محور ہے جس کے گرد تم دونوں کی زندگی گھومتی ہے۔"

میرے دل میں جو ذرا سے اندیشے نے سر اٹھایا تھا اماں کے ان چند جملوں کے ساتھ وہ وسوسے بھی کہیں غائب ہو گئے، میرے دل کو ایک گونہ سکون ملا تھا۔

یکایک دروازہ کھلا اور میری چھوٹی سی چاہت بھاگتی ہوئی میرے پاس چلی آئی، اماں نے اس اٹھا کر میرے ساتھ ہی بستر پر لٹا دیا، بے اختیار ہی میں نے نظر بھر کے چاہت کو دیکھا۔

"کیا سوچ رہے ہو حبیب؟"

"اماں چاہت بڑی ہو رہی ہے۔"

"نہیں ابھی چھوٹی ہے لیکن کل کو اس نے بڑا ہونا ہے، یہی اصل حقیقت ہے، کوئی جانے یا نہ جانے، حبیب اور عزت کی زندگی چاہت سے مشروط ہے اور یہی ہر خوشحال گھر کی کہانی ہے، کوئی جلدی سمجھتا ہے کوئی کچھ دیر سے سمجھتا ہے لیکن بہر حال سمجھ آ جاتی ہے۔" اماں نے مجھے اور چاہت کو دیکھتے ہوئے کہا تو میں نے طمانیت سے مسکرا کر آنکھیں موند لیں کہ مجھے اماں کی بات سے سو فیصد اتفاق تھا۔

☆☆☆

تو میری ضرورت ہے

درشمن بلال

اگلی صبح رات بارش میں بھیگنے کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ذوناش کو بخار ہو گیا تھا، صبح وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی، نہ اس نے جوگنگ کی نہ ایکسر سائز، کومیل کو اس کی فکر ہوئی تو بالآخر اس نے گھر کی ملازمہ سے ذوناش کے بارے میں دریافت کیا تھا، تب اسے پتہ چلا تھا کہ وہ بخار میں مبتلا ہے، وہ دل گرفتہ سا اپنے کمرے میں آ گیا تھا، ڈاکٹر آ کر اسے میڈیسن دے گیا تھا اور وہ میڈیسن کے زیر اثر سو رہی تھی۔

مریم خاتون اس کے سرہانے بیٹھی تھیں، نہایت متفکر پریشان، رات انہوں نے جو منظر دیکھا تھا اس منظر نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا، ذوناش یکطرفہ محبت میں مبتلا ہو کر جس اذیت سے گزر رہی تھی اس کی تکلیف مریم خاتون کو بھی تکلیف دے رہی تھی، کمال قریشی نے آفس سے کئی بار کال کر کے ذوناش کی خیریت پوچھی،

ناولٹ

دوپہر میں کہیں جا کر اس کا بخار اترا تھا اور اس نے آنکھیں کھولیں تھیں۔

''تھینکس گاڈ مائے چائلڈ تمہارا ٹمپریچر اب کم ہوا ہے ورنہ ہم تمہارا حالت دیکھ کر بہت پریشان ہو رہا تھا۔'' مریم خاتون اس کے پاس بیٹھی پیار سے اس کے بکھرے بال سہلاتے ہوئے بولیں۔

''ممی آپ پریشان مت ہوں، میں اب بہتر فیل کر رہی ہوں۔'' وہ انہیں مطمئن کرنے کے لئے بولی۔

''ذونا بے بی کیا ضرورت تھا تمہیں بارش میں بھیگنے کا؟ دیکھو کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا۔'' ممی نے اس کا کملایا ہوا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

''ضرورتیں بھی کبھی بے بسی کی وہ انتہا بن

کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔
"وہ کہتا ہے تمہاری منزل کومیل آفریدی نہیں مرسل قریشی ہے، پھر وہ کیوں میری تمنا کے ہر راستے میں کھڑا نظر آتا ہے مجھے، ی ی کیوں اس کی محبت اس کی خواہش مجھے ایک اندھے کنویں میں دھکیلنا چاہتی ہے، کیوں میرا دل مجھے اس کے سامنے بار بار ذلیل و خوار کرنے پہ تل گیا ہے کیوں جب وہ میرے سامنے آتا ہے تو ایک مقناطیسی کشش مجھے اس کی جانب کھینچتی ہے، یہ اسٹوپڈ محبت مجھے کیوں اس کے سامنے ایک بھکاری بنا رہی ہے، کیوں ی می کیوں؟" وہ بے بسی سے ایک کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، مریم خاتون نے اسے خود سے بھینچ لیا تھا، ان کے پاس بھی اس کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔

☆☆☆

شام کو کمال قریشی اسے زبردستی کمرے سے باہر لان میں لے آئے تھے، فریش ایئر میں اس کی طبیعت بہتر ہو گئی تھی، شام کی چائے ی ی کمال قریشی اور ذوناش کے لئے وہیں لے آئی تھیں۔
"اب کیسی طبیعت ہے میری بیٹی کی؟" کمال قریشی نے چائے کی پیالی مریم خاتون کے ہاتھ سے پکڑتے ہوئے اپنے قریب بیٹھی ذوناش سے پوچھا۔
"بہتر ہوں ڈیڈ۔" اس کی نظریں سامنے کیاریوں میں لگے پھولوں پہ مرکوز تھیں جن پہ دو تین تتلیاں منڈلا رہی تھیں، اسے بے اختیار کومیل کے گھر کا وہ چھوٹا سا صاف ستھرا پودوں اور سرسبز بیلوں سے بھرا وہ صحن یاد آیا تھا۔
"مجھے تو تم کہیں سے بھی بہتر نہیں لگ رہی ہو میری جان!" کمال قریشی نے فکر مندی سے ذوناش کو دیکھا۔
"اگر کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ، میں تمہیں اس طرح سے اداس نہیں دیکھ سکتا۔" ان کے لہجے میں ذوناش کے لئے تفکر ہی تفکر تھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے ڈیڈ! بس ایسے ہی، کبھی کبھی ایک جیسی روٹین سے تنگ آ جاتی ہوں۔" ذوناش نے چائے کی پیالی کے کنارے پہ انگلی پھیرتے ہوئے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔
"تو میری جان! تم یورپ میں کچھ دنوں کے لئے مریم خاتون کے ساتھ چلی جاؤ اور وہاں انجوائے کرو، تمہارا دل بہل جائے گا۔" کمال قریشی نے چائے کی پیالی ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔
"ڈیڈ اٹھارہ سال ان سرد ممالک میں رہی ہوں، بارہا یورپ کی سیر کروا چکے ہیں آپ، اب وہاں جانے کو دل نہیں کرتا۔" ذوناش کے انداز میں بیزاریت تھی۔
"تو بیٹا تم بھوربن چلی جاؤ، نادرن ایریاز میں کچھ دن گزارو، فریش ہو جاؤ گی، کل مرسل بھی آ رہا ہے واپس، میں اسے کہتا ہوں ایک دو دن میں وہ تمہیں نادرن ایریا لے جائے گا، دونوں ایک ساتھ کچھ دن ٹائم اسپینڈ کرو گے تو تمہارا مائنڈ بھی فریش ہو جائے گا اور تم دونوں میں مزید انڈر اسٹینڈنگ بھی ڈویلپ ہو گی، کیا خیال ہے تمہارا؟" کمال قریشی نے اسے جواب طلب نظروں سے دیکھا تو ذوناش نے ایک طویل سانس لے کر چائے کی پیالی سامنے ٹیبل پہ رکھ دی۔
"مرسل جیسے بورنگ انسان کے ساتھ نہ تو میرا مائنڈ فریش ہو گا اور نہ ہی اس کے ساتھ میری مزید انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ ہو گی، اس بات کا یقین ہے مجھے ڈیڈ، بٹ اینی وے، اگر آپ اسرار

جاتی ہیں ممی، جب اپنا آپ بھی زنجیر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ کھوئے ہوئے لہجے میں کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے تکیے سے ٹیک لگائے بولی تو مریم خاتون کتنے ہی لمحے اسے دیکھتی رہیں۔

''زونا ڈارلنگ! یہ...... یہ کیسی باتیں کر رہا ہے تم؟'' وہ اس کی نا سمجھ میں آنے والی بات پہ حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

''ایسی باتیں ممی جو ماں زندہ ہوتی تو صرف اس سے کرتی۔'' اس کا لہجہ ہنوز اداسی لئے ہوئے تھا، مریم خاتون تڑپ اٹھی تھیں۔

''زونا میری جان، ہم تمہارا ماں نہیں ہے، مگر ہم نے تمہیں ماں بن کر ہی پالا ہے، ہم سے تمہارا یہ حالت دیکھا نہیں جا رہا۔''

''تم اتنا سیڈ کیوں ہو رہا ہے مائے چائلڈ؟'' مریم خاتون نے اسے کے ماتھے سے بال ہٹائے، زوناش نے بیڈ کراؤن لگاتے ہوئے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''I have fell in love with komayl one sided love۔'' مریم خاتون نے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بے ساختہ کہا تھا۔

''What are you saying zonash?'' زوناش کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

''Yes this is ture meme کومیل کے لئے جو میں فیل کرتی ہوں، وہ آج تک میں مرسل کے لئے فیل نہیں کیا، آئی ڈونٹ نو، ایسا کیوں ہو رہا ہے میرے ساتھ۔'' اس کے انکشاف پہ مریم خاتون کے پاس گویا الفاظ ختم ہو گئے تھے، وہ بس بے یقینی اور حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی، جس کے اندر کی تڑپ اب زوناش

کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے، میں چلی جاؤں گی۔" ذوناش نے جواب دیا، اسی اثناء میں کمال قریشی کا موبائل بج اٹھا تھا۔

"ایکسکیوزمی میری جان! جرمنی سے ایک ڈیلر کی کال آ رہی ہے۔" کمال قریشی موبائل لئے وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

مریم خاتون بھی ملازمہ کی معیت میں چائے کی ٹرالی کے ساتھ اندر چلی گئی تھیں، اب وہ وہاں اکیلی بیٹھی تھی، اس کی نظروں نے بے اختیار کومیل کے کوارٹر کا طواف کیا تھا، وہ صبح سے اسے نظر نہیں آیا تھا، ابھی اس کی نظریں اس کے کوارٹر کی جانب ہی مرکوز تھیں جب وہ دشمن جاں جینز شرٹ میں ملبوس اسی جانب آتا دکھائی دیا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ قریب آ کر مودبانہ انداز میں بولا، ایک لمحے کے لئے اس کے مرجھائے چہرے کو دیکھ کر اس نے نظریں جھکالی تھیں۔

"وعلیکم السلام!" دھیرے سے سلام کا جواب دے کر ذوناش نے اسے اگنور کرنے کے لئے بلاوجہ ہی ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھالیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" کومیل نے اس کا حال پوچھا۔

"میرا حال مت پوچھو مجھ سے، جیسی بھی ہوں میں۔" اس نے اضطراب کی کیفیت میں اپنی جینز کی پاکٹ سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی اور سگریٹ سلگانے لگی۔

"آپ کو یہ چیزیں استعمال نہیں کرنی چاہیں، عورت کو ایسی چیزیں زیب نہیں دیتی ہیں۔" بے اختیار وہ اس سے کہہ بیٹھا تھا اور وہ اس کی بات پہ کتنے ہی لمحے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"کس رشتے سے تمہید باندھ رہے ہو میرے سامنے؟" اس کے چبھتے ہوئے سوال نے کومیل کو نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"انسانیت کے ناطے کہہ رہا ہوں، چھوڑ دیں ان چیزوں کو اور عورت کے اصل مقام کو سمجھنے کی کوشش کریں، ہماری زندگی کا اصل مقصد کیا ہے اور ہم نے اپنی زندگی کا مقصد کیا بنا رکھا ہے، اس نقطے کو سمجھنے کی کوشش کریں گی تو آپ کو سلیپنگ پلز نہیں کھانی پڑیں گی، ڈپریشن کے دورے نہیں پڑیں گے آپ کو۔" کومیل آج بلا خوف وخطر اس سے اپنے دل کی باتیں کہہ گیا تھا جو اکثر زبان پہ آتے آتے رک جاتی تھیں۔

ذوناش غصے میں سلگا ہوا سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکتے ہوئے چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تمہیں کس نے اجازت دی کہ تم انسانیت کے یہ درس مجھ پہ جھاڑو؟ ایک مولانا کی طرح مجھے میری زندگی کو بدلنے کی ہدایت کرو۔"

"میرے دل نے۔" کومیل نے بغور اس کے چہرے پہ چھائی خفگی کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا، تو چند لمحے وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

"اپنے دل کو اچھی طرح سے سمجھا دو، وہ اگر کسی کی ضروری باتوں پہ کان نہیں دھرتا تو کسی کو غیر ضروری نصیحتیں کرنا بھی چھوڑ دے۔" وہ اپنا موبائل اٹھا کر تن فن کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

"یہ نوکری اور لڑکی......" کومیل کی زندگی کا ایک مشکل امتحان بن گئی تھی وہ تاسف سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن مرسل جرمنی سے واپس آ گیا تھا اور آتے ہی اس نے ذوناش کو کال کی تھی، وہ اپنے کمرے میں تھی اور ٹی وی پہ کوئی انگلش مووی

دیکھ رہی تھی، بی بی نے اس کے لئے اس کی پسند کا ایک اٹالین سوپ بنوایا تھا جو وہ مووی دیکھنے کے دوران پی رہی تھی، کہ اس کے موبائل کی بپ بج اٹھی تھی۔

''ہیلو۔'' اس نے کال پک کی۔

''ہائے ہنی، مائے ڈارلنگ کیسی ہو تم؟'' مرسل کی پرجوش آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، مگر ذوناش کو اس کے لفظوں میں بناوٹ سی فیل ہو رہی تھی، ایک پھیکا پن تھا اس کے انداز میں۔

''ٹھیک ہوں مرسل تم کیسے ہو؟'' اس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔

''بالکل فٹ ہنی، اب تمہارا ٹمپریچر کیسا ہے؟''

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ مجھے ٹمپریچر تھا؟'' ذوناش حیران ہوئی۔

''آفٹر آل میری ہونے والی بیوی ہو تم، تمہارے متعلق ہر خبر رکھتا ہوں میں۔'' دوسری طرف شوخ سے انداز میں بتایا گیا۔

''ہاں خبر رکھتے ہو میری، مگر خبر لیتے نہیں ہو تم میری۔'' ذوناش کے طنزیہ انداز پہ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''کم آن میری جان، ایسی چھوٹی چھوٹی اسٹوپڈ سی باتیں مت سوچا کرو آئی ریئلی لو یو، شاید مجھے محبت کا اظہار کرنا نہیں آتا اور تم سمجھتی ہو کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔'' مرسل نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

''اوکے تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔'' ذوناش نے بھی جان چھڑانے کے لئے کہا تو وہ مزید بولا۔

''اچھا ایسا ہے کہ رات مجھے ایک بہت بڑے آفیشل ڈنر پہ جانا ہے اور ہنی تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔'' مرسل نے اسے اطلاع دی۔

''مرسل میں وہاں جا کر کیا کروں گی؟ تم اکیلے چلے جانا، میں وہاں بور ہو جاؤں گی۔'' ذوناش نے انکار کیا۔

''کم آن ذونا، وہاں سب کپلز ہوں، میں اس ڈنر میں اکیلا جا کر کتنا اسٹوپڈ لگوں گا؟'' وہ جھنجھلایا۔

''تو تم صرف اسٹوپڈ نہ لگنے کی وجہ سے مجھے اپنے ساتھ ڈنر پہ لے کر جانا چاہتے ہو؟'' ذوناش نے بیزاریت سے استفسار کیا تو مرسل مسکرا دیا۔

''او ہو فلش گرل، بال کی کھال مت اتارا کرو، تم میرے ساتھ جاؤ گی تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔''

''مگر مرسل۔'' وہ بے زار ہوئی۔

''تم بس میرے ساتھ چل رہی ہو، دیٹس اٹ، مجھے اور کچھ نہیں سننا۔'' مرسل نے اپنا فیصلہ سنا کر کال بند کر دی تھی۔

اور پھر رات نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ڈنر کے لئے تیار ہونا پڑا تھا، قیمتی سیاہ سلیولیس ساڑھی میں ملبوس، آنکھوں پہ موٹا سا لائنر لگائے ہونٹوں پہ ڈیپ ریڈ لپ اسٹک لگائے کسی قیامت سے کم نہیں لگ رہی تھی، اس کے کانوں اور گلے میں ڈائمنڈ کی قیمتی جیولری تھی ہاتھوں اور پیروں کے نیل پہ ڈیپ ریڈ ہی نیل پالش لگائے وہ بہت ڈیسنٹ لک میں پہلے سے بہت منفرد اور حسین دکھائی دے رہی تھی۔

وہ اپنی ڈائمنڈ کی رنگز پہن رہی تھی جب مریم خاتون اس کے کمرے میں آئی تھیں اور اسے یوں بنا سنورا دیکھ کر خوشی سے بولی تھیں۔

''بیوٹی فل مائے ڈارلنگ، آج تم بہت حسین لگ رہا ہے مرسل صاحب تمہیں دیکھے گا تو اس کا ہوش اڑ جائے گا۔'' مریم خاتون کی بے

ساختہ تعریف پہ وہ بے دلی سے مسکرا دی تھی۔
''پتہ نہیں بی بی مرسل کے ہوش اڑیں گے یا میرے؟ یہ تو اس کے ساتھ جا کر ہی پتہ چلے گا۔''
''مرسل صاحب کے ساتھ تم زبردستی کا رشتہ استوار کرے گا تو اس کا کوئی بھی بات تمہیں اچھا نہیں لگے گا، مائی چائلڈ۔''
''زبردستی اپنی زندگی میں شامل کرلیا ہے میں نے اسے، اپنے دل میں زبردستی اسے جگہ دینا میرے بس میں نہیں ہے، جو بس میں تھا وہ کر لیا، جو بس میں نہیں وہ نہیں کر سکتی میں۔'' اب وہ خود پہ کلون اسپرے کر رہی تھی، مریم خاتون نے اب خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔
''او کے بی بی، میں چلتی ہوں ابھی راستے سے مرسل کو بھی پک کرنا ہے۔''
''او کے مائی بے بی۔'' انہوں نے ذوناش کا ماتھا چوما اور جب وہ تیار ہو کر باہر آئی تو گارڈز اپنی گاڑی میں اسلحہ لئے تیار بیٹھے تھے، کومیل بھی گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا، مرر سے اسے گاڑی کی جانب آتا ہوا دیکھ کر وہ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا، اس کے آئیڈیل سراپے اور پرفیکٹ ہائٹ پہ ساڑھی بہت جچ رہی تھی، کومیل کی نظریں سامنے سے آتی ذوناش پہ مرکوز تھیں وہ بڑی تمکنت سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔
''مجھے مرسل کے ساتھ ایک ڈنر پہ جانا ہے، مگر اس سے پہلے ہم مرسل کو پک کریں گے۔'' ذوناش کا چہرہ سپاٹ تھا اور لہجہ دوٹوک۔
''او کے میم!'' کومیل نے مودبانہ انداز میں اس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔
ذوناش ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی، اس کے بیٹھتے ہی کومیل بھی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا، اگلے چند لمحوں کے بعد گاڑی کمال پیلس سے نکل کر مختلف سڑکوں پہ دوڑنے لگی تھی، ان کی گاڑی کے ساتھ ساتھ گارڈز کی گاڑی بھی موجود تھی۔
ذوناش کے قیمتی کلون کی مخصوص مہک گاڑی کو معطر کیے ہوئے تھی، کومیل آفریدی کو یہ مہک ایک بار پھر دوبئی کی سڑک پہ چلنے والی اس ٹیکسی تک لے گئی تھی جب وہ اس کے کندھے سے آ لگی تھی، کومیل کی نظریں آج بے اختیار اسے بار بار مرر سے دیکھنے کی گستاخی کر رہی تھیں۔
وہ اپنا موبائل ہاتھ میں لئے مرسل کو میسج ٹائپ کر رہی تھی جب اچانک اس نے سر اٹھا کر کومیل کو دیکھا تھا اور اس کی چوری پکڑتے ہوئے کہا تھا۔
''کیا آج میں واقعی اتنی خوبصورت لگ رہی ہوں کہ تمہاری آنکھیں بار بار مجھے دیکھنے کی جسارت کر رہی ہیں؟''
''نن...... نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔'' کومیل نے شرمندہ ہوتے ہوئے انکار کیا۔
''اچھا تو پھر ابھی چند منٹ پہلے تم نے ایک غلط جگہ پہ یوٹرن کیوں لیا؟'' وہ کسی تفتیشی آفسر کی طرح اسے کرید رہی تھی۔
''میں انسان ہوں فرشتہ نہیں اور غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں سو مجھ سے بھی ہو گئی۔'' کومیل اب بھی انکاری تھا۔
''جھوٹ تمہارے چہرے پہ جچتا نہیں ہے۔'' وہ مسکرائی تو وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔
''غلط فہمی ہے آپ کی۔'' وہ اب بھی کمال ڈھٹائی سے اپنے جھوٹ پہ ڈٹا ہوا تھا۔
''غلط فہمی۔'' وہ لفظ غلط فہمی کو دہراتے ہوئے ہنسی۔
''تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں، تم تو جانتے ہو تمہاری غلط بات بھی مان لیتی ہوں میں۔'' اس

کی بات پہ جواباً وہ خاموش ہی رہا تھا۔
پھر کچھ ہی دیر کے بعد مرسل کو پک کر لیا گیا تھا، گاڑی میں بیٹھتے ہی مرسل نے بے ساختہ اس کی تعریف کی تھی۔
''ہائے ہنی! یو آر سو بیوٹی فل۔'' مرسل نے جذب سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔
''زندگی میں پہلی بار یوں ڈھنگ سے تم نے میری تعریف کی ہے۔'' اس کی بات پہ مرسل مسکرا دیا تھا۔
''کم آن ہنی، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے میں اکثر تمہاری تعریف کرتا ہوں۔'' مرسل نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
تو نا جانے کیوں کومیل کو ان دونوں کو ایک دوسرے کے اتنے قریب بیٹھے ہوئے دیکھ کر جیلسی سی ہونے لگی تھی۔
''یہ بتاؤ کیسا لگ رہا ہوں میں؟'' مرسل نے خوشگوار موڈ میں اپنی ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے پوچھا۔
''سو ہینڈسم مرسل۔'' ذوناش نے بھی اس کی تعریف کی تو وہ مسکرا دیا۔
''تھینکس ہنی، یہ بتاؤ میرے بعد کیسا گزرا تمہارا ٹائم؟'' مرسل کے سوال پہ اچانک کومیل اور ذوناش کی نظریں ملیں تھیں، کومیل کی نظروں میں اضطراب اور بے چینی دیکھ کر اس نے اپنا ہاتھ مرسل کے کندھے پہ رکھتے ہوئے کہا۔
''بہت بورنگ اور بکواس گزرا، بہت مس کیا میں نے تمہیں۔''
''اوہ ریئلی، سو سویٹ مائے ڈارلنگ۔'' مرسل نے اس کے بال سہلاتے ہوئے محبت سے اسے دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی، کومیل کو پہلو بدلتے ہوئے دیکھ کر اس کے چہرے پہ بے چینی کے اثرات دیکھ کر، ذوناش کے تڑپتے دل کو سکون مل گیا تھا۔
''مرسل تمہاری ٹائی کی ناٹ ٹھیک سے نہیں لگی۔'' ذوناش نے سے اطلاع دی۔
''یار لگائی تو ٹھیک تھی۔'' مرسل نے اپنی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔
''لاؤ میں ٹھیک سے لگاتی ہوں۔'' ذوناش نے آفر کی تو مرسل نے اپنا رخ ذوناش کی طرف موڑ لیا۔
ذوناش اب اس کی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرنے لگی تھی جو غالباً پہلے ہی ٹھیک تھی وہ خوامخواہ کومیل کو تنگ کرنے پہ اتر آئی تھی، کومیل کی بے ساختہ نظروں نے مرسل سے اس کے خوبصورت ہاتھوں کو دیکھا جو مرسل کی ٹائی کی ناٹ لگانے میں مصروف تھے، کومیل کو اپنے دل پہ ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا، نا جانے وہ مرسل سے یوں محبت کا دکھاوا کیوں کر رہی تھی۔
''تھینکس مائے ڈارلنگ۔'' مرسل نے اس کے ہاتھ تھام کر دبائے تھے اور وہ مسکرا دی تھی۔
اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد گاڑی اس فائیو اسٹار ہوٹل کی ویلوٹ پارکنگ میں رک گئی تھی جہاں اس ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا، کومیل نے گاڑی سے نکل کر ان دونوں کے لئے دروازہ کھولا تھا، مرسل ذوناش کا ہاتھ تھامے اسے گاڑی سے باہر لے آیا تھا۔
اب وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، کومیل ان کے بالکل پیچھے چل رہا تھا اردگرد دائیں بائیں کا جائزہ لیتا ہوا ہال کے اندر آتے ہی بہت سے شناسا چہرے مرسل کی جانب بڑھے تھے جن سے مرسل ذوناش کا تعارف کروا رہا تھا۔
اس کے دوست احباب اس کی فیانسی کو دیکھ

کر اس کی قسمت پہ رشک کر رہے تھے اور کئی اسے باربی ڈول کہہ رہے تھے، اس ہال کی مکس گیدرنگ میں تقریباً سب مردوں اور عورتوں کے ہاتھوں میں مختلف قسم کی شراب کے گلاس تھے، مرسل نے بھی ہاتھ میں ٹرے پکڑے ایک ویٹر کو روک کر دو گلاس ٹرے سے اٹھا لئے تھے، ایک گلاس اس نے ذوناش کی جانب بڑھایا تھا۔

''میرا موڈ نہیں ہے پینے کا۔'' ذوناش نے اس کے ہاتھ سے گلاس نہیں پکڑا تھا۔

''مگر کیوں ہنی؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''بس ایسے ہی۔'' مختصر جواب۔

''ہنی پی لو ناں، سب پی رہے ہیں۔'' مرسل نے اصرار کیا تھا۔

''میں نے کہا ناں مرسل میرا موڈ نہیں ہے پینے کا، تم میرے لئے کوئی سوفٹ ڈرنک منگوا لو۔'' ذوناش نے قدرے بیزاریت سے کہا تو مرسل نے شانے اچکاتے ہوئے گلاس واپس رکھ دیا تھا اور ویٹر کو اس کے لئے سوفٹ ڈرنک لانے کو کہا اور خود اس برانڈڈ شراب کو گھونٹ گھونٹ پینے لگا، کومیل ان سے قدرے فاصلے پہ کھڑا تمام منظر دیکھ رہا تھا۔

دنیا کے انواع اقسام کے کھانوں کو اس ڈنر میں شامل کر کے مہمانوں کی خوب تواضع کی گئی تھی، کھانے کے بعد ہال میں ایک انگلش رومانٹک دھن گونجنے لگی تھی، کپلز ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ڈانسنگ فلور کی جانب بڑھے، مرسل بھی اس کا ہاتھ تھامے اسے ڈانسنگ فلور پہ لے آیا تھا اور اس کی کمر کے گرد بازو ڈالے کپل ڈانس کرنے لگا، کومیل ایک ڈمی کی طرح کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا، آج اس کے دل پہ ایک عذاب بیت رہا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے میں مگن رومانٹک دھن پہ کپل ڈانس کر رہے تھے، پھر اس ڈانس میں پارٹنر چینج ہونے لگے، مرسل اب کسی دوسری لڑکی کے ساتھ ڈانس کر رہا تھا، کئی مردوں نے ذوناش کے ساتھ ڈانس کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا جنہیں مسکراتے ہوئے اپنی تھکن کا بہانہ بنا کر ذوناش نے انکار کر دیا تھا۔

وہاں کھڑے کومیل کو بے اختیار دوبئی کے نائٹ کلب کا وہ منظر یاد آیا تھا جب وہ بار بار کومیل کو اپنے ساتھ ڈانس کرنے کی آفر کرتی رہی تھی آج نا جانے کیوں اس کے ساتھ قربت میں گزرے لمحات کومیل کو کیوں یاد آ رہے تھے۔

شاید محبت نے اس سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا، جبھی وہ خود کو آج بے بس سا محسوس کر رہا تھا، جیسے اپنے آپ سے ہی ہار رہا ہو، ذوناش کا اس کو یکسر نظر انداز کرنا اسے نا جانے کیوں تکلیف دے رہا تھا حالانکہ وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ اسے نظر انداز کرے اس میں دلچسپی نہ لے اور مرسل کو اپنے دل سے اپنی زندگی کا ساتھی مان لے پھر نا جانے کیوں اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

اس کے سینے میں ایک تکلیف جاگ اٹھی تھی ایک بے سبب رفاقت کی خواہش نے اس کے اندر ایک وحشت بپا کر دی تھی، جیسے واقعی بہت تھک گئی ہو، مرسل کے کئی دوست اسے اکیلا دیکھ کر اس کے قریب آئے تھے اور انہوں نے اس کی بوریت دور کرنے کے لئے اپنی کمپنی دینی چاہی تھی، اس پارٹی میں ہر کوئی اس باربی ڈول کے پاس آنا چاہتا تھا اس بیوٹی کوئین کے ساتھ ٹائم گزارنا چاہتا تھا، اس کے حسین و دلکش سراپے کو سراہنا چاہتا تھا، اس کے حسن پہ قصیدے پڑھنا چاہتا تھا۔

مگر وہ لڑکی، اپنی عزت نفس روند کر خود جس

مرد کے پاس محبت کی بھیک مانگنے گئی تھی اس مرد نے اسے کیسے چند لمحوں میں دھتکار دیا تھا اپنے اور اس کے بیچ حیثیت، اسٹیٹس کی دیواروں کو مجبوری بنا کر اس پہ ایک زبردستی کا رشتہ مسلط کر دیا تھا اور زبردستی کا وہ رشتہ ذوناش نے زبردستی اس لئے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اس دشمن جاں کو اپنی نظروں سے دور نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ بظاہر پرسکون نظر آنے کی لاجواب ایکٹنگ کر رہی تھی مگر یہ صرف اسی کا دل جانتا تھا کہ وہ اندر سے کس قدر ڈسٹرب تھی، کس قدر بے سکون تھی، اسے کومیل پہ شدید غصہ تھا، اس نے گویا ذوناش کو دو کوڑی کا کر دیا تھا، وہ ایک ایسا پتھر تھا جس پہ ذوناش کے نازک اور خوبصورت جذبات کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا، اس کا پتھر دل ٹس سے مس نہیں ہوا تھا اور اسی بات کا اسے غصہ تھا افسوس تھا اور آج شاید وہ اسی غصے اور افسوس کی زد میں آ کر کومیل کو ٹارچر کر رہی تھی۔

اس کے چہرے پہ اضطراب دیکھ کر ذوناش کو ایک کمینی سی خوشی محسوس ہو رہی تھی اور اسی لئے وہ اسے بار بار زچ کرنے کے لئے مرسل کے قریب آ رہی تھی جان بوجھ کر اس پہ اپنی محبت جتا رہی تھی، ورنہ اسے مرسل میں نہ دلچسپی تھی اور نہ کبھی ہو سکتی تھی، اسے اگر زندگی میں کسی مرد نے متاثر کیا تھا تو وہ کومیل آفریدی ہی تھا، کومیل کے لئے اس کے دل میں جو جذبات پیدا ہوئے تھے وہ دنیا کے کسی بھی مرد کے لئے نہیں ہو سکتے تھے۔

جیسے وہ بہت دھڑلے سے اس کے سامنے آیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ذوناش کے دل کو ہائی جیک کر لیا تھا، اس کے دل کا تمام کنٹرول سنبھال لیا تھا، لہٰذا اسے دل سے نکالنا ذوناش کے لئے آسان نہیں تھا، اس کی ظاہری شخصیت کے ساتھ اس کی حد درجہ شرافت اور بہادری نا جانے کب پسندیدگی کی سرحد عبور کر کے سیدھی اس کے دل میں گھس گئی تھی۔

اب تو اس نے ذوناش کے دل میں مستقل مورچے بنا لئے تھے، مرسل ڈانس کرنے کے بعد اس کے پاس آ گیا تھا اور اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ھنی مائے ڈارلنگ آر یو اوکے؟ بور ہو رہی ہو کیا؟''

''نہیں ایسا نہیں ہے، میں نے کبھی ساڑھی نہیں پہنی، پہلی بار پہنی ہے اس لئے اسے سنبھالتے سنبھالتے تھک گئی ہوں۔'' ذوناش نے زبردستی مسکراتے ہوئے دھیرے سے مرسل کے گال چھوئے۔

''تو سویٹ ہارٹ تم کچھ اور پہن لیتی۔'' مرسل نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

اور پھر جتنی دیر بھی وہ دونوں اس پارٹی میں رہے ذوناش اسی طرح مرسل پہ اپنی محبت جتا کر کومیل کو پریشان کرتی رہی، یہاں تک کہ رات کے دو بج گئے۔

''میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہیے، میں تھک گئی ہوں۔'' ذوناش نے بالآخر ٹائم دیکھا اور مرسل سے کہا۔

''ہاں چلتے ہیں، ٹائم واقعی زیادہ ہو گیا ہے، کل کینیڈا سے ذوئے (مرسل کی خالہ زاد) بھی آ رہی ہے، صبح اسے بھی ریسیو کرنا ہے مجھے۔'' مرسل نے اٹھتے ہوئے اسے بتایا۔

''ویری گڈ، کوئی کام ہے اسے یہاں یا؟'' ذوناش نے اسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

''نہیں کوئی خاص کام نہیں ہے اسے، بس ویسے ہی وہ آج کل فری تھی Hang out کے لئے۔'' مرسل نے مسکراتے ہوئے بتایا تو وہ

اثبات میں سر ہلا گئی۔
پھر مرسل اپنے تمام ملنے ملانے والوں سے اجازت لے کر ذوناش کے ساتھ ہال سے باہر نکل آیا تھا، واپسی پہ مرسل اس کے ساتھ بیٹھا اس سے پوچھ رہا تھا۔
"ہنی تم میرے ساتھ آج بور تو نہیں ہوئی؟"
"بالکل بھی نہیں اور ویسے بھی میں تمہارے ساتھ بور کیسے ہو سکتی ہوں؟ تم میرے ہونے والے لائف پارٹنر ہو، میرا فیوچر ہو تم۔" ذوناش نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، تو مرسل دھیرے سے مسکرا دیا۔
"سوسویٹ ہنی، آئی لو یو سو مچ۔" مرسل نے جذب سے کہا تو ذوناش مسکرائی۔
"تم رومانٹک نہیں ہو گئے۔" جواباً مرسل نے کہا۔
"ایک عورت کی عزت کرنا اس کو خوبصورت کہنے سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے، مگر تم یہ بات نہیں سمجھو گی، کہ میرے دل میں تمہارے لئے کتنی محبت ہے۔" وہ خوشگوار موڈ میں بتا رہا تھا اور وہ کہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔
"آج تم مجھے بہت بدلے بدلے سے لگ رہے ہو۔" ذوناش نے اسے چھیڑا۔
"بدلی ہوئی تو آج تم بھی مجھے بہت لگ رہی ہو۔" مرسل نے اپنے کورٹ کی پاکٹ سے سگریٹ نکالی اور سلگانے لگا۔
"کیا مطلب میں پہلے کچھ بھی نہیں؟"
"چھوڑو ان باتوں کو یہ لو۔" مرسل نے سگریٹ سلگا کر اسے دیا۔
"ضرورت محسوس نہیں ہو رہی مجھے۔" اس نے انکار کر دیا۔
"لے لو، تم تھک گئی ہو بہت۔" اس نے دوبارہ آفر کی۔
"نہیں موڈ نہیں ہے۔" پھر سے انکار، مرسل نے اسے دیکھا۔
"ہنی کیا ہو گیا ہے آج تمہارے موڈ کو؟"
"چھوڑو ان باتوں کو ڈیڈ بتا رہے تھے کہ تمہارے کچھ بزنس کے پروجیکٹ ہیں، تم کم از کم پانچ چھ ماہ تک شادی نہیں کر سکو گے۔" ذوناش نے بات بدلتے ہوئے اس سے پوچھا۔
"ہاں اگلے پانچ چھ مہینے بہت بزی ہوں میں، کینیڈا میں بزنس اسٹارٹ کرنے والا ہوں میں، لہٰذا اپنی جگہ پہ بزنس کو ٹائم تو دینا پڑے گا۔" مرسل نے کش لگاتے ہوئے تفصیل بتائی۔
"اگر تم بزی نہ ہوتے تو ہم انگیج منٹ کی بجائے ڈائیریکٹ شادی کر لیتے۔" ذوناش نے کومیل کے جلتے دل پہ تیل پھینکا۔
"پانچ چھ مہینے کا گیپ زیادہ تو نہیں؟" مرسل مسکرایا۔
"مگر مجھے زیادہ لگ رہا ہے۔" دھیرے سے جواب دیا گیا۔
"مانتا ہوں، محبت میں انتظار بہت تکلیف دیتا ہے، مگر مجبوری ہے ہنی، اگر ہم ابھی شادی کر لیتے ہیں تو میں تمہیں زیادہ ٹائم نہیں دے پاؤں گا اور یہ میں چاہتا نہیں ہوں۔" مرسل نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اعتراف کیا۔
"ہاں مجبوری ہے اب، یہ بتاؤ ہنی مون پہ کہاں جائیں گے ہم؟" ذوناش کے انداز میں اشتیاق تھا۔
"بھئی یہ تو تم ڈیسائیڈ کرو گی، کہاں جاؤ گی تم؟"
"پیرس یا اٹلی۔" اس نے جھٹ سے بتایا تو مرسل مسکرا دیا۔
"اوکے ڈارلنگ تم جہاں کہو گی لے جاؤں

گا تمہیں۔'' مرسل کا موڈ آج ضرورت سے کچھ زیادہ ہی اچھا ہو رہا تھا اور پھر باقی کا تمام راستہ ان دونوں کی ایسی ہی پلاننگ میں گزر گیا تھا، مرسل کو گھر ڈراپ کرنے کے بعد ذوناش نے گاڑی کی سیٹ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں، جیسے وہ بہت تھک گئی ہو، وہ واقعی تھک گئی تھی، مرسل سے بناوٹی آرٹی فیشل باتیں کر کر کے، کچھ دیر کے بعد گاڑی کمال پیلس میں انٹر ہو گئی تھی۔

گاڑی پورچ میں لگانے کے بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر اس کی سمت آیا تھا اور اس نے اپنی ڈیوٹی کے مطابق اس کے لئے دروازہ کھولا تھا اور وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ گاڑی سے اتر کر اندر بڑھ گئی تھی۔

اس رات کومیل ساری رات بے چین رہا تھا، اسے نیند نہیں آ رہی تھی بھی وہ بستر سے اٹھتا اور بھی لیٹ جاتا، بھی کمرے میں چکر کاٹتا اور بھی وہ کھڑکی میں جا کھڑا ہوتا، اسے کسی بھی پل چین نہیں آ رہا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیا ہو رہا تھا، اس کے اندر کی کیفیت کیوں بدل رہی تھی، ایسی کون سی بے چینی تھی جو اسے بے چین کر رہی تھی؟

☆☆☆

اگلے دن بھی ذوناش نے اپنی روٹین کے سارے کام کیے تھے، دوپہر میں لنچ کے بعد مرسل کی کال آ گئی تھی، ذوناش کو حیرت ہوئی تھی، وہ کل سے ایک بدلے ہوئے مرسل کو دیکھ رہی تھی، وہ کبھی بھی ایسا نہیں تھا جیسے وہ کل اسے دیکھائی دیا تھا، محبتوں سے لبریز۔

''ہائے مرسل ہو آر یو؟'' اس نے کال پک کی۔

''فائن ڈارلنگ، تم کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں، تائی ماں کیسی ہیں اور زوے وہ کیا آ گئی ہے؟''

''مما بالکل ٹھیک ہیں اور زوے کی فلائیٹ لیٹ ہو گئی تھی، اب وہ کل صبح نو بجے کی فلائٹ سے آ رہی ہے۔'' مرسل نے اسے اطلاع دی۔

''میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے کال کی ہے کہ آج شام ہم تمہارے فیورٹ ڈیزائنر کی آوٹ لٹ پہ جا رہے ہیں، تمہارے لئے انگیج منٹ کا جوڑا سلیکٹ کرنے اور پھر واپسی پہ تمہارے فیورٹ رسٹورنٹ میں ڈنر بھی کریں گے۔''

''مرسل خود ہی پلان بھی بنا لیا، تم اب بتا رہے ہو مجھے؟''

''تو یار شام ہونے میں ابھی چار گھنٹے باقی ہیں اور ویسے بھی زوے کی فلائٹ لیٹ ہو گئی تو میں نے سوچا کہ یہ کام بھی آج ہی کر لیا جائے، پھر اگلے دو تین تک ویسے بھی ہم نادرن ایریا موو کر جائیں گے۔'' مرسل نے جواز پیش کیا۔

''چلو ٹھیک ہے میں شام سات بجے تک ریڈی ہو جاؤں گی تم مجھے پک کر لینا۔'' ذوناش نے اس سے کہا اور پھر تھوڑی دیر دونوں کے درمیان ہلکی پھلکی گپ شپ کے بعد مرسل نے کال بند کر دی تھی اور وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے بیڈ پہ لیٹ گئی تھی اور مرسل کے بارے میں سوچنے لگی، نا جانے وہ کون سا احساس تھا جس نے مرسل کو یوں بدلنے پہ مجبور کیا تھا؟

شام سات بجے وہ ڈھیلی ڈھالی سی سیاہ پٹیالہ شوار پہ چھوٹی سی پرنٹ شرٹ پہنے بالوں کو چوٹی کی شکل میں باندھے ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

مرسل اپنی مرسڈیز پہ کمال پیلس اسے پک کرنے آیا تھا، لہٰذا اس نے گاڑی کی چابی کومیل کو تھما دی تھی، کومیل ذوناش کا پرسنل ڈرائیور اور

باڈی گارڈ تھا اس کی سیکیورٹی کا انچارج، اس کے بغیر ذوناش کو باہر کہیں بھی جانے کی اجازت نہ تھی، مرسل اور ذوناش گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھ گئے تھے، وہ اس کے بہت قریب سے گزری تھی۔

اس کی لمبی اور سفید گردن سے چپکی وائٹ گولڈ کی چین اور اس کی بیوٹی بون کے ساتھ چپکا ہوا ہارٹ شیپ کا ڈائمنڈ لاکٹ اور اس کی گردن پہ موجود سیاہ تل دیکھ کر کومیل کو ٹیکسی میں اس کے ساتھ گزرے وہ پل یاد آ گئے تھے جب وہ اس کے بے حد قریب بیٹھا تھا، اسے یکدم اپنے اندر ایک بے چینی سی محسوس ہونے لگی تھی۔

گاڑی اب کمال پیلس سے نکل چکی تھی، ذوناش کے فیورٹ ڈیزائنر کی آؤٹ لٹ پہ پہنچ کر وہ بھی اپنی ڈیوٹی کے مطابق ان کے ساتھ اندر آ گیا تھا، وہ ڈیزائنر انہی کا انتظار کر رہا تھا، ذوناش نے وہاں بہت سے ڈریسز دیکھے تھے جنہیں وہ کوئی نہ کوئی وجہ بتا کر ریجیکٹ کر رہی تھی۔

بالآخر اس ڈیزائنر نے ایک وائٹ اور پنک کلر کے کمبی نیشن کا نہایت خوبصورت، نفیس اور نہایت قیمتی ٹیل فراک دکھایا۔

''یہ کیسا لگے گا مجھ پہ؟'' ذوناش نے ڈمی پہ لگا وہ خوبصورت ڈریس دیکھ کر اپنے ساتھ کھڑے مرسل سے پوچھا۔

''ہنی تم پہ تو ہر کلر ہی سوٹ کرتا ہے یقیناً یہ بھی بہت اچھا لگے گا۔'' مرسل کے تبصرے پہ اس نے اب بغیر کسی بحث کے وہ ڈریس پسند کر لیا تھا۔

آؤٹ لٹ سے نکلتے نکلتے رات ہو گئی تھی مرسل نے کومیل سے ذوناش کے فیورٹ ریسٹورنٹ جانے کو کہا تھا، جہاں مرسل نے اسے ریسٹورنٹ میں ایک کینڈل لائٹ ڈنر کے لئے ٹیبل ریزرو کروا رکھا تھا۔

''او ویٹس گریٹ مرسل۔'' ذوناش تازہ پھولوں اور کینڈلز کے ساتھ سجا ٹیبل دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی، مرسل نے مسکراتے ہوئے اسے چیئر پیش کی تھی، جس پہ وہ دھیرے سے بیٹھ گئی تھی۔

''لگتا ہے جرمنی سے رومانس جھاڑنے کا کوئی تازہ کورس کر کے آئے ہو تم۔'' اس کے قیاس پہ مرسل ہنستے ہوئے اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

''تم لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہو، محبت کا اظہار نہ کرو تو خوش نہیں ہوتی اور محبت کا اظہار بتاؤ تو شک میں پڑ جاتی ہو۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے، میں صرف مذاق کر رہی تھی۔'' ذوناش نے مسکراتے ہوئے مینو کارڈ اٹھا لیا تھا اور پھر اس دوران ویٹر بھی آ گیا تھا اور پھر ذوناش نے ویٹر کو اپنا فیورٹ کھانا آرڈر کیا تھا، ان سے فاصلے پہ تنہا الگ سے ٹیبل پہ بیٹھا کومیل آفریدی اندر سے کٹ رہا تھا، لمحہ بہ لمحہ مر رہا تھا۔

ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا تھا، مرسل نے کومیل کو بھی اپنے لئے کچھ آرڈر کر کے منگوا لینے کی ہدایت کی تھی مگر کومیل نے اپنے لئے صرف کافی منگوائی تھی کینڈلز کی روشنی میں ذوناش کا چہرہ دمک رہا تھا، مرسل نے ذوناش کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔

کومیل کو بے اختیار ذوناش کا اظہار محبت یاد آیا، اس سے پہلی ملاقات یاد آئی اور پھر قسمت کا کھیل بھی، جب وہ اپنی ڈیوٹی پہ گیا تھا تو سامنے وہی ذوناش تھی جس کی اس نے جان بچائی تھی آج اسے لگ رہا تھا اس کی جان کی حفاظت کرتے کرتے وہ خود اس کی جان لینے پہ آ گئی

تھی، اسے پلین میں ذوناش کی وہ پہلی بے تکلفی بھی یاد آئی، اسے دبئی میں گزرا ہوا وہ وقت بھی یاد آیا، اسے وہ سستا سا ہوٹل بھی یاد آیا جہاں ذوناش اس کے روبرو بیٹھی کھانا کھا رہی تھی، اسے میٹرو میں وہ سفر بھی یاد آیا جب اس کے بال ہوا سے لہرا کر کومیل کے چہرے کو چھو رہے تھے۔

اسے نائٹ کلب کا وہ منظر بھی یاد آیا جب وہ نشے میں دھت کومیل پہ برس پڑی تھی اور پھر نشے میں بے بس ہو کر ہوش وخرد کی دنیا سے بیگانہ ہو گئی تھی اور وہ اسے تھام کر اس کلب سے نکلا تھا، اسے ٹیکسی میں وہ منظر بھی یاد آیا جب وہ اس کے قریب تھی بے حد قریب، اسے اس پل اپنی بے قراری بھی یاد آئی تھی۔

اس وقت اس نے اپنی بے قراری پہ قابو پا لیا تھا خود کو سنبھال لیا تھا خود کو روک لیا تھا۔

مگر اب وہ بے بسی کی اس انتہا پہ تھا کہ چاہتے ہوئے بھی خود کو روک نہیں پا رہا تھا، خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا، مرسل کے ساتھ اس کی بے تکلفی کومیل سے برداشت نہیں ہو پا رہی تھی اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مر جائے گا، اس کینڈل لائٹ ڈنر کے دوران کئی بار کومیل کی نظر بھٹک کر ذوناش کی جانب اٹھی تھی اور اس کا دل چیر گئی تھی، اپنی چیزیں دوسروں کو دینا آسان ہوتا ہے، مگر اپنا دل دل میں بسنے والے لوگ اور لوگوں کے دل میں دھڑکنے والی محبت آسانی سے نہیں دی جا سکتی کسی کو۔

اس نے بہت پہلے کہیں پڑھا تھا محبت کوئی سہ رنگا پوسٹر نہیں کہ کمرے میں لگا لیا، سونے کا کوئی تمغہ نہیں کہ سینے پہ سجا لیا، پگڑی نہیں کہ خوب کلف لگا کر باندھ لی، محبت تو روح ہے آپ کے اندر کا بھی اندر آپ کی جان کی جان، اس کے اندر کا اندر بھی اب اسے تنگ کر رہا تھا اس کے اندر کی دنیا کو برباد کر رہا تھا، اس کی جان اب خود کومیل کی جان لینے کے درپہ تھی وہ نا جانے کتنی دیر اس ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے کومیل کو کچھ خبر نہ تھی وقت کی سوئیاں اس کے لئے ٹھہر گئی تھیں۔

واپسی پہ ذوناش اور مرسل میں کیا کیا باتیں ہوئی تھیں وہ نہیں جانتا تھا اس وقت کومیل اور ایک بے جان ربوٹ میں کوئی فرق نہ تھا، یہاں تک کہ گاڑی کمال پیلس میں انٹر ہو گئی تھی، کومیل نے گاڑی سے نکل کر ذوناش کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا اور پھر مرسل کے لئے مرسل پچھلی سیٹ سے اٹھ کر ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ گیا تھا ذوناش مرسل کو سی آف کرنے کے بعد پورچ میں آئی تو کومیل کو وہیں کھڑا دیکھ کر اسی طرح اجنبیت سے اس کے قریب سے گزر کر اندر کی طرف بڑھی۔

وہ ابھی اپنے کوارٹر میں نہیں گیا تھا، ذوناش ایک پل کے لئے حیران ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل وہ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''ویسے ایکٹنگ آپ آج کل خاصی اوور کر رہی ہیں۔'' عقب سے اس کا طنزیہ جملہ ذوناش کے کانوں سے ٹکرایا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس نے پلٹ کر حیرانگی سے کومیل کو دیکھا۔

''آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' درشت اور سپاٹ چہرے کے ساتھ باور کروایا گیا، تو ذوناش دھیرے سے چلتی ہوئی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

''یہ ایکٹنگ نہیں حقیقت ہے اور ویسے بھی تم ہی نے تو کہا تھا کہ میری منزل مرسل قریشی ہے، تمہارے اور میرے بیچ رتبے اور حیثیت کی بہت اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں جنہیں تم

کبھی نہیں توڑ سکو گے اور یہ بھی کہ ہمارے بیچ کبھی
محبت نہیں آئے گی، تم مجھے جیت سکتے تھے مگر نا
جانے کیوں تم نے مجھے ہار دیا، تم نے مجھ سے عہد
لیا تھا بس سمجھ لو میں وہی عہد نبھا رہی ہوں، میں
نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے کہ میری زندگی کا کوئی
بھی راستہ تم تک نہیں جاتا اور رہی بات مرسل
سے محبت جتانے کی تو اس سے چاہے میں اوور
ایکٹنگ ہی کیوں نہ کروں، تمہیں اس بات سے
ہرگز بھی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔" ذوناش کے
انداز میں بے حسی تھی سفاکی تھی، وہ پہلو بدل کر رہ
گیا تھا، نا جانے کیوں اور کس حق سے اس نے
ذوناش سے باز پرس کرنے کی کوشش کی تھی، وہ
اب شرمندہ ہو رہا تھا، اس کے بعد وہ وہاں رکی
نہیں تھی اور اندر بڑھ گئی تھی۔

اپنی زندگیوں میں ہم سب سے زیادہ قتل
اپنی زبانوں سے کرتے ہیں کبھی بہت سے الفاظ
کے ساتھ اور کبھی بناء کچھ کہے، ذوناش نے اس
سے اپنے الفاظوں سے اپنی رجیکشن کا بدلہ لے لیا
تھا، مگر وہ اپنے دل میں موجود کومیل کے لئے ان
جذبات کا کیا کرتی جو اس کی بے عزتی کر کے اس
سسک رہے تھے، ایک کیک بن رہے تھے، وہ
مزید بے سکون ہونے لگی تھی اور اسی بے سکونی
میں وہ کپڑے چینج کیے بغیر گلاس وال کے پردے
ہٹا کر صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

سیاہ رات پہ چمکتا ہوا چودھویں کا تنہا چاند
اس کے دل کی طرح بالکل تنہا اور اکیلا دکھائی
دے رہا تھا، وہ دبے پاؤں پھر سے ذوناش کے
دل میں اترنے لگا تھا، اس کے چہرے پہ چھائی
بے چینی، جو تھوڑی دیر پہلے اسے خوشی دے رہی
تھی اب اسے بے چین کرنے لگی تھی وہ اسے
اپنے دل میں کہیں رکھ کر بھول جانا چاہتی تھی مگر وہ
کوئی پھول نہیں تھا جسے ڈائری میں رکھ کر وہ بھول
جاتی، وہ پہلی نظر کی پہلی محبت تھا اس کے لئے، وہ
اس کی آنکھوں میں جاگنے والی رات کی طرح تھا،
اس کی تمناؤں اور خوشیوں کا مرکز تھا۔

اس کی زندگی میں رونما ہونے والے ایک
ناگہانی حادثے کی طرح تھا جس نے ذوناش کو
بچا تو لیا تھا مگر وہ زندہ نہیں رہی تھی، اپنی بے رخی
سے ذوناش کو جینے والا ایک تکلیف دے ہار بن
کر کبھی نہ ختم ہونے والی خلش بن گیا تھا وہ ساری
رات اس نے شدید ڈپریشن میں گزارا تھا، یہاں
تک کہ صبح فجر کی اذان ہونے لگی تھی۔

صبح کی پرنور اور خاموش فضا میں اللہ کا بلاوا
اس کے اندر کی دنیا کو زیر کرنے لگا۔

اللہ اکبر
اللہ سب سے بڑا ہے
اشھد ان لا آلہ الا اللہ
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
اشھد ان محمد ارسول اللہ
میں گواہی دیتا ہوں محمدؐ اللہ کے رسول ہیں
حی علی الصلوۃ
آؤ نماز کی طرف
حی علی الفلاح
آؤ کامیابی کی طرف
حی علی الفلاح
آؤ کامیابی کی طرف

اس کے آس پاس اس کے اندر اور باہر یہ
الفاظ گونج رہے تھے، اس کے قدم لاشعوری طور
پہ واش روم کی طرف اٹھے تھے۔

اسے یاد نہیں تھا کہ جب سے اس نے ہوش
سنبھالا تھا اس نے کبھی وضو کیا تھا کہ نہیں، کوئی ان
دیکھی طاقت تھی جو اس سے وضو کروا رہی تھی، وضو
کرنے کے بعد اس نے جائے نماز ڈھونڈنے کی
کوشش کی تھی، اس نے کبھی نماز پڑھی ہوتی تو

اسے جائے نماز ملتا، اچانک اسے یاد آیا، گھر کا بٹلر اکثر نماز پڑھا کرتا تھا اور نماز پڑھ کر کچن میں آیا کرتا تھا، وہ بلا جھجک اس کے کوارٹر میں گئی تھی اور جائے نماز لے کر آئی تھی۔

نا جانے اس نے آخری بار نماز کب پڑھی تھی، پڑھی تھی بھی کہ نہیں اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا اس نے اپنے اردگرد اچھی طرح سے دوپٹہ لپیٹ رکھا تھا جائے نماز بچھا کر وہ اس پہ کھڑی ہو گئی تھی، پھر نا جانے کیسے اس نے نماز پڑھی تھی، کون سا رکن ادا کرتے ہوئے اس نے غلطی کی تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ نماز ٹھیک سے پڑھ بھی رہی تھی کہ نہیں بس اللہ جانتا تھا اور وہی اپنے حکم کے مطابق اس سے سب کچھ کروا رہا تھا، اسی کے حکم سے وہ کامیابی کے راستے کی طرف گئی تھی، اب اسی زوناش کو ہدایت کے راستے پہ بھی لے کر جانا تھا، ہدایت، بھلائی اور کامیابی کے راستے کی طرف، جب اس نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کیے تھے تو آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بہنے لگے تھے۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اللہ سے کیا مانگے کیسے مانگے؟ بس وہ زارو قطار روئے جا رہی تھی اسے اپنی مرحومہ ماں شدت سے یاد آئی تھی، اسے اپنا لاڈلہ بھائی ذونین کمال قریشی بھی شدت سے یاد آیا تھا، اس کے بعد اس کی آنکھوں میں کومیل آفریدی کا چہرہ آن بسا تھا اس کے رونے میں اور بھی شدت آ گئی تھی، یہاں تک کہ اس کی ہچکی بندھ گئی تھی، پتہ نہیں وہ کیوں رو رہی تھی ایسا کون سا احساس تھا جو اسے اللہ کی بارگاہ میں یوں گڑگڑانے پہ مجبور کر رہا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کے رونے میں کمی آنے لگی تھی، اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے مسائل کی فہرست اللہ نے پڑھ لی تھی، اللہ کے آگے رونے سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا ایک عجیب سے سکون نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، وہ خاموش اب بھی تھی مگر اب اس کے چہرے پہ ایک اطمینان تھا سکون تھا، صبح ناشتہ اس نے کمال قریشی کے ساتھ کیا تھا، آج اس نے ایکسر سائز اور یوگا نہیں کیا تھا، کمال قریشی کے آفس جاتے ہی اس نے کومیل کو موبائل پہ کال کر کے گاڑی ریڈی رکھنے کی ہدایت کر دی تھی اور جب وہ پورچ میں آئی تھی تو وہ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے زوناش کو ٹراؤزر شرٹ پہ دوپٹہ لئے دیکھ کر حیرت سے اسے سلام کیا اور اس کے لئے دروازہ کھولا۔

''وعلیکم السلام!'' وہ مختصر جواب کے ساتھ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

''میم کہاں جائیں گی آپ؟'' کومیل نے مڑ کر سیٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''All huda international۔'' ہنوز مختصر جواب کے اطلاع دی گئی۔

اور پھر اس نے All huda جوائن کر لیا تھا، جہاں ڈاکٹر فرحت ہاشمی نے اس کی رہنمائی کی تھی، پہلی کلاس اٹینڈ کر کے اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے دل و دماغ پہ چھائے ہوئے بوجھ ہٹا دیئے تھے، چار گھنٹے کے بعد جب وہ انسٹی ٹیوٹ سے باہر آئی تھی تو اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں جیسے وہ بہت روئی ہو، واپسی کا سفر بھی وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی تھی اور کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی۔

کومیل نے کئی بار مڑ کر اسے دیکھا تھا، وہ اس کی حد درجہ خاموشی سے خائف ہونے لگا تھا۔

"میم آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟" بالآخر اس نے تشویش سے پوچھ ہی لیا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔" مختصر جواب۔

"مگر آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ہیں؟" کومیل نے ایک جگہ یوٹرن لیا، ہنوز اس کے لہجے میں ذوناش کے لئے فکرمندی تھی۔

"اور مجھے لگ رہا ہے جیسے میں آج ہی ٹھیک ہوئی ہوں، ایک طویل بیماری سے۔" اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ میں ایک عجیب چینج سا فیل ہو رہا ہے مجھے۔" اس نے اعتراف کیا۔

"کبھی کبھی زندگی بدلنے میں وقت نہیں لگتا، وقت کسی چور کی طرح دبے پاؤں آ کر ہمارے ذوق زندگی کو ہماری ترجیحات کو حتیٰ کہ ہم کو بھی بدل جاتا ہے جیسے کوئی بھولی بسری ہوئی دعا اچانک قبول ہو کر عقیدتوں کے سفر پہ گامزن ہو جاتی ہے۔"

وہ کوئی رائٹر نہیں تھی اور نہ ہی کوئی فلاسفر تھی مگر اس کی باتیں اور ان باتوں کی گہرائی کومیل کے دل میں کھب جاتی تھیں۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھ نہیں پا رہا؟" وہ کچھ ناسمجھی میں بولا، تو وہ بات بدل گئی۔

"کیا کرو گے میری باتیں سمجھ کر؟ چھوڑو یہ بتاؤ گھر میں سب خیریت ہے تمہارے؟"

"جی سب ٹھیک ہیں ماں اور ابا اکثر آپ کا حال پوچھتے ہیں مجھ سے اور ابرش تو بہت یاد کرتی ہے آپ کو۔" اب وہ گھر کے قریب پہنچ چکے تھے، کومیل کے بتانے پہ ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ ٹھہر گئی۔

"تمہارے گھر والے بہت اچھے ہیں، بہت محبت کرنے والے، یقیناً تمہاری بیوی بہت خوش قسمت ہو گی، وہ ان محبتوں سے گندھے رشتوں کے درمیان رہے گی۔" ذوناش کی بات پہ بے اختیار اس نے مڑ کر اسے دیکھا تھا، اس کی نظر جم سی گئی تھیں ذوناش پہ، مگر وہ شیشے کے پار دیکھ رہی تھی، اس کے بعد دونوں میں کوئی بات نہ ہوئی تھی، یہاں تک کہ وہ کمال پیلس میں داخل ہو گئے تھے۔

☆☆☆

"کبھی کبھی بے موسم ہی بارشوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے انسان کے اندر بھی اور باہر بھی۔" وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک مشہور مذہبی سکالر کا توبہ پہ بیان سن کر ہٹی تھی، آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے، وہ کیسی گمراہی کی زندگی گزار رہی تھی اب تک۔

اس نے تو کبھی اللہ کی نعمتوں کا اس کی دی ہوئی آسائشات کا اس کی دی ہوئی تندرستی کا بھی شکر تک ادا نہیں کیا تھا، اس نے اپنی کسی غفلت کوتاہی اور کسی گناہ پہ کبھی توجہ استغفار تک نہ کیا تھا۔

یہ اس کی اپنی غفلت بھری زندگی گزارنے پہ ندامت کا احساس ہی تھا جو اسے توبہ کرنے پہ اور راہ ہدایت پہ چلنے کے لئے اللہ کے آگے رونے پہ مجبور کر رہا تھا۔

وہ بے ہودہ لباس پہنا کرتی تھی، نائٹ کلبوں میں جایا کرتی تھی جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے ان کا استعمال کیا کرتی تھی، رونا تو اس کو آنا ہی تھا، وہ ہنوز اسی طرح بے آواز روتی ہوئی گلاس وال کے قریب آ گئی تھی، اس نے پردے ہٹا دیئے تھے۔

باہر بارش ہو رہی تھی، گلاس وال پہ پانی کے قطرے جمتے جا رہے تھے، باہر ہونے والی بارش کے ساتھ اس کے آنسو بھی شامل تھے، فرق صرف یہ تھا کہ باہر اب بھی آسمان پہ گھرے بادل بنے

ہوئے تھے مگر بہت سا رو لینے کے بعد اس کے اندر چھائے بے سکونی اور نداہتوں کے بادل چھنٹتے جا رہے تھے، ایک ان دیکھا سکون اور راحت اس کے دل میں بسیرا کرنے لگی تھی، اس کا دھیان جیسے ہر چیز سے ہٹ گیا تھا، کومیل کے لئے اس کے دل میں موجود محبت جیسے سات پردوں میں کہیں چھپ گئی تھی اس کے دل میں اگر کوئی بسا ہوا تھا تو وہ صرف اللہ تھا، اس کے دل میں اگر کوئی نام گونج رہا تھا تو وہ بھی صرف اللہ کا ہی تھا، ان چند دنوں میں ہی اس کے لباس میں ایک چینج آ گیا تھا، اس نے بے ہودہ لباس پہننا چھوڑ دیا تھا وہ باقاعدگی سے الہدیٰ جانے لگی تھی۔

اس کی آنکھوں میں وحشت بن کر ناچتی ہوئی بے سکونی اب ایک راحت میں بدل گئی تھی، مرسل، اپنی خالہ زاد زوئے کو بھرپور ٹائم دے رہا تھا جو آج کل کینیڈا سے دو ہفتوں کے لئے آئی تھی، مرسل ایک ہفتے کے بعد کمال پیلس آیا تھا اور اس کا حلیہ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا، وہ اپنے کمرے میں نماز عصر پڑھ کر ہٹی تھی جب وہ بلا جھجک اس کے روم میں آ گیا تھا، وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھی اور اس کے سر پہ ابھی تک دوپٹہ تھا، جو اس نے نماز کی ادائیگی کے لئے ماتھے تک اوڑھ رکھا تھا۔

"What have you done with your appearance zanash ?" مرسل نے از حد حیرت سے اسے سرتا پاؤں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور اس نے ہنوز پرسکون انداز سے الٹا اس پہ سوال داغ دیا تھا۔

"What happend to my appearance?" زوناش کے پرسکون سوال نے اسے حیرت میں ڈال دیا تھا۔

"میں نے زندگی میں پہلی بار تمہیں یوں شلوار قمیض اور اس طرح کے اسٹوپڈ سے حلیے میں دیکھا ہے، اس لئے حیرت ہو رہی ہے مجھے۔" وہ حیرت سے اسے سرتا پاؤں دیکھتا ہوا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"اب اس حلیے میں تم مجھے انشاء اللہ ہمیشہ دیکھو گے، اس لئے پلیز اب میرے لباس کو اس طرح کے حقیر الفاظ مت دینا۔" وہ اس کے سامنے سے ہٹتی ہوئی بولی تو مرسل نے اسے کلائی سے تھام کر پھر سے اپنے مقابل لا کھڑا کیا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ کسی نے برین واش تو نہیں کر دیا تمہارا؟" مرسل کی آنکھوں میں اب بھی حیرت تھی۔

"کاش اللہ میرا بچپن ہی میں برین واش کر دیتے، مجھے گمراہی اور ہدایت کے بیچ کا اصل راستہ بتا دیتے تو میں اپنی زندگی کے باقی کے سال اس طرح نہ گزارتی جس طرح سے گزارتی آئی ہوں۔" وہ اطمینان سے بولتی ہوئی اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے دھیرے سے پرسکون انداز میں بولی، تو کتنے ہی لمحے مرسل اسے دیکھتا رہ گیا۔

"یہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو میری جان؟" مرسل نے اسے بے ساختہ حیرت سے دیکھتے ہوئے اسے شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کر لیا۔

ابھی دو ہفتہ پہلے ہی تو وہ بالکل نارمل تھی اور اپنے ہوشربا حسن کے ساتھ مرسل کے ساتھ ایک آفیشل ڈنر پہ گئی تھی جہاں اس کے حسن اس کے پرفیکٹ فگر اور گلیمر کے چرچے زبان زد عام ہوئے تھے۔

"میں کوئی انہونی باتیں نہیں کر رہی ہوں، تم

اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو اور پلیز جب تک ہماری شادی نہیں ہو جاتی مجھے ٹچ مت کرنا۔"
ذوناش نے دھیرے سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔
"کم آن ذونا ڈارلنگ! یہ کس قسم کی دقیانوسی باتیں کر رہی ہو تم، یہ سب فضول قسم کی باتیں کس نے بھری ہیں تمہارے برین میں؟ کیوں اچانک نیک پروین بننے کا بھوت سوار ہو گیا تم پہ؟"
"فار گاڈ سیک مرسل! میرے خیالات اور بدلے ہوئے احساسات کو اتنے توہین آمیز الفاظ مت دو، بس یوں سمجھ لو کہ اللہ نے مجھے گمراہی کے راستے سے ہٹا کر نیکی ہدایت اور بھلائی کا راستہ ڈھونڈ دیا ہے، جہاں پاؤں رکھتے ہی ایک روحانی خوشی اور اطمینان نے مجھے وہ سکون عطا کر دیا ہے جو مجھے کبھی نائٹ کلبوں، شراب اور سیلپنگ پلز کھا کر بھی کبھی نہیں ملا۔" وہ آہستگی سے اسے بتاتی گئی تھی اور وہ حیرت و تاسف سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

ذوناش نے میوزک کلاس لینی چھوڑ دی تھی، کچھ دنوں سے وہ ایروبک بھی نہیں کر رہی تھی، وہ فجر کی نماز پڑھ کر باہر لان میں آ گئی تھی، جہاں کومیل مارشل آرٹس کی مشق کر رہا تھا، وہ اس پہ ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر بینچ پہ بیٹھ گئی تھی
کومیل کو اس کا یوں نظر انداز کرنا اب بے چین کر دیا کرتا تھا، پہلے وہ اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈا کرتی تھی مگر آج کل وہ اس پہ ایسے نگاہ ڈالتی جیسے وہ اس کے لئے غیر اہم ہو گیا تھا، اس قسم کی توقع ذوناش سے لگانا سراسر بے وقوفی تھی، کومیل نے خود اسے دھتکارا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ذوناش مرسل کو دل سے اپنی زندگی کا ساتھی مان لے، مگر اب نا جانے کیوں کومیل کا دل ایسی بے وقوفیوں پہ اتر آیا تھا؟ وہ کیوں لاشعوری طور پہ ذوناش سے توقعات لگا رہا تھا کہ وہ ہمیشہ اس کے پیچھے بھاگے، اس سے محبت کی فریاد کرے۔
وہ خاموش ہو گئی تھی اور بہت حد تک پُرسکون بھی اور اس کی یہی خاموشی اور سکون، کومیل کو بے سکون کر رہا تھا، اس کی ظاہری شخصیت میں بھی ایک چینج آ گیا تھا، ایک عجیب سی کشش تھی جو کومیل کو اس کی طرف کھینچنے لگی تھی، محبت شاید اس سے انتقام لینے پہ اتر آئی تھی۔
اب بھی وہ لان چیئر پہ بیٹھی تھی اور درختوں پہ شور مچاتی ہوئی چڑیوں کو دیکھ رہی تھی جب وہ اپنی مشق چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔
"السلام علیکم میم!" مودبانہ انداز میں سلام کیا گیا۔
"وعلیکم السلام!" مختصر جواب۔
"کیسی ہیں آپ میم؟"
"ٹھیک ہوں بالکل، شکر ہے اللہ کا، تم کیسے ہو؟" کومیل کا جی چاہا کہ وہ اسے بتائے۔
"میں ٹھیک نہیں ہوں میم، آپ سے دور رہوں یا آپ کے قریب دونوں صورتوں میں ایک جیسے دکھ نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، میرے دل کی دھڑکنیں مجھ سے بغاوت کرنے لگی ہیں، آپ کی آرزو میری جستجو بنتی جا رہی ہے آپ کی ذات میرے دل کا عنوان بنتی جا رہی ہے، میری آنکھوں کا چراغ بنتی جا رہی ہیں آپ۔"
وہ یہ ساری باتیں اس سے کہنا چاہتا تھا مگر وہ کہہ نہیں پایا تھا اور نہ ہی وہ کہنا چاہتا تھا، اب اسے اپنی یہ محبت اپنے یہ احساسات اس سے چھپا کر رکھنے تھے۔

☆☆☆

ذوناش کی شخصیت میں رونما ہونے والی تبدیلی نے کمال قریشی سے لے کر کبیر قریشی، عالیہ بیگم اور مرسل کو نا صرف حیران کیا تھا بلکہ پریشان بھی کر دیا تھا، ان سب کا تعلق جس سوسائٹی سے تھا وہاں دین سے ایسا رجحان لگاؤ اور پھر شخصیت کا ایسا نمایاں بدلاؤ، نہایت حیرت انگیز، فکر انگیز بات تھی، سب یہی سمجھ رہے تھے کہ کسی مذہبی سکالر نے اس کا برین واش کر دیا تھا، اب وہ اپنی کلاس اپنی سوسائٹی میں موو کرنے یا ایڈجسٹ ہونے کے قابل نہیں رہی تھی اور یہ بات سب سے زیادہ مرسل کے لئے تشویش کا باعث بن رہی تھی کیونکہ وہ ایک نہایت لبرل اور الٹرا ماڈرن قسم کا انسان تھا، ذوناش اور اس کے بیچ شخصیت کا نمایاں تضاد مرسل کے لئے پریشان کن ہی تھا مرسل نے اسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر ذوناش نے دین اسلام کے خوبصورت دلائل دے کر مرسل کی ان کوششوں کو ترک کرنے پہ مجبور کر دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ سب نے ذوناش کو اس کے حال پہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے بجائے منگنی کے مرسل اور ذوناش کو نکاح کے بندھن میں باندھنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور رخصتی چھ ماہ کے بعد دھوم دھام سے کرنے کا پروگرام طے پایا تھا۔

سو کمال پیلس میں آج کل ذوناش اور مرسل کے نکاح کی تیاریاں ہونے لگی تھیں۔

اس کی نکاح کی خبر سن کر کومیل اندر ہی اندر ریت کی دیوار کی طرح گر رہا تھا، اس نے آسانی سے ذوناش کو اپنی زندگی میں داخل ہونے سے روک دیا تھا مگر وہ اسے اپنے دل پہ قابض ہونے سے نہیں روک پایا تھا۔

وہ چھ فٹ کا مرد اندر ہی اندر بے بسی کی تصویر بنتا جا رہا تھا، اسے ذوناش سے اس وقت محبت ہوئی تھی جب وہ کسی کے نکاح میں بندھنے جا رہی تھی، اس کے اندر کی دنیا تہہ بالا ہو رہی تھی صرف اس احساس سے کے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مرسل قریشی کی ہونے جا رہی تھی، وہ دل ہی دل میں جل کر خاک ہو رہا تھا، ایک گلیشیئر سے موم ہو رہا تھا یہ اس کے اندر کی بے چینی اضطراب اور تکلیف ہی تھی۔

جس نے کومیل کو لائبریری جانے پہ مجبور کر دیا تھا، اس کے نکاح میں فقط دو دن باقی تھے اور آج کومیل نے اسے بہت دنوں کے بعد لائبریری کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا، وہ بک ریکس کے پاس کھڑی تھی اور کوئی کتاب ڈھونڈ رہی تھی جب وہ دھڑلے سے اندر آیا تھا۔

ذوناش نے ایک لمحے کے لئے حیرت سے اسے دیکھا تھا، کہ اس نے کومیل کو کسی کام کے لئے نہیں بلایا تھا تو وہ کیوں آیا تھا اس کے پاس؟

''کیا بات ہے کومیل؟ تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟ تمہارے گھر میں سب خیریت ہے ناں، تمہارے ابا، ماں اور ابرش سب ٹھیک تو ہیں ناں؟'' اس کے چہرے پہ اڑتی ہوائیاں دیکھ کر وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

''سب ٹھیک ہیں مگر میں ٹھیک نہیں ہوں۔''

وہ اس پہ نظریں مرکوز کیے چلتا ہوا اس کے قریب آیا جو اس وقت بلیک ٹراوزر پہ پرپل شرٹ پہنے شانوں پہ بلیک دوپٹہ ڈالے اس کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کر رہی تھی۔

''کیوں کیا ہوا تمہیں؟'' وہ ہاتھ میں پکڑی کتاب واپس ریک میں رکھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''میں...... میں آپ کو کسی اور کا ہوتا ہوئے نہیں دیکھ سکتا، آپ کی محبت نے مجھے بے بس کر دیا ہے ذوناش، آئی ریئلی لو یو، مجھے ایسا لگ رہا ہے اگر آپ مجھے نہ ملیں تو میرا سانس بند ہو جائے

گا۔" کومیل بے ساختگی اور دیوانے پن سے اسے شانوں سے تھام کر اپنے دل کی بے قراری اس پہ عیاں کر رہا تھا۔

اس کا اعتراف سن کر آنسو ٹپ ٹپ ذوناش کی آنکھوں سے گرنے لگے تھے، وہ دیوانوں کی طرح اس سے محبت کا اظہار کر رہا تھا اور اس وقت کر رہا تھا جس وقت وہ نکاح جیسے مقدس بندھن میں بندھنے والی تھی، اس شخص کی زوجیت میں آنے والی تھی جس سے اسے کبھی بھی محبت نہیں تھی، دفعتاً اس نے کومیل کے ہاتھ اپنے شانوں سے جھٹک دیئے تھے۔

"اٹس ٹو لیٹ کومیل، میرا نکاح طے کر دیا ہے ڈیڈ نے اب یہ باتیں بے معنی ہو گئی ہیں۔"

"کیوں...... کیوں بے معنی ہو گئی ہیں یہ باتیں آپ...... آپ تو مجھ سے محبت کرتی ہیں اور محبت میں تو آخری سانس تک آس رہتی ہے امید رہتی ہے۔" وہ آج اپنے اختیار میں نظر نہیں آ رہا تھا، اس کی بے تابی دیکھ کر ذوناش کے اندر کی دنیا مسمار ہونے لگی تھی۔

تم
جانتے ہو مجھے کیا پسند ہے؟
برستی بارش
سمندر کی لہریں
پھولوں کی خوشبو
چاندنی راتیں
اچھی شاعری
اور جانتے ہو؟
سب سے زیادہ
مجھے کیا پسند ہے؟
اس تحریر کا پہلا لفظ

ذوناش کے لہجے میں ٹوٹے اور بکھرے ہوئے خوابوں جذبوں اور مرجھائی ہوئی محبت کا ماتم تھا وہ شخص اس کو اپنی حیات کی طرح لگتا تھا مگر اب یہی حیات اس کے لئے عمر بھر کا روگ بن گئی تھی ایک ایسی تکلیف بن گئی تھی جسے اس نے اپنے دل کے نہہ خانوں میں چھپا لیا تھا، وہ اس کی زندگی کا پہلا اور آخری عنوان تھا وہ عنوان جو اسے اب خود سے بھی چھپا لینا تھا۔

"اگر آپ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں تو پھر، فیصلہ کرنا کیوں مشکل ہو رہا ہے آپ کے لئے؟" وہ ایک بار پھر اسی بے تابی سے اس سے استفسار کر رہا تھا۔

"پہلے فیصلہ تم نے کیا تھا، مجھے ریجیکٹ کرنے کا فیصلہ، اب ایک فیصلہ میں نے کیا ہے، اپنے ڈیڈ کی خوشی کے لئے، میرا نکاح طے ہو چکا ہے، ڈیڈ میرے نکاح کے دعوت نامے بانٹ چکے ہیں، گھر میں تیاریاں ہو رہی ہیں میرے نکاح کی اور تم...... تم مجھے کہہ رہے ہو کہ میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل کیوں ہو رہا ہے؟ تم بہت ظالم ہو کومیل، تم نے میری محبت کا بہت بڑا امتحان لیا ہے، مجھے سمندر کی بیچ لا کھڑا کیا ہے، نہ مجھے منزل نظر آ رہی ہے اور نہ واپسی کا راستہ دیکھائی دے رہا ہے، کاش تم اپنے اندر کا ادھورا سچ کم از کم آج مجھ سے نہ کہتے میرا ویران اور اجڑا ہوا دل تمہاری محبت کی آس میں جب دیمک بن گیا تو تمہیں میرے آسیب زدہ دل کے دروازے پہ دستک کا خیال آیا؟ اٹس ٹو لیٹ کومیل اٹس ٹو لیٹ۔" وہ روتی ہوئی لائبریری سے باہر نکل گئی تھی۔

کومیل کتنے ہی لمحے اس دروازے کو دیکھتا رہ گیا تھا جہاں سے وہ تھوڑی دیر پہلے چلی گئی تھی۔

یہ دروازہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ وقت کا کوئی ریورس

گمبیر نہیں ہوتا، اگر ہوتا تو وہ واپس جا کر ذوناش سے اپنے عہد و پیمان واپس لے لیتا اور اس کے اظہار محبت کے جواب میں اس کی حوصلہ افزائی کرتا، مگر وہ سب معافی کا حصہ بن چکا تھا، اس کے چاہنے یا نہ چاہنے سے اب کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔

☆☆☆

آج وہ اپنے دل کے ہاتھوں ہار گیا تھا، محبت کسی گہرے زخم کی طرح اسے نڈھال کر گئی تھی، آج اسے احساس ہوا تھا کہ ذوناش کے دل پہ اس وقت کیا گزر رہی ہوگی، جب وہ بار بار اس کے پاس امید و مبہم کے ساتھ محبت کے بادبان کھولنے آئی تھی، مگر محبت کے سمندر میں نہ اسے کشتی ملی تھی اور نہ بادبان کھلے تھے اسے ذوناش کی بددعا لگ گئی تھی، آج وہ خود کو بے بسی کی اسی انتہا پہ محسوس کر رہا تھا آج ذوناش کا نکاح تھا صبح ہی سے کمال پیلس کو سجانے سنوارنے کا سلسلہ جاری تھا، صبح سے شام ہوگئی تھی کومیل کو تھوڑی دیر بعد ہونے والی رات سے ڈر لگ رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد اس کا مرسل سے نکاح ہونے والا تھا، کمال پیلس میں مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، وہ ایک بے جان وجود کے ساتھ اپنی ڈیوٹی نبھا رہا تھا۔

ذوناش خوبصورت عروسی لباس پہنے تیار ہو چکی تھی، کومیل کے اندر اور باہر سناٹا چھایا ہوا تھا۔

کمال قریشی کومیل سے ذوناش کی سیکیورٹی کے حوالے سے نہایت فکر مندی ڈسکشن کر رہے تھے اور کومیل نے ہر لحاظ سے انہیں بے فکر رہنے کی یقین دہانی کروائی تھی۔

کمال پیلس کے چاروں طرف گارڈز کو ہائی الرٹ کر دیا گیا تھا وسیع لان میں خوبصورت فریش فلاورز کا اسٹیج بنایا گیا تھا۔

کبیر قریشی، عالیہ بیگم اور مرسل بھی کمال پیلس پہنچ گئے تھے، کومیل کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، جب زوئے تیار ہوئی ذوناش کو لے کر لان میں اسٹیج کی طرف بڑھی تھی، جہاں مرسل پہلے سے براجمان تھا، فوٹو گرافر دھڑا دھڑ اس کی تصویریں لے رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اسٹیج کی طرف آ رہی تھی۔

مرسل نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ذوناش کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اسے اسٹیج تک آنے میں مدد دی تھی، لان میں بہترین ساؤنڈ سسٹم کی بدولت مشہور سونگ ''اب تم ہی ہو'' کی دھن گونج رہی تھی۔

اسٹیج کے پاس کھڑے کومیل آفریدی کا دل ڈوب رہا تھا وہ جانتا تھا اگر وہ لحہ بہ لحہ مر رہا تھا تو زندہ وہ بھی نہیں تھی، وہ یہ سب یقیناً مجبوراً کر رہی تھی، اچانک اس کی بے بس نظریں کومیل کی جانب اٹھی تھیں اور پھر اگلے ہی لمحے ان میں پانی تیر گیا تھا۔

مرسل اب اس کا ہاتھ تھامے فوٹو گرافرز کو پوز دے رہا تھا، کمال قریشی اسٹیج کے ساتھ بنے ڈائس پہ آ کر لان میں موجود تمام مہمانوں کو اس تقریب میں شرکت کے لئے آنے پہ شکریہ کہنے والے تھے، مرسل اور ذوناش اب خوبصورت صوفے پہ ایک ساتھ بیٹھ چکے تھے، کبیر قریشی، مولوی صاحب کو لے کر اسٹیج کی طرف آ رہے تھے، کومیل کو ایسا لگا جیسے تھوڑی دیر کے بعد اسے کوئی سزائے موت سنانے والا تھا، اس کا سانس اس کے سینے میں دب رہا تھا، اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کنگال ہونے والا ہے کچھ لمحوں کے بعد اس کے پاس کچھ نہیں رہنا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

ایسا بھی ہوتا ہے

کنول ریاض

''یار چاچو، اللہ کا واسطہ ہے اب کسی کھونٹے بندھ جاؤ تاکہ میری باری آ سکے۔''
حمدان نے حیدر کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے دہائی دی تھی۔
''نہ یہ تم ہر بار مجھے یہی بات کیوں سناتے ہو جاؤ بے غیرت انسان اگر اتنی ہی جلدی ہے تو کنوارے چچا سے پہلے اپنے سر پہ سجا لو سہرا۔''
حیدر نے حمدان کی بات پہ برا مناتے ہوئے زور دار لہجے میں کہا۔
''ہاں تو کنوارے چچا کو بڑی شرم ہے بھلا، اتنی غیرت والے بنتے ہیں ناں تو سوچ لیں پھر ارم کو کسی اور کی بہو بنتے دیکھ سکیں گے آپ۔''
حمدان نے اپنی محبوبہ کا نام لے کر اسے غیرت دلائی تھی۔
''اوئے خبردار کسی نے میری بہو کی طرف اس نیت سے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو۔'' کنوارے چچا کے اندر سسر کی روح بیدار ہوئی تھی۔
''تو پھر جلدی سے کسی لڑکی کو میری چچی بنا دیں ورنہ ارم کے اماں باوا نے اس کی شادی کہیں اور کروا دینی ہے، وہ بہت سنجیدہ ہیں اس کی جلد شادی کے لئے۔'' حمدان نے دونوں ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھ کر منت بھرے انداز میں کہا۔
''ایسے کیسے ممکن ہے یار، تو خود سوچ اب ایسے ہی تو منہ اٹھا کر میں کسی بھی لڑکی سے تو شادی نہیں کر سکتا ناں۔'' اب کے حیدر نے بے چارگی بھرے کہا تو اس لہجے پہ حمدان تپ ہی تو گیا۔
''اس معصومیت پہ کون نہ مر جائے اے خدا، کچھ تو اللہ کا خوف کریں چاچو، اب تک بلا مبالغہ بیس لڑکیوں کو تو ریجیکٹ کر ہی چکے ہیں آپ، اگر پہلے دوسرے رشتے پہ ہی اوکے کر دیتے تو اب تک آپ کا پہلا بچہ کے جی پاس

مکمل ناول

کر کے ون میں جانے والا ہوتا۔" حمدان کی بات پہ حیدر باقاعدہ اچھلا تھا اور جھٹکے سے اسے پرے ہٹایا۔

"شرم کرو بدتمیز انسان، تمہیں بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں، کیسے منہ پھاڑ کر بچوں تک اور ان کے گریڈز تک پہنچ گئے ہو۔" حیدر کی بات پہ حمدان نے غصے سے حیدر کو گھورا۔

"بس کریں چاچو، آپ کی نوٹنکی اب کے کسی کام نہیں آئے گی اور رہی بچوں کی بات تو اب تو لڑکیاں بھی اتنا نہیں شرماتی اس بات پہ اس لئے آپ کا یہ شرم تمیز والا ڈرامہ فلاپ اور ایسا کیا جھوٹ کہا میں نے، آپ کو وہ صائمہ آنٹی یاد ہیں ماما کی کزن جن کے لئے مما نے آپ سے کہا تھا" حمدان نے حیدر کو لتاڑتے ہوئے کہا تو حیدر سوچنے پہ مجبور ہو گیا۔

"کون صائمہ؟ اچھا وہ تمہاری مما کی ماموں زاد۔"

"جی وہی۔" حمدان نے حیدر کی بات کو درمیان میں سے ہی اچک لیا۔

"ان کا بڑا بیٹا نو کلاس میں ہے۔" حیدر کو خفگی سے گھورتے حمدان نے اطلاع دینے کے انداز میں کہا۔

"تو اس میں میرا کیا قصور خود ان صائمہ بی بی نے جھٹ منگنی پٹ بیاہ اوپر سے کاکا، ٹھاہ، والا کام کیا ہے، اب اس کا بیٹا نو میں ہو یا فرسٹ ائیر میں مجھے کیا؟ میرا بیٹا تھوڑی ہے وہ جو میں اس کی کلاس پہ غور فرماؤں۔" حیدر نے خفگی سے کہہ کر منہ پھیر لیا۔

"یہی تو، وہ آپ کا اور صائمہ آنٹی کا مشترکہ بیٹا بھی تو ہو سکتا تھا اگر آپ مان جاتے تو؟" حمدان نے تو پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو اب زندگی میں بندے نے ایک ہی شادی کرنی ہے اور وہ بھی من پسند ساتھی سے نہ کرے تو پھر فائدہ، ساری زندگی کسی ناپسندیدہ ہستی کے ساتھ زندگی گزارنے کا جگرا مجھ میں تو نہیں ہے بھتیجے۔" حیدر نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے صوفے پر پھیلتے ہوئے کہا۔

"نہ صائمہ آنٹی میں کمی کیا تھی، آپ یہ تو بتائیں ناں مجھے ویل آف فیملی سے تھیں، خوبصورت ترین لڑکی تھیں مما کے خاندان میں اور اوپر سے اعلیٰ تعلیم یافتہ۔" حیدر نے تاسف سے سوال کیا۔

"سب سے پہلی بات مجھے کسی بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی نہیں کرنی بس یہی اعتراض تھا یار، ورنہ تو پیاری واقعی بہت تھی وہ، پر یار اتنی پیاری بھی نہ ہو بیوی کہ میاں غم روزگار میں سر سے گنجا ہو جائے اور نکلی توند کے ساتھ خاوند کم ابا زیادہ لگے۔" حمدان کے سوال پہ حیدر نے اس کی طرف جھکتے گویا پتے کی بات بتائی تھی اسے۔

"قسم سے چاچو آپ کی منطق بھی جہاں بھر سے نرالی ہے لوگ پڑھی لکھی لڑکیوں کی ڈیمانڈ کرتے ہیں اور آپ، اور رہی بات خوبصورتی کی تو مرد خود جتنا بھی کم صورت ہو بیوی پیاری ڈیمانڈ کرتا ہے پر آپ ناں؟"

"پیاری کی وضاحت تو میں نے کر دی بھتیجے اور عورت کو اتنا بھی پڑھا لکھا نہیں ہونا چاہیے کہ شوہر کے جھوٹ سچ کو فوراً تاڑ لے بھئی آخر مرد کی بھی پرائیویسی ہوتی ہے، اب کوئی نارمل پڑھی لکھی اتنی بحث تو نہیں کر سکتی، جتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور جاب کرنے والی بیوی، بس بھتیجے اسی لئے میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" حیدر نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے آنکھ دبائی تو حمدان اسے گھور کر رہ گیا۔

"اچھا چلیں چھوڑیں پرانی باتوں کو ابھی جو

می نے آپ کو تین عدد نئی نویلی تصاویر بمعہ کوائف کے پکڑائی ہیں وہ۔'' حمدان نے نئے سرے سے حیدر کی کلاس لی۔

''یار بھتیجے بات دراصل یہ ہے کہ مجھے ایک ایسی لڑکی کی تلاش ہے جو فریش گریجویٹ ہونے والی ہو، ہوئی نہ ہو، نارمل پیاری ہو اور اچھا کھانا پکانے اور کھانے کی شوقین ہو، جوان تینوں سے کوئی بھی نہیں ہے۔'' حیدر نے اپنی بار بار کی دہرائی لسٹ ایک بار پھر حمدان کو گنوائی۔

''اللہ کا واسطہ ہے حیدر چاچو زمینی حقائق پہ نظر رکھتے ہوئے اپنی خواہشات کا دامن مختصر فرما لیں، اب عام پیاری لڑکی کہاں سے ڈھونڈیں آپ کے لئے یا تو بہت پیاری ہوتی ہے یا عام لڑکی ہوتی ہے چلیں وہ بھی ڈھونڈ ڈھانڈ کر برآمد کر ہی لی تو کیا یہ ضروری ہے وہ گریجویشن کرنے والی ہو یا تو کر چکی ہو گی یا انٹرمیڈیٹ ہو گی پھر؟ اور اگر یہ بھی بالفرض اس میں خصوصیت موجود ہوئی تو پھر اچھا پکانا اور کھانا، دونوں خصوصیات یکمشت، ناپید ہیں میرے پیارے چچا، اس لئے آپ سے مجھ ناچیز کی پرزور اپیل ہے کہ اپنی پسند پہ نظر ثانی فرمائیں۔''

حمدان نے دائیں بائیں تاسف میں سر ہلاتے گویا حیدر کی عقل پہ ماتم کیا تھا جبکہ حیدر جو حمدان سے فرض کرنے پہ ہی خوش تھا کہ چلو لڑکی میں دو خصوصیات موجود ہیں تیسری بات پہ تڑپ اٹھا تھا۔

''نہ نہ بھتیجے ایسا مت کہو، جو اچھا پکانے کی شوقین ہے وہ اگر اچھا کھانے کی شوقین نہ ہوئی تو صرف میرے لئے تھوڑی ناں روز روز دو تین ڈشز بنائے گی، چلو شادی کے سال دو سال تو یہ مینو چلے گا مگر بچوں کے بعد، مشکل ہے پیارے اس لئے لڑکی کا اچھا کھانے کا شوقین ہونا ضروری ہے۔'' حیدر کی بات پر حمدان کا دل چاہا کہ اپنا سر کسی دیوار سے دے مارے اب اچھا کھانے کی شوقین سمارٹ ہو یہ کسی طور ممکن نہ تھا لیکن حیدر کو یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی اور وہ اچھی خاصی خوبصورت لیکن بھرے جسم والی لڑکیوں کو موٹا کہہ کر ریجیکٹ کر دیتا کہ یہ تو شادی کے بعد اور موٹی ہو جائیں گی۔

''میرا خیال ہے کہ مجھے ارم کو سمجھانا چاہیے کہ وہاں اس کے ماں باپ اس کی شادی کر رہے ہیں وہاں ہی چپ چاپ ہاں کر دے کیونکہ نہ میرے چچا کے من پسند چاچی ملے گی نہ ان کی شادی ہو گی اور نہ ہی میں اور ارم ایک ہو سکیں گے۔'' غصے سے کہتے حمدان پاؤں پٹختا وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ حیدر اسے پکارتا ہی رہ گیا۔

☆☆☆

''امی...... امی...... آپا کا رزلٹ آ گیا ہے۔'' زور زور سے چلاتا گھر میں داخل ہوا تو خدیجہ بیگم اور زویا سارے کام چھوڑ چھاڑ باہر کی طرف لپکیں۔

''یا اللہ خیر، پاس تو ہو گئی ناں؟'' دونوں ہاتھ سینے پہ رکھتے انہوں نے دہل کر پوچھا تھا، جبکہ خود زویا بھی ہمہ تن گوش تھی۔

''بس دو نمبروں سے رہ گئی۔'' ہمایوں نے صوفے پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا...... کس مضمون میں؟'' خدیجہ بیگم کی چیخ نما آواز نکلی، جبکہ زویا صاحبہ سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی تھیں۔

''یا اللہ جی! مانا کہ پیپر بہت اچھے نہیں ہوئے تھے مگر اتنے برے بھی نہیں ہوئے تھے کہ لڑھک ہی جاتی۔'' دل سے سسکی نما فریاد پہ زویا کے آنسو ٹپک پڑے۔

"ارے اماں ڈویژن رہ گئی دو نمبروں سے۔" ہمایوں نے ماتھے پہ ہاتھ مارتے خفگی بھرے انداز سے کہا۔

"کون سی فرسٹ؟" حیرت نما چیخ زویا کے منہ سے برآمد ہوئی تھی۔

کارکردگی کے بارے میں کوئی شک نہیں تھا جبھی اپنی حیرت در حیرت لہجے میں امڈ آئی، یہاں تو وہ خود سیکنڈ ڈویژن کے ہی آ جانے پہ اچھل پڑنے کو تیار تھی اور کہاں ہائی سیکنڈ واؤ، خود پہ زویا کو خود ہی رشک آیا تھا۔

"جی نہیں...... تھرڈ...... اگر آپ کے مزید دو نمبر کہیں سے کٹ جاتے تو تھرڈ پکی تھی۔" ہمایوں نے طنزیہ انداز میں کہا تو زویا کو پتنگے لگ گئے۔

"فٹے منہ تمہارا، منہ اچھا نہ ہو تو بندہ بات تو اچھی کر سکتا ہے اور کیا ہوا اگر اتنے مارکس ہیں تو، ہے تو سیکنڈ ڈویژن ہی ناں۔" ہمایوں کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی وہ واپس جانے کو پلٹی۔

"چلو پاس ہو ہی گئی ہو تو اب بی اے میں داخلے کی تیاری کرو، بے شک سادہ سے مضمون رکھ لو لیکن بی اے کی ڈگری چاہیے مجھے۔" ایف اے میں پاس ہونے کے بعد خدیجہ بیگم کو حوصلہ ہوا تو اگلا حکم صادر فرمایا۔

"کیا؟ ہرگز نہیں امی میں اب بالکل بھی مزید نہیں پڑھوں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے آپ نے خود کہا تھا ناں کہ ایف اے کر لو بڑی بات ہے۔" زویا نے تڑپ کر کہا، اسے پڑھائی سے سخت چڑ تھی۔

"ہاں ناں وہ تو اس لئے کہا تھا کہ مجھے کوئی امید نہ تھی تمہارے پہلی بار پاس ہونے کی، مجھے تو لگا تھا کہ میٹرک کی طرح ایف اے میں بھی دو سے تین سال لگاؤ گی لیکن اللہ کی مہربانی سے اگر پاس ہو ہی گئی ہو تو اب لگے ہاتھ بی اے بھی کر لو۔" خدیجہ بیگم نے لگی لپٹی رکھے بغیر بیٹی سے کہا تو زویا بی بی کے سچ مچ آنسو نکل آئے۔

"امی! مجھ سے اب یہ مشکل کام نہیں ہو گا۔" سسکیاں بھرتی بیٹی کے وجود نے خدیجہ بیگم کو تڑپا ہی تو دیا تھا۔

"ارے میری جان اچھا چلو تم پیپر مت دینا لیکن داخلہ تو لے لو تو ایک بار میری بچی اب اچھے رشتوں کے لئے اچھی پڑھائی بھی بہت ضروری ہے بے شک تمہارے ہاتھ میں ذائقہ ہے اور اللہ نے حسین صورت سے بھی نوازا ہے لیکن آج کل لڑکوں کے بڑے نخرے ہیں سو ایسے میں بی اے کرنا اگر ضروری ہے تو چلو تمہارے لئے یہ آسانی کہ تم صرف داخلہ لے لو بعد میں یہ تو کہہ سکیں گے کہ بچی نے داخلہ لیا تھا بس کسی وجہ سے پیپر نہیں دے سکی، دو سال کا عرصہ کافی ہوتا ہے، اس میں کوشش کر کے کوئی اچھا رشتہ ڈھونڈ کر تمہاری شادی کر دیں گے اللہ اللہ خیر صلہ۔" خدیجہ بیگم نے اتنی پرفیکٹ پلاننگ کی کہ زویا کے ساتھ ساتھ ہمایوں بھی عش عش کر اٹھا، زویا کو کوکنگ کا اور بننے سنورنے کا بے حد شوق تھا جبھی سلیف گرومنگ اور کوکنگ کے ان گنت کورسز کیے ہوئے تھے اور مزید ساتھ ساتھ کرتی رہتی تھی لیکن اتنی ہی اس کی پڑھائی سے جان جاتی تھی، جبھی میٹرک بھی تین سالوں میں کر پائی تھی اور اب جبکہ اس کی کلاس فیلوز بی اے کرنے کی تیاریوں میں تھیں تو زویا بی بی بمشکل ایف اے کر کے اپنی طرف سے پڑھائی کو خیر باد کہہ چکی تھیں لیکن اب خدیجہ بیگم کی طرف سے بی اے کی کچ نے اس کو ڈرا ہی تو دیا تھا، لیکن خدیجہ بیگم کی بات سے اتفاق کرتے اس نے بی اے میں داخلہ کی حامی بھر لی تھی مسئلہ تو شادی کا تھا ناں اگر داخلے سے

ہی کام چل سکتا تھا تو اسے کیا ضرورت تھی بی اے
کی مشکل پڑھائی سے سر پھوڑنے کی سو وہ گنگناتی
ہوئی کچن کی طرف چل دی جہاں چکن جلفریزی
اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

''حمدان آخر ایسا کب تک چلے گا۔'' ارم
نے پاؤں پٹختے ہوئے حمدان سے کہا۔
''قسم لے لو ارم میں خود بہت پریشان ہوں
اس سلسلے میں کل بھی چاچو سے زوردار قسم کی بحث
کی ہے میں نے لیکن، وہ اپنی ڈیمانڈ سے ایک
انچ بھی ہلنے کو تیار نہیں ہیں۔'' بالوں میں ہاتھ
پھیرتے حمدان نے تاسف بھرے لہجے میں کہا تو
ارم کو پتنگے لگ گئے۔
''تمہارے یہ چاچو کسی دن میرے ہاتھوں
قتل ہو جائیں گے حمدان۔'' ہاتھ پہ ہاتھ مارتے
اس نے غصے سے کہا۔
''ایسے تو نہ کہو یار میری جان جگر ہیں وہ۔''
حمدان حیدر کی بے عزتی پہ تڑپ ہی تو اٹھا تھا۔
''تو جاؤ پھر اپنے ان جگر، گردے جان،
چاچو کے لئے ڈھونڈو اعلیٰ قسم کی چچی بلکہ یوں کرو
آرڈر پہ بنوا لو اتنی نایاب قسم کی چاچی، اس دنیا
میں ملنے سے تو رہی یا پھر ایک حل اور ہے یوں
کرو مریخ یا پھر کسی اور سیارے پہ ڈھونڈ لو اپنے
چاند چاچو کے ساتھ جا کر شاید کوئی ان کو مل ہی
جائے۔'' خطرناک حد تک سنجیدگی اختیار کرتے
ہوئے ارم نے حمدان پہ طنز کی بوچھاڑ کر دی۔
''افسوس ڈیئر! یہ مشورہ تم نے پہلے نہیں دیا
ورنہ میں چاچو کے ساتھ ساتھ ایک آدھ اپنے لئے
بھی......'' لبوں میں مسکراہٹ دباتے حمدان نے
بات ادھوری چھوڑ دی تھی لیکن اس کی آدھی
ادھوری بات ارم کو تمام جزئیات سمیت سمجھ میں آ
گئی تھی۔

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارے چاچو، میں
ہی بے وقوف ہوں جو پچھلے دو سال سے تم جیسے
گدھے سے محبت کر بیٹھی ورنہ اب تک کسی اچھے
لڑکے کے ساتھ بیاہی بھی جاتی اور اب جبکہ
امتحان ہونے والے ہیں تو تم لکھ لو میری بات
اب کے ضرور میں کسی نہ کسی کے نام کی انگوٹھی
پہن لوں گی ابھی تک بابا سب کو یہی کہتے رہے
کہ میری بیٹی کا ماسٹرز مکمل ہو لے تو اب تو سرے
سے کوئی بہانہ ہی نہیں رہے گا اس لئے تم اب
ضرور اپنے اس کھڑوس چچا کے ساتھ ساتھ اپنے
لئے بھی کوئی نمونہ ڈھونڈ لو کیونکہ اب میں خود بھی
تمہارے رشتے سے انکار کر دوں گی اگر وہ اس
صدی میں میرے لئے آ سکا تو۔'' غصے سے حمدان
کو بے نقط سناتے ہوئے ارم اپنی کتابیں سنبھالتی
اٹھ کھڑی ہوئی تو حمدان کو الٹا لینے کے دینے پڑ
گئے۔
''ارے...... ارے...... یار میں اب تو
مذاق کر رہا تھا، قسم سے اور چاچو کی بات ہے تو،
بس اب ماما، پاپا اگلے ماہ پاکستان آ رہے ہیں اور
اس بار چاچو کی شامت پکی ہے کیونکہ ماما نے کہہ
دیا ہے کہ اگر اب چاچو نے کوئی لڑکی پسند نہ کی تو
پھر وہ جس سے دل کیا زبردستی چاچو کی شادی کروا
دیں گی، بقول ماما اب نخرے دیکھائے گئے تو پھر
دس سال بعد بابے ہو جائیں گے اور کوئی رشتہ
نہیں ملے گا۔'' حمدان نے ارم کو ٹھنڈا کرنے کے
لئے ساری بات اگل دی۔
''ہاں تو صحیح کہہ رہی ہیں ناں آنٹی اب کر
بھی لیں چاچو شادی، تاکہ ہماری بھی باری آئے،
میں سچ کہہ رہی ہوں حمدان اب میں امی بابا کو
مزید انتظار نہیں کروا سکتی کوئی بہانہ بھی تو ہو
میرے پاس اور ابھی تو ہمیں کوئی حل بھی ڈھونڈنا
ہے اپنی اپنی فیملیز کو ملوانے کا کیونکہ میرے گھر

والے کبھی بھی لومیرج کی اجازت نہیں دیں گے بھلے وہ ان کی پسند سے ہی کیوں نہ ہو۔'' ارم نے منہ بناتے اپنا دکھڑا رو دیا۔
''بس یار دعا کرو یہ چاچو کسی کھونٹے سے بندھ جائیں پھر کوئی حل ڈھونڈ ہی لیں گے۔'' حمدان نے ارم کو دلاسا دیا تو وہ سر جھٹکتی کتاب کھول کر بیٹھ رہی جبکہ حمدان ادھر ادھر نظریں دوڑاتا زیرلب گنگنانے لگا۔

☆☆☆

''یار حمدان! ارم کے کیا حال چال ہیں؟'' حیدر نے چینل سرچنگ کرتے حمدان سے استفسار کیا۔
''ہوں...... ٹھیک ہے...... آپ کو...... سلا......م کہہ رہی تھی۔'' حمدان نے پاؤں میز پر پھیلاتے سلام پر زور دیا تو حیدر ٹی وی چھوڑ چھاڑ حمدان کی طرف گھوما۔
''کیا...... کون کون سی گالیاں دی ہیں اس نے مجھے؟'' حیدر کے بے ساختگی سے کہنے پہ حمدان نے خفگی سے اسے گھورا۔
''یہ پوچھیں کون کون سی نہیں دی۔'' حمدان نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔
''حد ہے بھئی، بڑی بدلحاظ ہے یہ آج کل کی نسل بھی ابھی شادی ہوئی نہیں اور نے کے چچا سسر کی بے عزتی کر ڈالی، کوئی ضرورت نہیں ایسی لڑکی سے نیا رشتہ بنانے کی بات دوستی تک ہی ٹھیک ہے۔'' حیدر نے غصے سے حمدان کو گھورتے نیا فرمان جاری کیا۔
''بے فکر رہیں وہ خود ہی اس نئے کیا پرانے رشتے کو بھی لات مار کر چلی گئی ہے۔'' حمدان نے بسورتے ہوئے جواب دیا۔
''کیا...... مگر...... کیوں؟'' حمدان کی بات سمجھتے حیدر چلا پڑا۔
''اس کی وجہ بھی آپ ہی ہیں، نہ اپنی نیا پار لگاتے ہیں اور نہ ہی میری لگنے دیتے ہیں، وہ کب تک انتظار کرے آخر۔'' حیدر کے چلانے پہ حمدان نے بے نقط سنائیں۔
''لو...... میرا کیا قصور ہے بھلا، مجھ معصوم کو راہ جاتے رگید ڈالتے ہو تم لوگ، میں نے تھوڑی روکا ہے تم لوگوں کو ملنے ملانے سے یا شادی کرنے سے۔'' حیدر نے غصے سے حمدان کو گھورتے اپنی صفائی دی۔
''ہاں...... ہاں اتنے ہی دودھ سے دھلے ہیں ناں آپ، اب ننھے بچے کا کے مت بنیں سب پتا ہے آپ کو کہ آپ کتنے معصوم ہیں، جب تک آپ کسی کھونٹے سے نہیں بندھیں گے مجھے میرے اماں ابا تھوڑی سہرا باندھیں گے اور تو اور ابھی تک ارم کے گھر والوں سے کوئی راہ و رسم بھی نہیں بڑھائی آپ نے۔'' حمدان نے اپنی ساری بھڑاس حیدر پہ نکالی۔
''بھتیجے ہو بھتیجے ہی رہو اتنی خفگی دکھا کر میرے ابا جی بننے کی کوشش مت کرو، ارے میں کوئی گدھا، گھوڑا ہوں جو کسی کھونٹے سے بندھ جاؤں، آ لینے دو اس بار بھائی بھابھی کو کہہ دوں گا کہ میری چھوڑیں اپنے اس بے شرم بیٹے کی شادی کر دیں جس کو کنوارے چچا سے پہلے سہرا باندھنے کی جلدی ہے اور راہ و رسم والی بات کا طعنہ مت دو میں اگر چاہوں ناں تو اگلے دو دن میں اس کے گھر کے اندر بیٹھا چائے پی رہا ہوں گا، سمجھے۔'' حیدر نے چٹکی بجاتے گویا حمدان کو چیلنج دیا۔
''رہنے دیں آپ، چائے پی رہا ہوں گا۔'' حمدان نے چڑ کر بات دہرائی تو حیدر تپ گیا۔
''مجھے چیلنج مت دو بھتیجے، اگر میں اپنی کرنی پہ آ گیا تو تمہیں منہ چھپانے کے لئے جگہ نہیں

ملے گی میری جیت اور اپنی ہار کی بدولت۔" حیدر نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

"چلیں ڈن، اگر آپ ارم کے گھر والوں سے واقفیت بنا لیں تو میں اور ارم آپ کے لئے آپ کی پسند کی لڑکی ڈھونڈ کر ہی دم لیں گے۔" حمدان نے شرط لگائی۔

"اور جب تک اپنی شادی کا نام نہیں لو گے۔" حیدر نے اسی کی شرط کو آگے بڑھایا اس کی بات پر سوچتے حمدان نے سر ہلا دیا۔

"ڈن۔" حمدان کی ہاں نے حیدر کو مسکرانے پہ مجبور کر دیا جبھی اپنی مسکراہٹ کو چھپاتے وہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا اور رہا حمدان تو وہ اسی بات پہ شکر منانے کو تیار تھا کہ کسی طریقے سبھی ارم کے گھر والوں سے راہ و رسم تو بڑھے۔

☆☆☆

"یہ کرتا کیسا ہے ارم؟" صدف نے ارم کو آف وائٹ کرتا دکھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں...... اچھا ہے۔" میسج کرتے ایک پل کو ارم نے جواب دیا اور پھر سے میسج ٹائپ کرنے لگی۔

"کیا ہے ارم! میں تمہیں اس لئے شاپنگ پہ ساتھ لائی تھی کہ تم اچھا مشورہ دو گی اور تم ہو کہ اپنے اس موبائل کی جان ہی نہیں چھوڑ رہی۔" صدف نے جھنجھلا کر ارم کو ڈپٹا۔

"سوری یار! بس میں یہ ٹائپ کر لوں۔" ارم نے جلدی سے میسج ٹائپ کر کے سینڈ کا بٹن دبایا اور صدف کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اور کتنی شاپنگ رہ گئی ہے تمہاری۔"

"ابھی لیا ہی کیا ہے میں نے، تم اپنے موبائل سے نکلو تو میری کچھ مدد کرو ناں مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" صدف شرٹس آگے پیچھے کرتے ہوئے بولی۔

"یہ یلو شرٹ اچھی ہے اور یہ پنک بھی۔" ارم نے شرٹس کھنگالتے ہوئے دو شرٹس نکالیں۔

"ہوں...... اچھی تو ہیں لیکن ارم یلو کے پہلے ہی میرے پاس تین ڈریس ہیں اور یہ پنک، اس کا کلر کچھ کچھ اڑا ہوا نہیں لگ رہا۔" صدف کو مشکل سے کچھ پسند آیا تھا جبھی کوئی بھی اس کے ساتھ شاپنگ پہ نہیں آتا تھا، ارم نے بھی پہلے تو اس کے ساتھ آنے میں آنا کانی کی لیکن پھر کچھ سوچ کر تیار ہو گئی تھی یہ الگ بات کہ گھر سے نکلنے سے لے کر مال آنے تک وہ مسلسل اپنے موبائل کے ساتھ مصروف رہی تھی اور اب صدف کے جھنجھلانے پر اسے بیگ میں رکھا تھا۔

"میم میں آپ کی کچھ مدد کروں؟" مسلسل چار ایک کھنگالنے کے بعد بھی جب صدف صاحبہ کو کچھ پسند نہیں آیا تو ایک سیلز بوائے نے آگے بڑھ کر شستہ انگریزی میں استفسار کیا تھا۔

"کیوں ہم آپ کو لولی لنگڑی نظر آ رہی ہیں یا ہم دونوں نے آنکھوں پہ کالا چشمہ چڑھا رکھا ہے۔" صدف نے تپ کر جواب دیا جبکہ سیلز بوائے ہکا بکا اسے دیکھنے لگا تھا۔

"صدف!" ارم نے اسے گھرکا۔

"تم تو چپ ہی رہو، انگریزی کی قدردان تم بھی اس میرا کے بھائی سے کچھ کم نہیں ہو، ناں مجھے یہ بتاؤ کہ ہم دونوں شکل سے انگریز لگتی ہیں یا یہ نواب صاحب یورپ سے تشریف لائے ہیں جو ایک سیدھی سی بات اردو میں کہنے کی بجائے انگریزی میں منہ بگاڑ کر کر رہے ہیں۔" صدف کے اندر کی اردو دان انگڑائی لے کر بیدار ہو چکی تھی، جبکہ اس کی بات سیلز بوائے کے ساتھ ساتھ کسی اور نے بھی سنی تھی، جبھی وہ اپنا کام چھوڑ کے ادھر چلا آیا۔

''حسن تم جاؤ ان کو میں ڈیل کرتا ہوں۔'' سیلز بوائے کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر نووارد سے کہا تو سیلز بوائے سر ہلاتا آگے بڑھ گیا۔

''سوری میم، وہ دراصل اس مال میں زیادہ تر ویل ایجوکیٹیڈ لوگوں کا آنا جانا ہے اور وہ سب زیادہ تر انگلش میں ہی بات چیت کرتے ہیں اس لئے ورنہ ہم سب ہی پاکستانی ہیں اور اردو اچھی طرح بولنا جانتے ہیں۔'' نووارد نے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو صدف نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ویسے موسیٰ کا گواہ عیسیٰ والا محاورہ تو سن رکھا ہوگا آپ نے...... ویل...... سوری میم جیسے الفاظ بول کر آپ اردو جیسی خوبصورت زبان میں ملاوٹ جیسے سنگین جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں معلوم ہے آپ کو اور اس پہ اگر آپ پر کیس کیا جائے تو کوئی تگڑی سی دفعہ عائد ہو سکتی ہے آپ پہ۔'' صدف کے چبا چبا کر بولنے پہ سامنے والے کی مسکراہٹ لمحہ بھر میں غائب ہوگئی۔

''میں بہت معذرت خواہ ہوں محترمہ، آپ براہ مہربانی مجھے اس گستاخی کے لئے معاف فرمائیں، میں آئندہ ایسی سنگین غلطی کبھی نہیں کروں گا۔'' دانتوں تلے ہونٹ دبا کر اپنی مسکراہٹ روکتے اس نے گویا ہاتھ جوڑے تھے۔

''چلیں اب آپ کہہ رہے ہیں تو مان لیتی ہوں لیکن آئندہ احتیاط کیجئے گا۔'' صدف نے گویا احسان کیا اس کی جان بخشی کر کے۔

''آپ کی بڑی نوازش بہنا ویسے آپس کی بات ہے میں تو آج تک یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ دنیا میں واحد ہٹلر خاتون میری زوجہ محترمہ ہیں لیکن آج پتا چلا کہ ایسے نایاب فن پارے اللہ تعالیٰ نے کئی بنائے ہیں۔'' اپنی بات پہ خود ہی فلک شگاف قہقہہ لگاتے موصوف کو ابھی صدف کوئی جواب بھی نہیں دے پائی تھی جب ارم کے موبائل پہ بیل ہوئی اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ صدف کو بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر کی طرف دوڑی جبکہ صدف ارے ارے ہی کرتی رہ گئی۔

''افوہ...... ارم...... ایسی کیا افتاد آن پڑی تھی جو تم یوں مجھے کھینچتی باہر لے آئی ہو، تھوڑا سا اپنی اچھی اردو کا ہی رعب جھاڑ رہی تھی ناں، آفٹر آل تم پاکستانیوں کو بھی پتا چلے کہ ہم پاکستانی نژاد بھی اپنی زبان پہ عبور رکھتے ہیں۔'' آخری جملہ شستہ انگریزی میں بولتی صدف پکی انگریز لگی تھی، وہ اپنے والدین کے ساتھ عرصہ دراز تک لندن میں رہی تھی اور ارم کی یہ خالہ زاد صدف ایم اے اردو کرنے ہی لندن سے پاکستان آئی تھی اور اب ایم اے کے بعد وہ ایم فل کی ڈگری بھی عنقریب لینے والی تھی سو ایسے میں اردو بولنے کے یہ دورے اسے پڑتے ہی رہتے تھے۔

''بس اب کل کر لینا اپنی شاپنگ مجھے کل بہت ضروری ٹیسٹ دینا ہے، اس کی تیاری کرنی ہے گھر جا کر اور تم اگر دو گھنٹے ان مسکینوں کے ساتھ مغز ماری نہ کرتی تو اب تک تمہاری شاپنگ ہو چکی ہوتی، اب چونکہ قصور سراسر تمہارا ہے تو سزا بھی تم ہی بھگتو مجھے اب فوراً گھر جانا ہے۔'' پارکنگ ایریا میں مسلسل دائیں بائیں نظریں گھماتے ارم نے کہا تو صدف منہ بناتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی، گاڑی ارم کے پاس لا کر اس نے فرنٹ ڈور کھولا تو ارم نے جلدی سے اندر بیٹھ کر دروازہ بند کیا۔

''اوہ ایک منٹ، میرا دوپٹہ دروازے میں پھنس گیا۔'' ارم نے فوراً سے کہتے دوبارہ سے دروازہ کھولا اور ہاتھ بڑھا کر دوپٹہ اندر کیا جبکہ اس عرصے میں صدف کی نظر بچا کر وہ اپنا والٹ نیچے گرا چکی تھی، جسے صدف کے گاڑی نکال لینے

کے بعد حیدر نے پھرتی سے اٹھایا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھا مین روڈ پہ گاڑی لانے تک وہ حمدان کو اپنی کاروائی بتا چکا تھا، جو احتیاط کے پیش نظر ساتھ نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

''افوہ آپا، کتنی دیر ہے اب۔'' ہمایوں نے جھنجلاتے ہوئے زور سے زویا کو پکارا تھا۔

''کیا ہے ہمایوں، آ رہی ہوں۔'' کانوں میں جھمکے پہنتے زویا باہر کی طرف لپکی، ہینڈ بیگ پہلے ہی بازو میں لٹکا رکھا تھا۔

''او...... ہو...... آپا اللہ کا واسطہ ہے یہ جھمکے تو اتاریں، آپ داخلہ لینے جا رہی ہیں کسی کے ولیمے پہ نہیں جا رہیں جو اتنی تیاریاں کر رہی ہیں۔'' ہمایوں پہلے ہی زویا کے دیر کرنے پہ کوفت کا شکار تھا اور پھر سے اس کی تیاری دیکھ کر تپ گیا۔

''کیا ہے ہمایوں، اتنی پرفیکٹ تو لگ رہی ہوں اور تمہیں کیا پتا یہ تو ہلکی پھلکی تیاری ہے، ویسے پہ میں یوں دھلے منہ کے ساتھ تو جانے سے رہی۔'' زویا نے دوپٹہ کندھوں پہ پھیلاتے ہوئے کہا اور ہمایوں اس کے دھلے منہ کو دیکھ کر رہ گیا، بوتیک کا جدید تراش خراش کا سوٹ پارٹی میک اپ اور باقی ساری تیاری کے ساتھ اگر چہ وہ اچھی خاصی پیاری لگ رہی تھی لیکن سادہ نہیں۔

''خدا کا خوف کریں آپا اس حلیے میں آپ کی منگنی کا فنکشن آرام سے نمٹ سکتا ہے اور آپ ہیں کہ، حد ہے بھئی اچھا چلیں چھوڑیں جلدی کریں اب مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' ہمایوں نے بات لپیٹتے ہوئے اسے اٹھنے کو کہا، تو وہ بھی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی ان کے نکلنے کا سن کر خدیجہ بیگم بھی کچن سے باہر نکل آئیں۔

''جاؤ بیٹا، اللہ کی امان میں۔'' خدیجہ بیگم نے اس کا ماتھ چومتے ہوئے دعا دی تو زویا ان کے گلے میں جھول گئی۔

''اپنا وعدہ یاد رکھیے گا امی میں نے پیپرز نہیں دینے۔'' زویا نے ٹھنکتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں بیٹا مجھے یاد ہے بس میں تو اب صبح و شام یہی دعا کرتی ہوں کہ اللہ میری بیٹی کے نصیب کو جلد از جلد ہمارے گھر کی دہلیز تک لے آئے تا کہ میں اپنی شہزادی کی دھوم دھام سے شادی کر کے اس فرض سے تو سبکدوش ہوں۔'' خدیجہ بیگم نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا تو ہمایوں چڑ گیا۔

''جی...... جی آپ کی تو سات آٹھ بیٹیاں ابھی مزید پیچھے ہیں ناں، جو ان محترمہ کی شادی کے لالے پڑ گئے، ارے امی آپ بھی کمال کرتی ہیں ابھی آپا کی عمر ہی کیا ہے میں تو کہتا ہوں کہ ابھی کم از کم چار سال تک ایسی کوئی بھی پلاننگ مت کریں اور آپا تم بھی دل لگا کر پڑھو، ایم اے تو کر ہی لو یار اب تو لڑکیاں پی ایچ ڈی کرتی پھر رہی ہیں اور ایک تم ہو کہ بی اے بھی کرنے کو تیار نہیں۔'' خدیجہ بیگم تو ہمایوں کو دیکھتی رہ گئی جبکہ اس کے مشورے پہ زویا کو پتنگے لگ گئے۔

''دفعہ ہو جاؤ تم اپنے ان بے ہودہ مشوروں کے ساتھ حد ہے، میری جان پڑھائی کا نام سن کر ہی نکلنے لگتی ہے اور تم مجھے پی ایچ ڈی کی باتیں سنانے بیٹھ گئے ہو، کان کھول کر سن لو مجھے بی اے نہیں کرنا تو نہیں کرنا تم اپنی ہونے والی سوتی بیوی کو کروانا پی ایچ ڈی۔'' ہاتھ میں پکڑا ہینڈ بیگ ہمایوں کی کمر پہ مارتے زویا بی بی نے اس کی اچھی خاصی دھلائی کر ڈالی۔

''اوہو...... آپا مارو تو مت، میں تو تمہیں اچھا مشورہ ہی دے رہا تھا پر تم نہیں لیتی تو......

اچھا چلو بھی مجھے کیا تم بی اے کرو یا بیاہ یہ تمہارا اور ای ابو کا مسئلہ ہے۔" اپنا بچاؤ کرتے ہمایوں نے تنگ آ کر باقاعدہ ہاتھ جوڑ ڈالے۔

"ارے ہاں زویا، یاد آیا تمہارے ابو کو تو اس بات کی بھنک بھی نہ پڑے کہ ہمارے درمیان کیا بات ہوئی ہے ورنہ فوراً سے پہلے اپنی بڑی آپا کو بتانے چل پڑیں گے اور وہ سارے خاندان میں مشہور کر دیں گی۔" خدیجہ بیگم نے تنک کر کہا تو جہاں زویا نے تابعداری سے سر ہلایا وہیں ہمایوں کے حلق سے فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا تھا اور اس بات پر چڑ کر خدیجہ بیگم نے ایک دھپ اس کے کندھے پہ رسید کی۔

"دانت اندر کروا دینے اور اگر تم نے اپنے ابا یا پھپھو کو کچھ بتانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا، لندن جا کے پڑھنے کے سپنے سپنے میں ہی رہیں گے میں تمہارے ابو کے سفارش نہیں کروں گی۔" سدا کے پڑھا کو ہمایوں کی شہہ رگ پہ گویا ہاتھ ڈالا تھا خدیجہ بیگم نے تبھی وہ دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتا منہ کو زپ کرنے کا اشارہ کرتا باہر کی طرف لپکا تھا اور ہائی ہیل کی ٹک ٹک پہ زویا بی بی نے بھی اس کی پیروی کی تھی۔

☆☆☆

"ویسے صدف، تم بھی عجیب ہو کیا ضرورت تھی شاپ پہ اتنا ڈرامہ کرنے کی، مت مار کے رکھ دی ہے بے چاروں کی تم نے۔" ارم نے صدف کو گھورتے ہوئے کہا تو صدف کھلکھلاتے ہوئے ہنس پڑی۔

"ارے ڈرامہ کہاں، میں تو اچھی خاصی سنجیدہ تھی اور قسم سے مزا آ گیا، جب وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری اعلیٰ قسم کی اردو سن رہے تھے۔" صدف کے ہنسنے پر چڑ کر ارم نے اسے ایک دھپ رسید کی۔

"جی بڑے محظوظ ہو رہے تھے آپ کی اعلیٰ دار فع قسم کی اردو سن کر جبھی آخر میں بے چارے نے تنگ آ کر کہا تھا کہ تم اس کی بیوی سے بھی زیادہ اوکھی اور وکھری شے ہو۔" ارم کے چڑنے پہ صدف اور زور سے ہنس پڑی۔

"خیر اوکھی اور وکھری تو نہیں کہا تھا اس نے اور ویسے بھی یہ بھی کسی کسی لڑکی کا کارنامہ ہے کہ وہ سامنے والے بندے کو خود کو شادی شدہ منوا لے اور بہن بھائی کا رشتہ بنوا لے ورنہ تو یہاں پاکستان میں عجب ہی رواج ہے کہ دس دس بچوں کے باپ ہوتے ہوئے بھی ہر لڑکی پہ لائن مارنے کو تیار اور کنوارے بنے پھرتے ہیں مرد۔" صدف نے کہنے کے ساتھ ہی گاڑی پارک کرنے کے لئے پارکنگ ایریا میں موڑی تو ارم نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا، بسم اللہ دہی بھلے، ارم اور صدف کا فیورٹ تھا، وہ یہاں سے گول گپے اور بھلے چٹخارے لے لے کر کھاتی تھیں لیکن ابھی ارم کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔

"صدف پلیز یار گھر چلو، مجھے ٹیسٹ کی تیاری کرنی ہے ہم کل پھر آ جائیں گے یہاں۔" ارم نے منت بھرے انداز میں کہا۔

"جی نہیں، ایک تو تم نے مجھے شاپنگ نہیں کرنے دی اور اب گول گپے بھی نہیں کھانے دے رہی، سوری ڈیئر یہ ظلم میں برداشت نہیں کروں گی اس لئے چپ چاپ نیچے اترو اور اندر آ کر کھانے میں نہ صرف میرا ساتھ دو بلکہ بل بھی تم ہی پے کرو گی۔" اپنی طرف کا دروازہ کھولتے صدف نے ارم سے کہا تو ایک پل کو ارم نے صدف کو بغور دیکھتے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر سر نفی میں ہلاتی اندر کی طرف بڑھی۔

"صدف یار پیک کروا لو، گھر جا کر کھا لیں گے۔" ارم نے ایک بار پھر صدف کا ارادہ بدلنا

چاہا۔
"نہیں بھئی جو مزا یہاں بیٹھ کے کھانے میں ہے وہ گھر میں نہیں، اب اگر بندے کا مزید کھانے کو دل چاہے تو گھر میں کہاں سے اور ملیں گے۔" نفی میں سر ہلاتے صدف ٹیبل کی طرف بڑھی تو مجبوراً ارم کو بھی اس کی پیروی کرنا پڑی، صدف تیسری پلیٹ کے ساتھ انصاف کر رہی تھی جبکہ ارم سے بمشکل ایک ہی کھائی گئی، ویٹر کے بل لانے پہ صدف نے ارم کو اشارہ کیا۔
"چلو اب جلدی سے بل کی ادائیگی کرو شاباش۔" صدف نے آنکھ کے اشارے کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی کہا تو ارم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
"تم ہی دے دو یار، میں پاؤچ نہیں لائی۔" ارم نے بدقت کہا تھا، وہ ابھی صدف کو پاؤچ کی گمشدگی کا نہیں بتانا چاہتی تھی، اس نے حمدان کے معاملے کی اسے بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی، صدف لاابالی سی تھی اور پیٹ کی بھی ہلکی تھی اس کی ذرا سی لاپرواہی حمدان کو کھونے کا سبب بن سکتی تھی اور ارم یہ رسک لینے کو تیار نہیں تھی، جبھی وہ پاؤچ کی گمشدگی والے ڈرامے کو محض ایک حادثہ ظاہر کرنا چاہ رہی تھی لیکن اس کے لئے اسے شام تک کا انتظار کرنا تھا کیونکہ سیکرٹ صرف حمدان اور پاؤچ کا ہی نہیں تھا بلکہ ایک اور بات بھی تھی جس کا صدف کے علم میں آنا ابھی ضروری نہ تھا۔
"کیا مطلب تم پاؤچ گاڑی میں رکھ آئی ہو، حالانکہ میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ بل تم دو گی۔" بل ادا کرتے صدف نے خفگی بھرے انداز میں کہا تو ارم نے لاچارگی سے اسے دیکھا اب بتانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔
"وہ صدف...... مجھے لگتا ہے کہ میرا پاؤچ کہیں گر گیا ہے شاید، مال میں۔" ارم نے آہستہ سے کہا تو صدف یکدم اچھلی۔
"کیا...... کہاں؟"
"پتا نہیں...... مجھے کچھ یاد نہیں، شاپ میں جب تم بحث مباحثے میں الجھی تھی تب تک تو میرے ہاتھ میں تھا پھر پتا نہیں کہاں گیا؟" ارم نے اب کے تسلی بھرے انداز میں سارا مدعا صرف کے سر چڑھادیا۔
"شاپ میں اگر تمہارے پاس تھا تو پھر وہیں کہیں نہ رکھ دیا ہو، چلو ابھی چلتے ہیں کیا پتا مل جائے۔" صدف نے فوراً کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
"ارے نہیں یار، کیا پتا وہاں نہ ہو اور چھوڑو پرے، دو تین ہزار ہی تو تھے، اس میں کوئی بات نہیں۔" ارم نے صدف کا ارادہ سنتے ہی فوراً انکار کیا۔
"ارے ایسے کیسے چھوڑ دیں اور تم بھی اچھی ہو دو تین ہزار اتنی کم رقم بھی نہیں ہے بی بی، خود کماؤ تو پتا چلے کتنی مشکل سے کمائے جاتے ہیں پیسے۔" صدف، ارم کو بے نقط سناتی گاڑی کی طرف بڑی تو ناچار ارم کو بھی اس کے پیچھے جانا پڑا! تھا یہ اور بات کہ مال تک پہنچتے تک بھی ارم، صدف کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی رہی لیکن وہ محترمہ صاف صاحبہ ہی کیا جو مان لیں تھک ہار کر ارم نے چپ سادھ لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

ارم کے گھر کے باہر پہنچ کر حیدر نے فون پاکٹ سے نکالا اور حمدان سے ایڈریس کنفرم کرنے کے لئے کال ملائی۔
"ہیلو...... ہاں...... حمدان ذرا ایڈریس بتاؤ ارم کے گھر کا۔" حیدر نے ارم کے گھر کے

گیٹ کے پاس لگی نیم پلیٹ پہ نظریں گاڑتے ہوئے کہا اور دوسری طرف حمدان کے بتانے پہ سر ہلانے لگا۔

''گھر تو مل گیا بھتیجے اور ٹھیک دس منٹ بعد میں وہاں چائے پی رہا ہوں گا لیکن تم اپنا وعدہ یاد رکھنا۔'' گاڑی لاک کرتے حیدر نے حمدان سے کہا تو وہ فوراً چہکا۔

''یار چاچو، تم ایک بار اس کے ہٹلر ابا سے دوستی کرلو، میرا وعدہ ہے میں کبھی شادی کا نام نہیں لوں گا۔''

''چلو پھر رکھو فون میں ذرا اس کے ابا سے دو دو ہاتھ کرلوں۔'' حیدر نے کہتے ساتھ موبائل جیب میں رکھا اور ارم کے گھر کی بیل بجائی، دروازہ ایک ادھیڑ عمر عورت نے کھولا تھا۔

''جی..... کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' اس نے حیدر سے استفسار کیا۔

''وہ چوہدری صاحب گھر پہ ہیں، مجھے ان سے ملنا ہے۔'' حیدر نے نیم پلیٹ پہ نظر جمائے کہا۔

''جی اندر ہی ہیں، تسی آجاؤ میں چوہدری جی کو بتاتی ہوں۔'' ملازم نما خاتون اندر کی طرف بڑھی تو حیدر بھی اس کے پیچھے ہولیا، وہ خاتون حیدر کو اندر بیٹھا کر چوہدری صاحب کو مطلع کرنے گئی تو واپسی پہ جوس کا گلاس اس کے ہاتھ میں ٹرے اس نے حیدر کے سامنے رکھی۔

''وہ جی چوہدری صاحب نہا رہے ہیں بس تھوڑی دیر میں آجاتے ہیں، اتنے میں، میں آپ کے لئے چائے بنادوں یا فیر آپ کافی پیئو گے۔''

''ارے نہیں.....نہیں شکریہ آپ بس جلدی سے چوہدری صاحب کو بلوادیں۔'' حیدر نے کہا تو وہ سر ہلاتی باہر کی طرف چل پڑی۔

''اوئے کون..... آیا ہے زلیخا؟'' ملازمہ ..... باہر نکلا۔

ابھی باہر نکلی ہی تھی کہ ایک گرج دار آواز ابھری۔

''ابا واقعی ہٹلر کے خاندان سے لگتے ہیں آواز بھی کافی جاندار ہے۔'' حیدر ابھی یہی سوچ رہا تھا جب وہ رعب دار شخصیت دروازے میں نمودار ہوئی اور حیدر ان کے رعب کی بات ذہن لاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا، ان کی شخصیت کی سختی کے لئے استعمال کیے جانے والے الفاظ اس کے دماغ میں گھومنے لگے جو حمدان وقتاً فوقتاً استعمال کرتا رہا تھا، وہ دھیان پان سی جان والے ابا جی کہیں سے بھی ڈاڈھے نہیں لگ رہے تھے لیکن خیر۔

''السلام...... علیکم...... سر۔'' حیدر نے تمام سوچوں کو دماغ سے جھٹکتے ہوئے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''وعلیکم السلام، تشریف رکھیے۔'' ابا جی نے ہاتھ ملاتے ہی بیٹھنے کے لئے کہاں تو حیدر شکریہ کہتا بیٹھ گیا، ان کے ہاتھ کو اس نے صرف چھوکر چھوڑ دیا تھا کہ کہیں کوئی ہڈی ہی نہ ٹوٹ جائے۔

''برخوردار میں نے پہچانا نہیں آپ کو؟'' حیدر کو بغور دیکھتے چوہدری صاحب نے کہا تو حیدر نے ہاتھ میں پکڑا پاؤچ سامنے کیا۔

''وہ بھائی جی..... دراصل ہم پہلے کبھی نہیں ملے اس لئے، میں یہ..... دینے حاضر ہوا تھا، مجھے..... مارکیٹ میں ملا تھا آپ کے گھر کا ایڈریس تھا، تو میں یہیں لے آیا۔'' حیدر نے پاؤچ ٹیبل پر رکھ کر ان کی طرف سرکایا۔

''یہ بچی..... کسی..... کا..... ہے۔'' چوہدری صاحب کو بغور پاؤچ کو دیکھتے پا کر حیدر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔'' چوہدری صاحب نے پاؤچ اٹھا کر اندر سے کھولا اور سامنے موجود شناختی کارڈ

''زلیخا...... زلیخا۔'' چوہدری صاحب گرج دار آواز میں بولے تو حیدر دنگ رہ گیا۔
''اتنی سی جان اور ایسی جاندار آواز۔'' حیدر جی ہی جی میں ان کی جی داری پہ عش عش کر اٹھا، یہ الگ بات کہ اتنا سا بولنے کے بعد چوہدری جی کا سانس پھول گیا تھا۔
''جی...... جی...... چوہدری جی۔'' زلیخا ہانپتی کانپتی نمودار ہوئی دروازے سے۔
''کڑیاں کیتھے نیں۔'' انہوں نے غصے سے پوچھا۔
''وہ...... جی...... اوہ تے...... بازار گیاں نیں۔'' زلیخا نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔
''اچھا فیر چوہدرائن نوں بھیج اندر۔'' انہوں نے زلیخا کی خلاصی کرتے ہوئے کہا تو وہ فوراً اندر بھاگی۔
''ہائے ہائے چوہدری صاحب خیر تے ہے ناں، کڑیاں کولوں کی ہو گیا، اے جی تسی انج بولدے پئے اور پتا وی اے تانوں ساہ دی بیماری اے، ایہہ ناں ہووئے ادھا اندر تے ادھا باہر تے تسی اوتے، میرے منہ وچ سواہ (ہائے ہائے چوہدری صاحب خیر ہے ناں لڑکیوں سے کیا ہو گیا جو آپ اس طرح سے اونچا اونچا بول رہے ہیں پتا بھی ہے کہ آپ کو سانس کی بیماری ہے ایسا نہ ہو کہ آدھا سانس اندر رہ جائے اور آدھا باہر اور آپ اوپر (میرے منہ میں خاک)۔''
چوہدرائن کی صورت میں جو شخصیت اندر آئی تھی وہ بھی صحیح معنوں میں حیدر کی بولتی بند کروا گئی تھی، اس ڈبل ڈیکر شخصیت کو دیکھ کر حیدر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا، جو امیج اس نے چوہدری صاحب کا بنایا ہوا تھا اس پہ چوہدرائن صاحبہ من و عن پوری اترتی تھیں، حیدر ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔
''ایہہ ویکھ کڑیاں دے کم، آپ بازار پھر رہیاں نیں تے ایہہ پتا ہی نہیں کہ بٹوا کیتھے سٹ بیٹھیاں نیں، ہن جے پیساں دی لوڑ ہوئی تے (یہ دیکھو لڑکیوں کے کام خود بازار گئی ہیں اور پرس گم کر بیٹھی ہیں اب پیسوں کی ضرورت ہوئی تو کیا کریں گی)۔'' چوہدری جی نے ہاتھ میں پکڑا پاؤچ اور شناختی کارڈ چوہدرائن کی طرف بڑھایا۔
''ہائے میں مر گئی، گھر دا پتا تے تصویر وی نال لے کے پھر رہیاں سن، ہائے جے کسی بدمعاش دے ہتھے چڑھ جاندا تے فیر۔''
''بس بھلا ہو اس بچے کا، کسی شریف خاندان کا لگتا ہے بڑی مہربانی بیٹا جی نہیں تو کون آج کل کسی کی چیز واپس کرتا ہے۔'' چوہدری جی حیدر کی طرف منہ کر کے بولے تھے۔
''ہاں ہاں پتر بڑی مہربانی تیری، اللہ حیاتی دیوے۔'' چوہدرائن نے فوراً حیدر کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
''ارے نہیں...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں، یہ تو میرا فرض تھا، اللہ نے کوئی بہن دی نہیں لیکن میری بھابھی ماں نے لڑکیوں کی عزت کرنا سکھائی ہے میری اماں بھی میرے بچپن میں ہی مر گئی تھیں تو بھابھی ماں نے ہی پالا ہے مجھے اور ان کی تربیت ہی ہے کہ مجھے ہر لڑکی بہن ہی لگتی ہے بلکہ بھتیجی سمجھ لیں دراصل میرا بھتیجا بھی لگ بھگ اسی عمر کا ہے تو......'' حیدر نے سر جھکا کر اتنی مسکینیت سے کہا کہ سامنے والی دونوں شخصیات تڑپ اٹھیں۔
''ہائے ماں صدقے، پتر تو مجھے ہی اپنی ماں سمجھ لے، اتنا نیک شریف بچہ ہے تو، پر اللہ نے کیسی کمی دے دے ماں چھین کر۔'' چوہدرائن صاحبہ اتنی جذباتی ہوئی تھیں کہ فوراً آنسو ٹپک

پڑے ان کی آنکھوں سے اب اگر انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ حیدر صاحب اب تک پچاس ساٹھ بہنوں کو کسی نہ کسی کمی کی وجہ سے ریجیکٹ کر چکے تھے تو یقیناً چوہدرائن کا گھسن (مکا) ہوتا اور حیدر کا منہ لیکن خیر۔

''ارے نہیں نہیں، آپ کوئی اتنی زیادہ عمر کی تھوڑی ہیں، بالکل میری بھابھی جتنی عمر کی ہی ہیں میں آپ کو بھابھی بلکہ آپی کہہ لوں، اب آپ جیسی ینگ خاتون پہ آنٹی تھوڑی سجتا ہے۔'' حیدر نے مبالغے کی انتہا کر دی یہ الگ بات کہ دل میں دس بار اس جھوٹ پہ استغفار پڑھا تھا۔

''ہائے میں صدقے، کتنا عقلمند منڈا ہے، دیکھا جے چوہدری جی عمر اور موٹاپے نال نئیں ودھدی، ایک تسی او جیڑے میرے موٹاپے پیچھے میتوں بے بے جی نال رلا چھوڑ دے او عمر وچ (دیکھا چوہدری جی عمر موٹاپے سے نہیں بڑھتی چہرے سے پتا چلتی ہے اور بڑھتی نہیں موٹاپے سے اور ایک آپ ہیں کہ مجھے اپنی اماں کی عمر کا بنا دیتے ہیں۔''

حیدر کی زبان کے جوہر کچھ اس طرح سے کھلے تھے کہ چوہدرائن کے ساتھ ساتھ وہ چوہدری جی کو بھی مرعوب کر چکا تھا اور باتوں باتوں میں جب چوہدری چوہدرائن کو پتا چلا کہ لڑکا ابھی چھڑا چھانٹ پھر رہا ہے تو فوراً خاندان اور حسب نسب بھی پوچھ لیا جو اتفاق سے چوہدری صاحب کی ذات سے مل گیا تھا بس پھر تو چوہدرائن نے پکا پکا بہنایا گانٹھ لیا تھا حیدر سے اور حیدر ان کو اپنے گھر آنے کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ رابطے میں رہنے کا وعدہ بھی کر کے اٹھا تھا وہاں سے اور گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے حمدان کو سب کچھ ٹھیک ہونے کا سائن بھی سینڈ کر دیا تھا اور اب اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے گنگناتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

☆☆☆

''ایکسکیوزمی مسٹر ہم یہاں اپنا پاؤچ بھول گئی ہیں۔'' برٹش لہجے میں انگلش بولتی صدف کو دیکھ کر سامنے والے ہر بندے کا منہ کھلا رہ گیا تھا، جبکہ اپنی پریشانی میں صدف بی بی کا اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ ابھی کوئی گھنٹہ بھر پہلے انگلش بولنے پہ وہ کسی طرح مرنے مارنے پہ تل آئی تھی اور اردو کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر دلائل دے رہی تھی۔

''سوری مس، لیکن یہاں آپ کوئی چیز نہیں چھوڑ کر گئیں۔'' کاؤنٹر پہ موجود سیلز بوائے نے بتایا، تو صدف کا پارہ چڑھ گیا ارم نے لفٹ میں اسے ڈرتے ڈرتے بتا دیا تھا کہ صدف کا پاکستانی شناختی کارڈ بھی اسی پاؤچ میں تھا جو صدف نے خود ہی فوٹو کاپی کروانے کے لئے ارم کو دیا تھا، اس وجہ سے صدف کو زیادہ پریشانی ہوئی تھی، جبھی پھر سے سیلز بوائے پہ چڑھ دوڑی یہ الگ بات کہ اب کی بار لڑائی انگلش میں شروع ہو گئی تھی۔

''ارے...... ایسے کیسے...... پہلے بھی آپ لوگوں نے اسی لئے مجھ سے لڑائی کی کہ آپ میرا دھیان بٹا سکیں جبھی تو آپ آرام سے ہمارا پاؤچ چرانے میں کامیاب ہو گئے اور اب آپ صاف مکر رہے ہیں دیکھیں مسٹر ایمانداری سے ہمارا پاؤچ واپس کر دیں ورنہ میں آپ پہ پولیس کیس کروا دوں گی۔'' صدف نے دونوں بازو اوپر چڑھاتے باقاعدہ لڑائی کا سین بناتے ہوئے کہا، تو ارم نے اسے بازو سے پکڑا۔

''اوہو صدف، کول ڈاؤن ہو سکتا ہے کہ کہیں اور گر گیا ہو، سوری بھائی صاحب یہ تھوڑی......'' ماتھے کے پاس انگلی کو گول گول گھماتے ارم نے کھسکی ہوئی کا اشارہ کیا تھا اور صدف کے منہ نہ کرنے کے باوجود اسے گھسیٹتی

ہوئی باہر لے گئی، گھر پہنچنے تک صدف بڑبڑاتی رہی تھی جبکہ ارم اپنا کام کر چکنے کے بعد آرام سے سنی ان سنی کرتی باہر کے نظاروں میں گم ہوگئی، ابھی کچھ دیر پہلے حمدان کا میسج آ گیا تھا جس میں حیدر کی ان کے گھر جانے اور کامیاب ہونے کی خبر تھی سو ارم اب پرسکون ہو کر صدف سے بے نیاز آئندہ کے بارے میں سوچنے لگی تھی، گھر پہنچ کر ابھی وہ دونوں لاؤنج میں پہنچی ہی تھیں کہ چوہدرائن اور چوہدری جی کو اپنا منتظر پایا۔

''انکل میرا آئی ڈی گم ہو گیا ہے پاکپتن والا اب کیا ہوگا؟'' صدف رونی صورت بنائے فوراً ان کے قریب گئی تھی۔

''ناں تم لوگوں کو ضرورت کیا تھی اسے پرسوں میں رکھ رکھ کے پھرنے کی۔'' چوہدرائن نے خالص پنجابی ماں کی طرح ان کی خبر لی۔

''وہ اماں بس غلطی سے رہ گیا۔'' ارم نے فوراً وضاحت دی۔

''فوٹو کاپی کے لئے دیا تھا صدف نے پھر، یاد ہی نہیں رہا۔'' ارم کی بات پہ سر ہلاتے چوہدری صاحب صدف کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اوئے کوئی گل نہیں پتر ابھی ابھی ایک اللہ کا بندہ دے گیا ہے بڑا تم لوگوں کا اس میں تمہارا شناختی کارڈ ہی تھا جس کی وجہ سے اسے گھر کا پتا معلوم ہوا وہ تمہاری آنٹی کے پاس رکھا ہے لے لو۔'' چوہدری جی کی بات پر صدف فوراً ریلیکس ہوئی تھی جبکہ ارم نے اپنی مسکراہٹ بمشکل چھپائی تھی، اپنے پلان کی کامیابی پر وہ جتنا مسرور ہوتی کم تھا کیونکہ اس نے جان بوجھ کے صدف کا آئی ڈی رکھا تھا پتا اسی گھر کا درج تھا اسی لئے اس نے اپنا نام آنے ہی نہ دیا چاہے وہ آئی ڈی کی صورت ہی ہوتا اور یوں کام ہو گیا تھا، صدف نے فوراً اپنا آئی ڈی اٹھایا تو ارم نے آگے بڑھ کر پرس بھی اس کے ہاتھ میں دیا۔

''چلو اٹھو اب کمرے میں چلتے ہیں اس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے خوار ہی ہو گئیں۔''

اب اگر اماں ابا کو خبر نہیں ہوئی تھی کہ پرس ارم کا ہے تو کیا ضروری تھا کہ وہ انہیں بتاتی سو فوراً صدف کو لے کر وہاں سے اٹھی۔

''چوہدری جی منڈا تو بڑا گھبرو ہے پھر اپنی ذات کا بھی ہے اپنی ارم کے ساتھ بڑا جچے گا۔'' چوہدرانی جی ابھی تک حیدر کے خیال میں کھوئی تھیں جبھی من میں آئی بات چوہدری جی سے شیئر کرنے لگیں یہ الگ بات کی ان کی اس بات نے کمرے سے باہر نکلتی ارم کا آرام وسکون چھین لیا تھا۔

☆☆☆

''ہائے اللہ حمدان، اب کیا ہوگا؟ اس سے تو اچھا تھا کہ حیدر چاچو ہمارے گھر ہی نہ آتے۔'' ارم نے منہ بسورتے حمدان کو ساری بات بتاتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو میں نے بولا تھا ناں کہ میں آ جاتا ہوں تب تو تم اپنے ہٹلر ابا کی سفاکی کے قصے سنا سنا کر مجھے ڈراتی رہتی تھی اور پتا ہے حیدر چاچو کہہ رہے تھے کہ اوویں ڈرا ڈرا کے مار رہے تھے تم لوگ ارم کے ابا چڑی بھی نہیں مار سکتے، اتنے بانکے سے تو ہیں وہ۔'' حمدان نے ہو بہو حیدر کی نقل اتارتے ہوئے کہا تو ارم نے دو تھپڑ اسے رسید کیے۔

''بس یہ بکواس ہی کرنا آتی ہے تمہیں، کوئی کام کا مشورہ تو ہوتا نہیں ہے تم چچا بھتیجے کے پاس میرے ابا کی بہادری کا تب پتا چلے گا تمہیں جب وہ زبردستی مجھے تمہاری چاچی بنا دیں گے۔'' ارم کی بات پہ حمدان نے کندھا مسلتے ہوئے اسے گھورا۔

"اول فول بولنے کی ضرورت نہیں لڑکی اور
شرم کرو، اپنے ہونے والے مجازی خدا کو مار رہی
ہو لڑکی، تمہاری بخشش مشکوک لگ رہی ہے مجھے
اور اب یہ کام کا طعنہ نہ دینا ہم چچا بھتیجے کو،
تمہارے (Oposite Parents) (ایک
دوسرے کے الٹ والدین) کو شیشے میں تار لیا
ہے اور اب کیا کرنا باقی ہے حالانکہ یہ جتنے قصے
سسی پنوں، سوہنی مہوال کے مشہور ہیں ان میں
گھر والوں کو منانا ہی تو مشکل تھا، جبھی تو وہ ناکام
ہوئے تھے۔" حمدان نے غصہ بمشکل ضبط کرتے
ہوئے بات کو اور ہی رنگ میں بدلا۔

"بس...... بس...... باتیں کرنا ہی آتی ہیں
تم لوگوں کو۔" ارم نے ناک منہ چڑھاتے ہوئے
جواب دیا۔

"اچھا نا، تم کیوں فکر کرتی ہو حیدر چاچو ہیں
ناں وہ خود ہی ان کو منالیں گے اور اب تم چاچی
ڈھونڈنے کی فکر کرو کیونکہ میں نے چاچو سے وعدہ
کیا تھا کہ اگر وہ تمہارے گھر والوں سے دوستانہ
گانٹھ لیں تو پھر پہلے ان کے لئے لڑکی ڈھونڈیں
گے پھر اپنی شادی کی بات کریں گے۔"

"کیا؟" حمدان کی بات پہ ارم چلائی تھی
اور جہاں حمدان نے اس کی چیخ اس کر کانوں پہ
ہاتھ رکھا وہیں دو اور نفوس نے سر گھما کر ادھر دیکھا
اور ارم کو دیکھ کر ان کی بھی چیخ نکل گئی تھی۔

"ارے...... ارم آپی۔" ہمایوں نے زور
دار نعرہ لگایا اور فوراً جمپ لگا کر باڑھ کراس کرتا
حمدان اور ارم تک پہنچا تھا جبکہ زویا نے اپنے لئے
راہداری کا انتخاب کیا۔

"ارے زویا، ہمایوں تم لوگ یہاں۔" ارم
بھی ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جی آپی یہ زویا آپا کا ایڈمیشن ہوا ہے ناں
تھرڈ ایئر میں، آج ان کا فرسٹ ڈے ہے۔"
ہمایوں نے اپنی موجودگی کی وجہ بتائی۔

"ارے واہ، یہ تو اچھی بات ہے، کون سے
سبجیکٹ لئے ہیں زویا؟" ارم نے اپنے پاس
بیٹھنے کا اشارہ کرتے بات جاری رکھی تھی ہمایوں،
حمدان سے ہاتھ ملا کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"ڈمپل، آپ کو تو پتا ہے یہ محترمہ پڑھائی کی
کتنی چور ہیں اچھا پکانے اور کھانے کا جنون کم ہو
تو پروفیشنل پڑھائی کا سوچیں ناں۔" ہمایوں کی
شکایت پہ حمدان کے کان کھڑے ہوئے اور وہ جو
مجبوراً ارم کی وجہ سے ڈنوٹنک کا اشتہار بنے دانت
نکوس رہا تھا، فوراً زویا کی طرف متوجہ ہوا۔

"ارے واہ...... یہ تو اچھی بات ہے، ورنہ
اچھا پکانے والے اتنا کھانے کے شوقین نہیں
ہوتے؟" حمدان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"وہ کسی اور ہی دنیا کے لوگ ہوتے ہیں
بھائی۔" ہمایوں بولتے بولتے اٹکا تو ارم کو ان کا
تعارف کروانے کا خیال آیا۔

"حمدان، یہ ہمایوں اور زویا ہیں ہمارے
فیملی ٹرمز ہیں ان سے اور ہمایوں یہ حمدان ہیں
میرے کلاس فیلو۔" اور اس کے بعد باتوں کا ایک
نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، جس میں
حمدان نے زویا کے متعلق اگر پی ایچ ڈی نہیں تو
ایم فل ضرور کر لیا تھا اور اس دوران زویا کے ہاتھ
کے پکے مزیدار میکرونیز بھی نوش کی تھیں جو وہ لنچ
کے طور پہ بنا کر لائی تھی اور اس خیال سے زیادہ
لائی تھی کہ ایک دو کلاس فیلوز کو بھی کھلا کر داد لے
گی اور پھر جب زویا اور ہمایوں اجازت لے کر
اٹھنے تو ارم بھی ان کے ساتھ ہو لی تا کہ زویا کو
گائیڈ کر سکے جبکہ حمدان، حیدر کو میسج کرنے میں
مصروف ہو گیا جس میں اس نے چاچی وہ بھی حیدر
کی من پسند ڈھونڈ لینے کی خوشخبری سنائی تھی، یہ اور
بات کہ حیدر کی طرف سے کافی پھڑکتا ہوا جوابی

میسج موصول ہوا تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ۔
''جی بالکل بھتیجے جیسے ارم کے بابا ہٹلر تھے ویسی ہی یہ لڑکی بھی آسمانی مخلوق ہوگی۔'' اس کے جواب پہ حمدان کھلکھلا کر ہنسا تھا اور ارم کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا تا کہ باقی کی معلومات لی جاسکیں۔

☆☆☆

''یار چاچو، قسم سے بالکل پرفیکٹ لڑکی ڈھونڈی ہے میں نے آپ کے لئے بس اب آپ جلدی سے اسے میری چاچی بنا دیں۔'' حمدان نے دھپ سے حیدر کے پاس بیڈ پہ گرتے ہوئے کہا۔
''ارے جاؤ بھتیجے، اب میں تمہاری کسی بات میں آنے والا نہیں ہوں۔'' حیدر نے گھورتے ہوئے حمدان سے کہا۔
''ارے واہ چاچو، اب ایک بار اگر بندہ غلطی کر لے تو کیا ہر بار ہی اس کی بات غلط ہو گی۔'' حمدان برا مانے بغیر بولا اور پھر تھوڑا اور اس کے قریب کھسکا۔
''سیریسلی چاچو، یہ دیکھیں تصویر ارم نے ابھی ابھی بھیجی ہے۔'' حمدان نے اپنا موبائل حیدر کے سامنے کیا۔
''دیکھنے میں تو ٹھیک لگ رہی ہے باقی کا بائیو ڈیٹا۔'' حیدر نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی۔
''تھرڈ ائیر کی طلبہ ہے دو ہی شوق اچھا کھانا پکانا کھانا اور سلیف گرومنگ۔'' حمدان نے گویا کوزے میں دریا بند کیا۔
''ہوں معلومات تو کافی تسلی بخش ہیں جوان لیکن میں ملے بغیر حامی نہیں بھروں گا۔'' حیدر نے پھر سے نئی نہج لگائی۔
''ہاں تو ٹھیک ہے ناں آپ کل کیسی ٹائم یونیورسٹی آجائیں، ہو جائے گی ملاقات۔'' حمدان نے شاہانہ انداز میں دعوت دی۔
''جی نہیں، میں کوئی یونیورسٹی نہیں آ رہا، مجھے ڈائریکٹ اس کے گھر جانا ہے اور وہ بھی بغیر ان محترمہ کے علم میں لائے۔'' حیدر کی بات نے سارے شاہانہ مزاج پہ گویا پانی انڈیل دیا۔
''کچھ تو خدا کا خوف کریں چاچو، کیوں دن دیہاڑے جوتے مردانے کی باتیں کر رہے ہیں وہ بھی میرے متوقع سسرالیوں کی بغل میں، آپ کا کیا ہے نہ پسند آئی تو جواب دے دیں گے جبکہ مجھے اس جرم کی پاداش میں ارم سے دست بردار ہونا پڑے گا۔'' حمدان تڑپتے ہوئے بولا۔
''لو اب ایسی بھی کوئی نازیبا بات نہیں کی میں نے۔'' حیدر نے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔
''جی جی، مجھے زیبا جی کی ساری جھلک نظر آتی ہے آپ کی بات میں لیکن گستاخی معاف میرے پیارے چاچا جی، نہ تو ارم کے ابا محمد علی ہیں اور نہ ہی اس متوقع چاچی کا گھرانہ زیبا محمد علی کا متوالہ، اس لئے براہ مہربانی کوئی بندے کے پتر والی بات کریں، سوری دادا جی تو بندے ہی تھے آپ بندے کے ابے والی بات کریں، کیونکہ اگر یہی حالات رہے تو پھر ابا بننے کے کوئی چانسز نہیں ہیں آپ کے۔'' حمدان نے ایک ہی سانس میں بات مکمل کی تھی اور اب سائیڈ ٹیبل پہ دھرا پانی پینے لگا جبکہ حیدر اس کی باتوں سے مفہوم میں الجھ الجھ گیا، پانی پی کر حمدان نے ایک نظر حیدر کو دیکھا۔
''تو پھر ڈن، آپ کل یونی آجائیں۔'' حمدان نے اسے قائل کرتے ہوئے کہا۔
''نو، نیور جب تک میں اپنی شرط کے مطابق ان محترمہ سے مل نہیں لیتا کبھی شادی کے لئے حامی نہیں بھروں گا چاہے تم دس ہزار بار باہر ملاقات کرواؤ۔'' حیدر نے مرکو دائیں بائیں

پنڈولیم کی طرح ہلاتے ہوئے کہا تو حمدان تپ گیا۔

''نہ اس فضول ضد کی وجہ تو بیان فرمائیں ذرا آپ۔'' حمدان کی بات پہ حیدر نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔

''اب بھتیجے تم اتنا اصرار کر ہی رہے ہو تو میں اپنے نادر خیالات پہ روشنی ڈال ہی دیتا ہوں تاکہ تم بھی ان سے مستفید ہو سکو۔'' حیدر کی شرارت پہ حمدان مزید کڑھا۔

''جی.....جی.....ضرور۔''

''یار اب یہ تو لڑکیوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان کے ہاں آئے یا وہ کسی کے ہاں مدعو ہوں تو وہ گھر کے ساتھ ساتھ خود کو بھی سجاتی ہیں یہ ہماری روایت ہی سمجھ لو، لیکن بھتیجے مجھے ایسی لڑکی چاہیے جو اپنے لئے خود کا خیال رکھے نہ کہ مہمانوں کے لئے یا دوسروں کے لئے اور اگر ہم بغیر بتائے تمہاری متوقع چاچی کے گھر جائیں گے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا، خود اس کی ذات کے ساتھ ساتھ یہ عقدہ بھی کھلے گا کہ محترمہ نے گھر میں کیا کیا محفوظ کر رکھا ہے خاطر مدارت کے لئے۔'' اپنی بات کے اختتام پہ حیدر نے جتاتے ہوئے حمدان کی طرف دیکھا گویا اپنے نادر خیالات پہ اس کی داد لینا چاہ رہا ہو۔

''فارگاڈ سیک چاچو، آپ کی لوجیکس میری سمجھ سے باہر ہیں، بندے کا لائف سٹائل وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے، شادی سے پہلے اور شادی کے بعد بہت سی عادات میں تبدیلی بھی تو آ سکتی ہے آپ کیوں ان فضول نظریات کی نذر کر رہے ہیں اپنی اتنی قیمتی زندگی کو۔'' حمدان چڑ کر بولتا اچھا خاصا فلاسفر لگا تھا حیدر کو۔

''سوری بھتیجے میں تمہاری بات سے اگرچہ اتفاق کرتا ہوں کہ انسان کا لائف سٹائل وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے لیکن مائی ڈیئر عادات ضرور تبدیل ہوتی ہیں لیکن فطرت یعنی نیچر نہیں بدلتی، سو مجھے میرے کہے کے مطابق چانس دو اور ہو سکتا ہے کہ اب کی بار میں تمہیں چاچی جیسا میڈل جیتا ہی دوں۔'' حیدر نے حمدان کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو حمدان منہ بناتا اٹھ بیٹھا۔

''او کے، ارم سے بات کر کے کوئی راستہ بناتا ہوں، آپ نے تو ماننا نہیں ہے۔'' موبائل آن کرتا حمدان باہر کی طرف لپکا۔

☆☆☆

''کیا..... ملاقات ان کے گھر پہ اور وہ بھی سرپرائزنگ، چلو کوئی عورت جائے تو جچتی بھی ہے لیکن وہ بھی چاچو کے ساتھ پہلی ہی بار، دماغ تو ٹھیک ہے حمدان تمہارا۔'' ارم گویا اچھل ہی تو پڑی تھی۔

''میرا تو دماغ ٹھیک ہے لیکن چاچو کا ٹھیک نہیں ہے، وہ ایک انچ بھی اپنی اس فضول ضد سے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں۔'' حمدان نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا تو ارم اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''اوپر سے میری اماں آئے روز حیدر چاچو کو یاد فرما رہی ہوتی ہیں کہ ہائے کیسا خبرو جوان ہے کل تو ابا کو انہیں چائے پہ بلانے کو بھی کہہ رہی تھیں اور مجھے پکا یقین ہے جیسے ہی حیدر چاچو چائے کے لئے آئیں گے میری اماں حضور مجھے بر دکھانے کے لئے سامنے لے آئیں گی۔'' ارم نے پیشانی مسلتے ہوئے اپنے دل کی بات کی۔

''ارے تو کرنے دو اماں کو اپنی خواہش پوری کون سا حیدر چاچو تمہیں پسند کرنے بیٹھ جائیں گے اور اگر کیا بھی تو میرا نام لے دیں گے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اچھا ہے اپنا ہونے دو اگر

تمہاری اماں نے بات کی تو حیدر چاچو میرا رشتہ دے دیں گے۔" حمدان نے نیا پلان ترتیب دیا۔

"اور وہ جو تم نے حیدر چاچو سے وعدہ کیا تھا وہ۔" ارم نے جھٹ اسے وعدہ یاد دلایا۔

"ارے ہاں وہ؟ اب پھر پلیز ارم کوئی ترکیب نکالو، کسی طریقے سے حیدر چاچو اور زویا کی ملاقات کروا دو پلیز۔" حمدان باقاعدہ منتوں پر اتر آیا۔

"ہوں کرتی ہوں کچھ۔" ارم پرسوچ انداز میں بولی تو حمدان نے گہری سانس خارج کی ایک بوجھ تھا جو سر سے اترتا محسوس ہوا تھا، جبکہ ارم اسی بوجھ سے جھکی جا رہی تھی۔

☆☆☆

موسم تبدیل ہو رہا تھا اور موسم کی یہ تبدیلی جہاں بہت سے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی وہیں ارم کے ابا اور زویا کی اماں بھی اس کا شکار بنے اور ایسے میں ارم کے زرخیز دماغ نے وہ ترکیب نکال ہی لی جس نے دنوں اسے پریشان رکھا تھا اور اپنے پلان کی کامیابی کے لئے اسے حمدان کی مدد درکار تھی۔

"ہیلو...... حمدان...... حیدر چاچو کہاں ہیں؟" ارم نے حمدان کو فون کھڑکایا۔

"وہ ابھی ابھی آفس سے آئے ہیں کیوں خیریت؟" حمدان نے اسے حیدر کے متعلق آگاہ کرتے پوچھا تو ارم نے فوراً اسے سارا پلان بتایا۔

"ہوں چلو ٹھیک میں چاچو کو پلان سمجھا کر بھیجتا ہوں۔" حمدان نے کہتے ہی فون رکھا اور حیدر کے کمرے کی طرف بھاگا اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد حیدر صاحب ارم کے گھر اس کے ابا کی خیریت دریافت کر رہے تھے جبکہ اس کی اماں حیدر کی خاطر مدارت میں لگی ہوئی تھیں ایسے میں ارم نے پلان کے مطابق کمرے میں انٹری دی۔

"وہ امی ابھی میری زویا سے بات ہوئی ہے، اوہ سوری...... السلام وعلیکم۔" ارم نے آدھی ادھوری بات کرتے یوں حیدر کو دیکھ کر چونکنے کی اداکاری کی جیسے اسے ابھی ابھی اس کی آمد کا علم ہوا ہو حیدر نے سر کے اشارے سے جواب دیتے ہوئے چائے پینے کا شغل جاری رکھا۔

"حیدر یہ میری بیٹی ہے ارم یونیورسٹی میں ماسٹر کر رہی ہے۔" ارم کی اماں نے آداب میزبان نبھاتے انہیں متعارف کروایا تو حیدر نے مسکرا کر ارم کو دیکھا۔

"کیسی ہیں آپ؟" حیدر کی مسکراہٹ نے ارم کی والدہ ماجدہ کو مزید خوش گمانی میں مبتلا کیا تھا۔

"جی ٹھیک...... آپ کیسے ہیں؟"

"اللہ کا شکر۔" حیدر نے انکساری دکھائی۔

"اور ارم بیٹے اس دن حیدر ہی تمہارا والٹ واپس کر کے گیا تھا۔"

"اچھا...... تھینک یو۔" ارم نے ایک ساتھ ہی ماں اور حیدر کو نپٹایا۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہی تھی زویا کے بارے میں۔" آخر چوہدرائن کو یاد آ ہی گیا۔

"وہ امی مجھے اور صدف کو زویا کے گھر جانا تھا اس کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ناں تو ان کی عیادت بھی کر لیں گے اور مجھے زویا سے ایک دو ڈشز کے بارے میں بھی پوچھنا تھا اور صدف کو کچھ میک اپ کے بارے میں پوچھنا تھا۔" ارم نے رٹے رٹائے جملے بولے یہ الگ بات کہ صدف کو اس نے بمشکل ساتھ چلنے کے لئے منایا تھا اس ولاسے پہ کہ وہ زویا سے میک اوور کے متعلق معلومات کا تبادلہ کر سکے، صدف نے بھی لندن سے چھوٹے موٹے کورسز کر رکھے تھے

سلیف گرومنگ کے۔
''تو ٹھیک ہے چلی جاؤ دونوں لیکن شام سے پہلے آ جانا۔'' چوہدرائن نے اجازت دیتے ہوئے کہا۔
''وہ تو ٹھیک ہے لیکن امی، گاڑی کا ٹائر پنکچر ہے۔'' ارم نے خود سے پنکچر کیے ٹائر کی کہانی سنائی جس میں اتفاقیہ پنکچر کا تڑکا لگایا تھا۔
''تو پھر اب کیسے؟ تمہارے ابا ٹھیک ہوتے تو میں خود تم لوگوں کے ساتھ چلتی ٹیکسی میں لیکن نہ بھئی جوان بچیوں کو اکیلے مسٹنڈے ٹیکسی ڈرائیوروں کے ساتھ بھیجنے کا حوصلہ مجھ میں تو نہیں ہے تم لوگ پھر کبھی چلی جانا۔'' چوہدرائن نے بات ختم کی۔
''لیکن امی، ہمارا ابھی جانا ضروری ہے۔'' ارم نے احتجاج کیا ساتھ کن انکھیوں سے حیدر کو دیکھتے بولنے کا اشارہ کیا جو چائے کے آخری گھونٹ بھرتا اٹھ بیٹھا۔
''اچھا آپی اب اجازت اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں، بچیوں کو چھوڑتا چلوں۔'' حیدر نے موبائل اور چابی ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے کہا۔
''اے ہاں، مجھے پہلے ہی یہ خیال کیوں نہیں آیا، جاؤ ارم، صدف کو بلا لاؤ، حیدر تم لوگوں کو چھوڑ آئے گا بلکہ حیدر اگر تمہیں برا نہ لگے تو آدھا گھنٹہ ان کے ساتھ ہی رک جانا اور ان کو واپس چھوڑ جانا۔'' چوہدرائن نے حیدر سے کہا تو بمشکل مسکراہٹ چھپاتے ارم باہر نکل گئی جبکہ حیدر تابعداری سے سر ہلانے لگا۔
''جی ضرور اور اب آپ نے بھی یاد رکھنا ہے اگلے ہفتے بھائی بھابھی آ رہے ہیں تو آپ نے اور بھائی صاحب نے ہمارے ہاں کھانے پہ ضرور آنا ہے میں فون پہ آپ کو باقاعدہ دن بتا کر یاد دہانی کروا دوں گا۔'' حیدر نے پرزور اصرار کرتے کہا۔
''ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور آئیں گے بلکہ تمہارے بھائی بھابھی کو بھی باقاعدہ دعوت دے کر آئیں گے ارے شہر میں کوئی اپنا ذات برداری والا مل جائے تو سمجھو بڑی نعمت ہے ورنہ شہروں میں تو کوئی کسی کو پوچھتا ہی نہیں۔''
گاؤں کے میل جول والے ماحول کی عادی چوہدرائن عرصہ دراز شہر میں گزارنے کے بعد بھی اس بے رنگے ماحول کی عادی نہیں ہوئی تھی، جبھی اب حیدر کے ساتھ دور کی رشتہ داری بھی غنیمت تھی اور یہ امید بھی کہ شاید یہ قریبی رشتہ داری میں بدل جائے۔

☆☆☆

سارے راستے ارم اور صدف باتوں میں مصروف رہیں جبکہ حیدر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا زویا کے گھر کے باہر پہنچ کر صدف اور ارم نے نیچے اتر کر بیل دی تو حیدر بھی گاڑی لاک کرتا ان سے چند قدم پیچھے آ کھڑا ہوا، صدف نے حیرت سے ارم کی جانب دیکھا اور ابھی ارم کوئی جواب نہیں دے پائی تھی کہ دروازہ کھولتے ہی ہمایوں کا چہرہ برآمد ہوا تو ارم سوال جواب ملتوی کرتی اندر کی طرف بڑھی، صدف کے بعد حیدر آگے بڑھا اور ہمایوں سے ہاتھ ملایا۔
''السلام علیکم!'' مصافحہ کرتے حیدر نے سلام کیا تو ہمایوں جواب دیتا دروازہ بند کرنے لگا۔
''ہمایوں یہ ہمارے حیدر چاچو ہیں۔'' ارم نے آدھا ادھورا تعارف کروایا تو ہمایوں تو سر ہلا کر خوشدلی سے مسکراتا حیدر کو لیے اندر بڑھ گیا جبکہ صدف حیرت سے ارم کو دیکھنے لگی۔
''ابا کے دور پار کے رشتہ دار ہیں تو ہمارے

چچا ہی ہوئے ناں۔‘‘ صدف کے سوالیہ آنکھوں کا جواب دیتے ارم نے پاؤچ والا معاملہ گول کر دیا۔

’’ہائے اتنا ہینڈسم بندہ اور تم نے اتنی فضول رشتہ داری نکال لی، چاچو ہوگا تمہارا، میں تو حیدر ہی کہوں گی۔‘‘ صدف نے شرارت سے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔

’’جسٹ شٹ اپ، منہ بھی نہیں لگائیں گے پھر وہ تمہیں کیونکہ ہائی کوالیفائیڈ لڑکیوں کو وہ بھانجی بھتیجی تو بنا سکتے ہیں بیوی نہیں۔‘‘ ارم نے تپ کر جواب دیا۔

’’دفعہ، اتنی کنزرویٹو سوچ والا بندہ، چاچا بنتا ہی اچھا ہے۔‘‘ صدف فوراً اپنے پچھلے بیان سے دست بردار ہوگئی ورنہ پی ایچ ڈی کی ڈگری سے ہاتھ دھونا پڑتے، اس کے سر سے بھوت اترتا دیکھ کر ارم نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی، جہاں زویا ان کے استقبال کے لئے کھڑی تھی۔

’’ہائے ارم آپی، کتنا اچھا کیا جو آپ آ گئیں، سچی میرا اتنا دل چاہ رہا تھا کسی فرینڈ سے ملنے کو۔‘‘ زویا، ارم کے گلے لگتے اچھلی تھی۔

’’ظاہر ہے پچھلے تین دن سے چھٹی پہ ہو تو ایسا تو ہونا ہی تھا۔‘‘ ارم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’فکر مت کرو دو گھنٹے میں تمہارا اتنا دماغ کھائیں گی کہ پچھلے تین دن کا کوٹہ پورا ہو جائے گا۔‘‘ صدف نے ہنستے ہوئے کہا تو زویا اور ارم بھی کھلکھلا کر ہنس پڑیں، پھر صدف اور ارم تو زویا کی امی کا حال دریافت کرنے ان کے کمرے میں چل پڑیں جبکہ زویا نے کچن کا رخ کیا جبکہ ہمایوں پہلے ہی حیدر کو لئے لاؤنج میں بیٹھا ریسلنگ دیکھ رہا تھا اور حیدر اس کا ساتھ دینے کے ساتھ ساتھ اردگرد بھی نظریں دوڑا رہا تھا، صاف ستھرا سلیقے سے سجا گھر تو اس نے پاس کر دیا تھا اب صرف زویا بی بی سے شرف ملاقات باقی تھی، جس کے لئے اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا، پانچ منٹ بعد ہی کچن سے کولڈ ڈرنک لا کر سرو کرتی زویا کو حیدر نے محتاط مگر بھرپور نظروں سے جانچا تھا، جدید تراش خراش کا سلا سوٹ سلیقے سے سلجھے ہوئے بال اور چمچماتا دھلا دھلایا چہرہ کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا کہ اس لڑکی کی ماں تین دن سے بیمار ہے اور اس کو اکیلے گھر سنبھالنا پڑ رہا ہے، تھکن کا شائبہ تک نہیں تھا اس کے چہرے پہ۔

’’لگتا ہے اس بار حمدان کی خواہش پوری ہو ہی جائے گی۔‘‘ کولڈ ڈرنک کے سیپ لیتے حیدر نے سوچا۔

جتنی دیر میں ارم اور صدف خدیجہ بیگم کا حال دریافت کر کے باہر لاؤنج میں آئیں، زویا ان کے لئے ریفریشمنٹ تیار کر چکی تھی۔

کٹلٹس، نگٹس فرائی کر کے اس نے پلیٹوں میں نکالے اور سینڈوچز کو فائنل ٹچ دے کر پلیٹر میں سجایا، فریج میں سے کیک نکال کر ٹرالی میں رکھا جو اس نے ایک دن پہلے ہی بیک کیا تھا، میکرونی بوائل ہو چکی تھی اس کا مصالحہ پہلے سے ہی فریز کیا ہوا تھا فوراً نکال کر ڈی فراسٹ کر کے میکرونی میں مکس کیا اور چائے کو دم دے کر وہ بھی سب کے ساتھ لاؤنج میں آ موجود ہوئی، جہاں حیدر ساری کی ساری گھر کی بنی چیزیں دیکھ کر خوش ہوا وہیں ارم اور صدف حیرت زدہ تھیں کہ آخر وہ کون سی گیدڑ سنگھی تھی جو سنگھا کر زویا نے یہ ساری چیزیں برآمد کروائی تھیں، کیا شیف چڑیل رکھی ہے صدف سے تو رہا نہ گیا تھا اس نے تو پوچھ بھی ڈالا تھا اس کے چڑیل کہنے پر ہمایوں نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

’’ارے صدف آپی وہ چڑیل شیف کوئی اور نہیں یہ زویا بی بی خود ہی ہیں کوکنگ کورسز

کر کر کے بھی دل نہیں بھرا اب زیادہ وقت محترمہ کوکنگ چینل دیکھتی ہیں اور آزماتی رہتی ہیں۔''
ہمایوں نے تفصیلاً بتایا۔
''پھر بھی زویا اتنی جلدی؟'' ارم کی تو خیر جانے کا نام نہیں لے رہی تھی وہ تو اس عرصے میں بمشکل چائے ہی بنا پاتی اور ساتھ میں بازار کی نکو بسکٹ سے کام چلاتی یا زیادہ سے زیادہ فروزن چیز ہیں۔
''ارم آپی میں نے بھی کوئی منتر نہیں پڑھا بلکہ یہ سب کچھ پہلے سے تیار کر کے فریز کیا ہوا تھا، میکرونی سٹک کا مصالحہ تیار کر کے رکھا ہوا تھا، بس میکرونی ابالی اور مکس کر لی کیک کل بنایا تھا اور کباب نگٹس میں ہمیشہ فریز کر کے رکھتی ہوں کوئی بھی مہمان آئے تو بسکٹ وغیرہ کے ساتھ کباب نگٹس فرائی کر لیتی ہوں آپ ذرا اسپیشل مہمان تھیں اس لئے میکرونی بنائی، کیونکہ خاص مہمانوں کو میں بازاری اشیاء سرو نہیں کرتی۔'' آخر میں ارم کو چھیڑتے ہوئے زویا کچن کی طرف بڑھ گئی جبکہ حیدر اور ارم نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی تھی وہ واقعی خاص مہمان بن کر ہی یہاں آئے تھے جو زویا کے علم میں نہیں تھا اور یقیناً اس بات پر اس کا بعد میں ٹھیک ٹھاک ریکارڈ لگنا تھا، چائے کی چسکیاں لیتے حیدر نے ارم کو آنکھوں ہی آنکھوں اشارہ کیا کہ اسے زویا ٹھیک لگی ہے بس پھر کیا تھا ارم نے حمدان کو وکٹری کا سائن بھیج دیا اور حمدان نے سمجھ کر حیدر کی جان کھالی ایک ہی منٹ میں پانچ چھ متواتر میسج نے حیدر کو ارم کو گھورنے پہ مجبور کر دیا تھا، جبھی اس نے اب اجازت لینے میں ہی عافیت جانی تھی ارم اور صدف کو گھر کے باہر اتار کر حیدر نے اپنے گھر کی راہ لی جہاں حمدان اس کا شدت سے منتظر تھا اور حیدر سے ساری بات سننے کے بعد اب ایک ٹانگ پہ بھنگڑا ڈالتا سارے کمرے میں گھوم رہا تھا۔
''یہ تمہیں میری شادی کی اتنی خوشی ہو رہی ہے یا راستے کا کانٹا نکلنے کی۔'' حیدر نے مشکوک انداز میں حمدان کو گھورا۔
''اب میں اتنا بھی خود غرض نہیں ہوں کہ اپنی شادی کی خوشی آپ کی شادی کا بہانہ [illegible] چاچو آپ کی شادی کی خوشی [illegible] وہ ہے [illegible] چار شادیوں پہ بھی اس سے کم ہی خوش نظر آؤں گا سمجھے آپ اور اب میری سچی محبت کو انڈراسٹیمیٹ کرنا چھوڑیں اور آ جائیں دولہے راجا ہم مل کر بھنگڑا ڈالیں۔'' حمدان نے چٹا چٹ اس کے گالوں کے بوسے لیتے اسے ہاتھ پکڑ کر بھنگڑے میں زبردستی شریک کیا۔
''ویسے اگر ارم کو پتا چل گیا ناں کہ تم چار شادیوں والا نظریہ رکھتے ہو تو بھتیجے مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری پہلی شادی ہی مشکوک کر دے گی۔'' حمدان کے ساتھ بھنگڑا ڈالنے کی کوشش کرتے حیدر نے حمدان کو چھیڑا۔
''جی...... جی...... آپ جیسے مہربان ہوئے تو یقیناً اس کو پتا بھی چل جائے گا اور وہ عمل بھی کر ڈالے گی۔'' حمدان نے بھناتے ہوئے جواب دیا، اس کی حالت سے لطف اٹھاتے حیدر نے بے ساختہ اللہ آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل ضبط کیا اس کا ابھی حمدان کو ستانے کا لمبا پروگرام تھا اور ایسے میں اسے اپنی مسکراہٹ پہ قابو پانا ہی تھا۔

☆☆☆

بھیا اور بھابھی کے آنے کے بعد سب کام اتنی جلدی پروگرام بنے کہ حمدان اور حیدر حیران ہی رہ گئے، ارم کی فیملی ان کے گھر کھانا کھانے کے بعد بھیا بھابھی کو اپنے ہاں آنے کی دعوت

دے گئی تھی اور وہیں پہ بھابھی نے صلاح مشورہ کے بعد ارم کو حمدان کے نام کی انگوٹھی پہنا دی تھی، چوہدری صاحب کے لئے حیدر کا بھتیجا ہونا کافی تھا اور چوہدرائن اس بات پہ خوش تھی کہ بیٹی کا رشتہ تو ہو گیا ناں اور انہیں کچھ خاص بھاگ دوڑ بھی نہیں آنا پڑی سو رسمی مہلت مانگے بغیر انہوں نے ہاں کر دی تھی اور اس کے اگلے دن چوہدرائن خود بھابھی کے ساتھ حیدر کا رشتہ لے کر زویا کے ہاں موجود تھی اور وہاں بھی چوہدرائن کا تسلی دینا کافی تھا اور یوں بھابھی وہاں بھی انگوٹھی پہنا کر ہی گھر واپس آئی تھیں اور شادی کی تاریخ بھی ٹھیک پندرہ دن بعد کی لے آئیں تھیں، جلدی جلدی کے باوجود بھی سب کام اچھے سے ہو گئے تھے ارم اور زویا نے اپنی شادی کی شاپنگ اکٹھے اور خوشی خوشی کی تھی ارم کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس نے اپنی لو میرج کو بڑے مزے سے ارینج میرج میں منتقل کروا لیا تھا اور زویا پڑھائی کے چھوٹ جانے پہ شکر مناتی شاداں و فرحاں تھی، شادی اور بارات کی تقریب اکٹھے ہی تھی اور ولیمہ تو اکٹھا ہی ہونا تھا، دونوں کپل بہت خوبصورت اور خوش باش دکھائی دیئے تھے پیارے قارئین اب یعنی آج یہ لوگ اپنی پریکٹیکل لائف میں پاؤں رکھنے والے تھے ہنی مون کا پندرہ روزہ پیریڈ گزارنے کے بعد، آیئے پھر دیکھتے ہیں کہ شادی سے پہلے کی لائف اور اب کی لائف میں کیا تبدیلی آتی ہے بھابھی اور بھیا کے واپس جانے کے بعد دونوں دلہنیں کیسے گھریلو ذمہ داریوں سے نپٹتی ہیں۔

☆☆☆

''ارم...... ارم...... پلیز اٹھ جاؤ یار...... زویا اکیلی کچن میں کھپ رہی ہے۔'' حمدان نے ارم کے منہ سے کمبل کھینچتے ہوئے کہا۔

''کیا ہے حمدان! پلیز تنگ نہیں کرو، زویا چاچو کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی ناشتہ کروا دے گی۔'' ارم نے دوبارہ کمبل منہ پہ لپیٹتے ہوئے کہا۔

''ناشتے کی بات نہیں ہے یار، بس میرا دل چاہ رہا تھا کہ تم مجھے آفس جاتے ہوئے دروازے تک رخصت کرو۔'' حمدان نے بے چارگی سے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''خبردار جو مجھ سے یوں ستی ساوتری قسم کی بیویوں جیسی کوئی امید لگائی تو مجھ سے نہیں ہوں گی یہ گھریلو عورتوں جیسی حرکتیں، اس لئے چپ چاپ یہاں سے ہی رخصت لو ورنہ اگر میری نیند خراب ہو گئی تو چھوڑوں گی نہیں میں۔'' ارم نے کمبل کے اندر سے ہی بے نقط سنائیں تھیں، جبھی مزید عزت افزائی کروانے سے رخصت ہونا ہی بہتر لگا تھا حمدان کو اور جب وہ بازو پہ کوٹ لٹکائے نیچے آیا تو ایک نیا ڈرامہ اس کا منتظر تھا حیدر بھرپور طریقے سے ناشتے سے انصاف کر رہا تھا جبکہ زویا منہ کھولے سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟'' حمدان نے حیدر کو مخاطب کیا اور ساتھ ہی زویا کی طرف اشارہ کیا۔

''کچھ بھی نہیں...... آؤ ناشتہ کرو۔'' حیدر نے حمدان کا سوال گول کرتے ناشتے کی آفر کی۔

''وہ تو میں کر ہی لوں گا لیکن چاچی کو کیا ہوا ہے؟'' حمدان نے آملیٹ کی پلیٹ اپنے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی نہیں میں نے محترمہ کو پریکٹیکل لائف میں آنے کے بعد کی صورت حال سے آگاہ کیا تو یہ محترمہ صم بکم کی عملی تفسیر بن بیٹھیں۔'' حیدر الگ زویا کے رویے سے چڑا بیٹھا تھا۔

''ایسے کون سے چودہ نکات سنا دیئے آپ نے جو سانپ ہی سونگھ گیا انہیں۔'' حمدان نے

دلچسپی سے پوچھا۔

''خودکشی کا مشورہ دیا ہے آپ کے چچا حضور نے مجھے۔'' زویا نے مری ہوئی آواز میں گویا اپنی طرف سے طنز کیا تو حمدان کا منہ کھل گیا۔

''نہیں...... خیر اب ایسا بھی نہیں ہے اتنی مبالغہ آمیزی بھی اچھی نہیں ہوتی زویا۔'' حیدر نے اپنی طرف سے زویا کو پچکارنا چاہا۔

''ایسا ہی ہے کم از کم میرے لئے اور آپ سن لیں میں کوئی عمل ول نہیں کرنے والی آپ کے مشوروں پہ۔'' زویا نے تڑخ کر جواب دیا، تو حمدان نے دلچسپی سے اسے دیکھا، ارم کی فوٹو کاپی کسی حد تک لگی تھی وہ اسے۔

''عمل تو کرنا ہی ہوگا زویا ڈیئر ورنہ دوسری صورت میں میں کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔'' حیدر نے ناشتہ ختم کر کے ٹشو سے ہاتھ صاف کیے جبکہ حمدان ان کی گفتگو سنتا بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' زویا نے حیرت سے پوچھا۔

''دوسری شادی۔'' حیدر نے گویا دھماکا کیا جس کی زد میں زویا کے ساتھ ساتھ حمدان بھی آ گیا۔

''کیا؟'' حمدان زور سے چیخا تھا جبکہ زویا کی بولتی بند ہوگئی تھی۔

''بالکل...... اگر مجھے ایک ٹیپکل عورت سے شادی کرنا ہوتی تو دس بارہ سال پہلے ہی نہ کر لیتا، اتنا انتظار کرنے کے بعد میں اپنی پسند کی عورت تو ڈیزرو کرتا ہی ہوں ناں حمدان؟ اور اس کے لئے مجھے دوسری تو کیا چوتھی شادی بھی کرنا پڑی تو میں کروں گا اس معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں کر سکتا میں اس لئے اپنے الفاظ میں اپنی چچی محترمہ کو سمجھا دو کہ میری بات انہیں بہر حال میں ماننا پڑے گی ورنہ بعد میں گلہ مت کرنا تم سب۔'' اپنی بات ختم کر کے حیدر نے اپنا موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھائی کورٹ اٹھا کر پہنا اور ان دونوں کو اللہ حافظ کہتا باہر کی طرف ہو گیا، جبکہ زویا اس کی ہی چھوڑی ہوئی کرسی پہ بیٹھی پھپھک پھپھک کر رو رہی تھی۔

''ہائے اللہ جی، یہ کیسا بندہ آپ نے میرے لئے باندھ دیا، امی...... دیکھیں ذرا رل گئی ہے آپ کی زویا۔'' ٹیبل پہ بازو رکھ کر اوپر سر رکھے زویا کے گلے شکوے شروع ہو گئے، تو حمدان نے بے بسی سے زویا کو دیکھا۔

''افوہ...... چچی آخر ہوا کیا ہے، ایسا کیا کہہ دیا آپ نے چاچو کو جو وہ یوں غصے میں آ کر دوسری تیسری شادی کی بات کر رہے ہیں۔'' حمدان نے بالوں میں انگلیاں پھیرتے بے چینی سے استفسار کیا۔

''ہونا کیا ہے، میری قسمت ہی خراب ہے جو اتنے الٹے مزاج کا بندہ میرے پلے پڑ گیا۔'' سوں سوں کرتے زویا کے شکوے جاری تھے۔

''فار گاڈ سیک زویا، سیدھے لفظوں میں بتاؤ مجھے، کیا کہا ہے چاچو نے؟'' بلا آخر حمدان کی برداشت جواب دے گئی تھی جبھی ڈائریکٹ اسے نام کے بلاتے تھوڑا ڈپٹا بھی تھا، عمر میں چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ اس سے دب بھی جاتی تھی۔

''انہوں نے کہا ہے کہ ایک تو مجھے اپنی بی اے کی ڈگری حاصل کرنی ہوگی اور دوسرے ڈائیٹنگ کرنا ہوگی کیونکہ پچھلے دنوں ریلیکس رہ رہ کر میں موٹی ہوگئی ہوں اور ابھی سے میرا یہ حال ہے تو دو بچوں کے بعد تو میں ان کی اماں لگوں گی۔'' زویا نے بالا آخر بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی تھی اور اس کی بات سن کر حمدان ہکا بکا رہ گیا

تھا۔

''تو اس میں کیا پرابلم ہے، اچھا ہے ناں آپ کی ادھوری تعلیم مکمل ہو جائے گی اور جہاں تک ڈائننگ کا تعلق ہے تو چاچو کو آپ اسمارٹ ہی اچھی لگتی ہوں گی اس لئے کہہ رہے ہوں گے۔'' حمدان نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے چائے اٹھائی۔

''جی نہیں، کوئی اچھی نہیں لگتی میں انہیں، ورنہ آپ خود بتاؤ جو بندہ آپ کو دل سے اچھا لگے وہ جس بھی حال حلیے میں ہو اعتراض نہیں ہوتا اس پہ اور ایک یہ آپ کے چاچو ہیں کہ ہر بات پہ اعتراض یہ کلر کیسا پہنا ہے میک اپ کیوں ڈارک کیا یہ چپل کیوں لگایا خود تو ساری شوخیاں جوانی میں ہی چھوڑ دیں مجھے بھی بڈھی روح بنانا چاہتے ہیں۔'' زویا نے صدمے کے زیر اثر کافی بے رحمانہ تبصرہ کیا تھا حمدان کو مجبوراً حیدر کا دفاع کرنا پڑا۔

''ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں وہ بس ذرا ان کی پسند ہی ایسی ہے اور آپ کو تو خود پسند کیا تھا انہوں نے تبھی آپ سے شادی کی ہے ورنہ کس میں اتنی جرأت تھی کہ ان کی زبردستی شادی کرواتا۔'' حمدان کی بات پہ زویا کو کچھ ڈھارس ملی لیکن ابھی بھی دل مکمل صاف نہیں ہوا تھا اور ہوتا بھی کیسے اس کی تو جان شکنجے اندر پھنسنے والی بات ہو گئی تھی پڑھائی کا نام سن کر۔

''وہ ساری باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن میں پڑھوں گی کیسے اب؟ مجھ سے تو پہلے ہی پڑھائی نہیں ہوتی تھی اب جبکہ میں یہ خیال ہی دل سے نکال بیٹھی تھی تو اور شادی شدہ لڑکی کیا اچھی لگے گی پڑھتے ہوئے۔'' زویا نے اپنا اصل دکھڑا رویا، تو حمدان نے بمشکل مسکراہٹ قابو کی، وہ بخوبی جانتا تھا کہ زویا کی پڑھائی سے جان جاتی ہے اور یہ واحد بات تھی جو اس نے حیدر سے چھپائی تھی ورنہ اس کا کوئی پتا نہیں تھا کہ زویا کی تعلیمی رپورٹ منگوا کر اس کا گریڈ چیک کرنے لگ پڑتا اور اگر اس میں زویا بی بی کی نالائقی کا بھانڈا پھوٹتا تو آج وہ حمدان کی چچی نہ ہوتی، بس اسی لئے حمدان نے حیدر سے یہ بات چھپائی تھی اور آج اس کی لپیٹ میں زویا آ گئی تھی۔

''کوئی بات نہیں آپ آہستہ آہستہ تیاری شروع کر دیں پرائیوٹ ہی سہی، میں ارم اور چاچو آپ کی مدد کر دیں گے جب سال ڈیڑھ سال بعد تیاری ہو گئی تو امتحان دے لیجئے گا ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے بندہ ساری زندگی بھی پڑھتا رہے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' زویا کو بہلاتے آخر میں حمدان شرارت سے مسکرایا، جبکہ زویا ابھی حیدر کی باتوں میں ہی اٹکی ہوئی تھی۔

''اور اگر میں فیل ہو گئی تو حیدر سچ میں دوسری شادی کر لیں گے۔'' خوف بھری معصومیت سے اس نے سوال کیا تھا۔

''ارے نہیں، ایک آدھ سپلی آ گئی تو دوبارہ دے لیجئے گا اب اتنا مارجن تو چاچو دے ہی دیں گے۔'' حمدان نے اپنی بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ پہ قابو پاتے اسے سہارا دیا، تو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے سر ہلانا ہی پڑا ورنہ زویا کے لئے یہ دونوں باتیں کتنے بڑے صدمے کا باعث تھیں یہ وہی جان سکتا تھا جس کی پڑھائی سے جان جاتی تھی اور یا پھر وہ جو بہترین کھانا پکانے کے بعد اسے سامنے رکھ کر صرف دیکھ سکتا تھا ورنہ جو کھانا دوسروں کو انگلیاں چاٹنے پر مجبور کر سکتا ہو وہ پکانے والے کو کتنا مزیدار لگ سکتا ہے یہ تو یہ پکانے والا ہی جانتا ہے، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا حیدر کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا سو اب زویا نے صبح کے وقت جاگنگ اور دن میں

پڑھائی شروع کردی تھی اور تین دن میں ہی اس کا چہرہ مرجھا گیا تھا اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑنا شروع ہو گئے تھے۔

☆☆☆

اور بالآخر قدرت کو زویا کی بے بسی پر رحم آ ہی گیا تھا اور وہ ہو گیا جس کا زویا، حیدر، ارم اور حمدان میں سے کسی نے بھی نہیں سوچا تھا، جی بالکل زویا بی بی والدہ محترمہ کے عہدے پر فائز ہونے جا رہی تھیں، یہ خبر اگرچہ خوشی کی تھی لیکن اس نے اس گھر میں موجود دو لوگوں کا سکھ چین اڑا دیا تھا، ایک حیدر اور دوسرا ارم..... ارے نہیں آپ غلط سمجھے، یہاں خدانخواستہ کوئی اور معاملہ نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ دوران پریگنینسی زویا بی بی کو کھانا پکانے سے متلی شروع ہو گئی اور اس کے نتیجے کے طور پر ارم صاحبہ کی شامت آ گئی ہے کیونکہ اب کھانا پکانے کی تمام تر ذمہ داری ارم کے نازک کندھوں پہ آ پڑی اور حمدان تو صبر شکر کر کے کھا ہی لیتا ہے لیکن حیدر جو پچھلے کچھ دنوں سے زویا کے ہاتھوں کے لذیذ کھانے کھانے کا عادی ہو گیا تھا اس لئے نہ تو ارم کے ہاتھ کے کھانے حلق سے اتارنا آسان ہے اور نہ ہی رضیہ کے ہاتھوں کے کھانے، (رضیہ اوپر کے کام کے ساتھ ساتھ پہلے حمدان اور حیدر کے لئے کھانا پکاتی تھی اور اس کا شوہر چوکیداری کے ساتھ ساتھ باہر کے کام بھی نپٹاتا تھا) اور اس مسئلے کا حل تو تھا کہ چلیں گھر کھانے کا موڈ نہیں تو باہر سے کھا آؤ لیکن جو اصل مسئلہ حیدر کو درپیش تھا وہ یہ کہ زویا کو پکانے سے تو متلی ہوتی تھی لیکن کھانے کے معاملے میں اس کی بھوک مزید کھل گئی تھی اور ہر آدھے گھنٹے بعد اسے کچھ کھانے کے لئے چاہیے ہوتا تھا، اب ایسے میں اسمارٹنس گئی چولہے میں، سو وہی حیدر جو چند دن پہلے اسے دوسری شادی کے ڈراوے دے کر ڈائیٹنگ پہ مجبور کر رہا تھا اب خود ہر وقت ہاتھ میں کچھ نہ کچھ پکڑے زویا کو کھانے کے لئے پیش کر رہا ہوتا تھا ایسے میں حمدان جی بھر کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''چاچی اب تسلی سے کھائیں آپ، اب نہیں کرنے والے چاچو دوسری شادی۔'' اس نے حیدر کو آنکھ مار کر زویا سے کہا تو حیدر نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔

''قسم سے چاچو مزا آ گیا، ایک طرف آپ نے پڑھائی اور ڈائیٹنگ کے نام پر زویا کی جان جلا رکھی تھی اور دوسری طرف میری زوجہ محترمہ نے کچن میں نہ آنے کی قسم کھا رکھی تھی اب مجھ معصوم کا کتنا بھی دل جلتا کہ آپ کو آپ کی بیگم اتنے مزے کے کھانے پکا پکا کر کھلا رہی ہے اور میری والی بدمزہ چائے بنانے میں بھی نخرے دکھا رہی ہے لیکن ارم کی بلا سے میں چاہے جلوں کلسوں یا جو مرضی کروں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن بھلا ہو میرے اس چھٹکے کزن کا جس نے ہم معصوم چاچی، بھتیجے کی جان آپ دونوں چچا، بھتیجی کے ظلموں سے چھڑوا لی، اب کیسے ارم کچن میں گھسی ہوئی ہے اور آپ..... زویا جوس، زدیا چاٹ زویا..... کچھ اور کھانے کو دل تو نہیں چاہ رہا۔''

حمدان نے حیدر کی نقل اتارتے قہقہہ لگایا تو اس کی بات سنتے ارم اور حیدر اس کو مارنے کو لپکے تھے حمدان ان کا ارادہ سمجھ کر باہر بھاگا تھا جبکہ زویا نے ہنستے ہوئے فریش جوس کا گلاس لبوں سے لگا لیا، اس کے بعد اسے ابھی وہ کریم کیک بھی کھانا تھا جو ارم نے بڑی دقتوں سے زویا سے ترکیب پوچھ پوچھ کر بنایا تھا اور جسے حیدر نے بھی کھانے کے لائق قرار دے دیا تھا۔

زندگی کی ساری خوبصورتی ان شوخ اور چنچل رنگوں سے سجی تھی۔

☆☆☆

دوری

مبشرہ ناز

دوری سہی جائے ناں
سہی جائے ناں ں ں
ادھورا ہوں میں اب تیرے بنا
ادھوری میری زندگانی رہ جائے گی

عاطف اسلم کی سریلی آواز پورے کچن میں گونج رہی تھی تخت پر بیٹھی حمیدہ بیگم کے کانوں میں جوں ہی گانوں کی آواز گونجی تو انہوں نے کچن میں کھڑی زور و شور سے بہتے نل کے نیچے برتن دھوتی اپنی نئی نویلی بہو کو دیکھا اور چہرے پہ آئے ناگواری کے تاثرات کو سمیٹتے ہوئے خاموشی سے تخت کے دوسری طرف رکھے پاندان کو گھسیٹ کر اپنے قریب کر لیا، پان کی گلوری منہ میں رکھتے ہوئے انہوں نے سامنے سے آتی اپنی بہو حنا کو دیکھا جو اب برتن دھونے کے بعد شاید ان سے دوپہر کے کھانے کے بارے میں پوچھنے آرہی تھی لیکن اس کے اٹھتے تھرکتے قدم اور لبوں کی گنگناہٹ حمیدہ بیگم سے مخفی نہ رہ سکی تھی، دلہناپے کا روپ اب تک اس کے چہرے پہ قائم تھا، باوجود اس کے کہ ان کے بیٹے کی شادی کو دو ماہ ہو چکے تھے، کامران ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور انعم اکلوتی بیٹی، انعم کی شادی کو دو سال ہو چکے تھے جبکہ کامران کی شادی انہوں نے دو ماہ پہلے ہی کی تھی، حنا ان کے دور کے عزیز کی بیٹی تھی، صورت اور سیرت میں یکتا حنا نے ان کے بڑھاپے کے

علاوہ گھر کی تنہائی کو ختم کرنے کے لیے تکلف کی دیوار کو جلد ہی گرا دیا تھا اور اب ایک بیٹی کی طرح پورا گھر سنبھالا ہوا تھا اس کے علاوہ حمیدہ بیگم کا ایک ماں کی طرح ہی خیال رکھتی تھی۔

"امی جان! اگر آپ کہیں تو لنچ میں رات کی دال کے ساتھ تھوڑے سے چاول بنا لوں اور رات کے کھانے میں کیا مینیو رکھنا ہے آپ بتا دیں تا کہ میں اس کی تیاری بھی شروع کر دوں۔"

حمیدہ بیگم نے داماد کو آفس میں ملنے والی ترقی پر آج بیٹی داماد کو رات کے کھانے کی دعوت دی تھی، انہوں نے ساری ناگواری بھلا کر ذمہ داری سے بولتی حنا کو دیکھا جہاں صرف محبت و خلوص اور اپنائیت کی تحریر درج تھی، وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئیں، اس کی جہاں ساری عادتیں اچھی تھیں وہیں اس کی گانے سننے والی اور خود بھی گنگنانے والی عادت حمیدہ بیگم کو سخت ناپسند تھی لیکن اس وقت اس کے چہرے پہ اپنائیت اور فکر مندی دیکھ کر انہوں نے اس سے اس کی عادت پہ پھر بھی بات کرنے کا تہیہ کر لیا اور اس کو رات کی دعوت کا مینیو بتا کر خود بھی اس کے ساتھ جانے کے لئے اٹھنے لگیں انہیں اٹھتا دیکھ کر حنا نے ٹوکا۔

"ارے امی جان آپ کیوں اٹھ رہی ہیں، میں کر لوں گی۔"

"ارے نہیں بیٹا میں تم پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی، ایک کونے میں بیٹھ کر تھوڑی بہت تو مدد کروا ہی دوں گی۔" اس کے خلوص کے آگے شرمندہ ہوتی حمیدہ بیگم اس کے ساتھ ہی چل دیں۔

☆☆☆

دسمبر کا مہینہ ختم ہونے لگا تھا، سردی نے شہر کراچی کو اپنی آغوش میں پوری طرح لے رکھا تھا، دعوت بخیر و خوبی نمٹ گئی تھی، ان کا بیٹا کامران کھانے کے بعد بہن اور بہنوئی کو گھر چھوڑنے چلا گیا تھا، حنا ان لوگوں کے جانے کے بعد ڈرائنگ روم اور کچن صاف کرنے کے بعد اب برتنوں کا ڈھیر سنک میں رکھے دھو رہی تھی، موبائل پہ حسب عادت اس کی پسند کا عاطف اسلم کا وہی گانا چل رہا تھا۔

"دوری سہی جائے ناں، سہی جائے ناں۔"

حمیدہ بیگم نے ہڈیوں میں گودا جما دینے والی اس سردی کو محسوس کیا تو ایک سرد لہر ان کے اندر اتر گئی، انہوں نے کچن میں کھڑی شال اور سوئیٹر سے بے نیاز برتن دھوتی حنا کو دیکھا جو اب برتن دھونے کے بعد سنک اور سلیب کی صفائی کرنے کے بعد برنر پہ چائے کا پانی رکھ رہی تھی، تھوڑی دیر میں چائے کی ٹرے لے کر حنا کمرے میں داخل ہوئی تو حمیدہ بیگم نے لحاف سہولت سے اپنے اوپر پھیلاتے ہوئے ٹیبل پہ ٹرے رکھتی حنا کو دیکھا جو ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھنے لگی تھی انہوں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا، حنا نے حیرت سے ساس کو دیکھا جنہوں نے اب اپنے اوپر پھیلے لحاف کا سرا اس کے اوپر ڈال دیا تھا، اس نے ٹرے میں رکھا کپ اٹھا کر پہلے حمیدہ بیگم کی طرف بڑھایا اور دوسرا کپ خود اٹھا لیا۔

"امی جان آج کا کھانا کیسا لگا آپ کو اور کسی چیز کی کمی تو محسوس نہیں ہوئی ناں۔"

"ہاں بیٹی بہت اچھی رہی تمام انتظام ہر طرح سے مکمل تھا، کہیں کوئی اوھورا پن نہیں تھا اور تم بھی ایک بہو کی طرح دور دور اور کٹی کٹی سی نہیں بلکہ ایک بیٹی کی طرح قریب قریب اور اپنی اپنی سی لگ رہی تھیں۔"

حمیدہ بیگم کے الفاظ پہ حنا کے چہرے پہ سکون اور اطمینان کی لہر اتر گئی، لیکن ان کی اگلی

بات پر وہ توجہ سے انہیں دیکھنے لگی۔
"بیٹا اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"
"امی جان آپ میری ماں کی جگہ ہیں میں آپ کی بات کا برا کیوں مانوں گی۔"
"بیٹا تم صبح بھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی ایک گانا سن رہی تھیں جو اکثر و بیشتر تم سنتی رہتی ہو۔"

ان کے گانے اور پورے انہماک سے ان کے منہ سے سننے پر وہ شرمندہ سی ہو گئی گویا وہ جانتی تھیں کہ وہ کتنی شوقین مزاج ہے گانوں کی، یہ سوچ کر اس کا سر شرمندگی سے جھک گیا۔
انہوں نے محبت سے اس کا چہرہ اٹھایا تو اس کی پلکیں جھک گئیں اس پل حنا کو ان سے نظریں ملانا مشکل لگ رہا تھا۔
"بیٹا شرمندہ مت ہو مجھے پتا ہے تمہیں گانے سننے کا شوق ہے لیکن بیٹا تم ہر لحاظ سے ایک مکمل لڑکی ہو، میرے گھر کو اور میرے بیٹے کے ساتھ میری جس طرح تم خدمت کرتی ہو یہ تمہاری اچھی سیرت کی دلیل ہے، تم صورت و سیرت میں یکتا ہو اور میں خوش نصیب ہوں کہ ایسا ہیرا خدا نے مجھے نصیب کیا، لیکن بیٹا تھوڑی بہت کمی اور خامی تو ہر انسان میں ہوتی ہے اور مجھ میں بھی ہو گی۔"
حمیدہ بیگم نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو حنا نے حیرت سے اپنی ساس کو دیکھا۔
"لیکن بیٹا ہم نے یہ سوچا ہے کہ کبھی کہ دنیا کو مکمل کرنے اور رشتوں کے ادھورے پن اور دوری کو پورا کرنے کے لئے ہم اپنے رب سے کتنے دور ہو گئے اور ادھورے ہیں اور اس دوری اور ادھورے پن کا ہمیں احساس بھی نہیں یہ دوری اور ادھورا پن ہمیں تباہی کے گڑھے میں لے کر جائے گا ہم اس سے آج تک غافل ہیں، ہم عبادت کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی بجائے گانوں کے ذریعے شیطان کا قرب حاصل کرنے کو ترجیح کیوں دیتے ہیں، جبکہ اللہ تو ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور ہم سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت رکھتا ہے، لیکن ہم اس کے کیسے بندے ہیں کہ ہمیں اپنے محبوب رب کی قربت اور محبت کی ذرا بھی قدر نہیں اور اس دنیا کی خاطر ہم اس کی قربت خود اپنے ہاتھوں سے اسے ناراض کر کے دوری میں بدل رہے ہیں اور پھر جب ہم دور ہو جاتے ہیں ناں اس رب سے تو ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ خود بھی ہم سے دور اور ناراض ہو جاتا ہے اور اللہ کسی پہ وہ وقت نہ لائے بیٹا جب وہ ہم سے دور اور ناراض ہو جائے۔"
"ہم کمزور اور نادان لوگ نہ تو اس مہربان اور قدر دان رب کی دوری سہہ سکتے ہیں اور نہ ہی ناراضگی اور دوری اور ناراضگی تو وہ چیزیں ہیں بیٹا جو رشتوں کو کمزور کرتی ہیں اور بیٹا جو رشتہ ٹوٹ جائے وہ زندگی کی شاخ سے گرے پتے جیسا ہوتا ہے نیچے گر گیا اور پھر سوکھ گیا تو پھر کم ہی ہرا ہوتا ہے اور ہمیں اپنے رب سے جڑے رشتے کو اپنی دعاؤں سے اور اطاعت سے قربت میں بدلنا ہے دوری میں نہیں، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا بیٹا؟"
حمیدہ بیگم نے اسے کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اس کی پیشانی کو چوم کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو حنا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ان کے کاندھے پر سر رکھ دیا دو آنسو نکل کر حمیدہ بیگم کے کاندھے میں جذب ہو گئے۔

☆☆☆

مٹ گئیں دوریاں

ثوبیہ ملک

دس سالہ دانش اسکول سے واپس آ کر اچھلتا کودتا گھر میں داخل ہوا تو اپنے کمرے میں چھ سالہ مریم کو دیکھ کر حیران رہ گیا، کیونکہ آج سے پہلے اس نے سامنے چاکلیٹ کھاتی بچی کو کبھی بھی نہیں دیکھا تھا، وہ ماں کو آوازیں دینے لگا تو مریم جو چاکلیٹ کھانے میں مگن تھی سہم کر اسے دیکھا جبکہ نفیسہ بیگم دوڑتی ہوئی آئی۔

''امی یہ کون ہے؟'' دانش نے مریم کی طرف اشارہ کیا تو نفیسہ خاتون مسکرا دی۔

''یہ مریم ہے، تمہاری خالہ تھی نہ نوران کی بیٹی۔'' انہوں نے دانش کو بتایا تو وہ مریم کے پاس چلا آیا۔

''امی یہ تو بالکل گڑیا جیسی ہے۔'' دانش نے مریم کا ہاتھ پکڑ کر دوستی کا اعلان کیا تو وہ جھجکتی

ناولٹ

ہوئی اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے لگی جبکہ نفیسہ خاتون نے مسکرا کر ان کو دیکھا۔

''امی ہماری دوستی پکی ہو گی۔'' بچوں کی اپنی ہی دنیا تھی۔

''چلو ٹھیک ہے میں ذرا کچن دیکھ لوں تمہارے بھیا کالج سے آنے والے ہونگے تو وہ بھوک کا شور مچائیں گے۔'' دانش نے سر ہلایا تو وہ مطمئن سی نظر ڈالتی ہوئی نکل آئی اور مریم بھی دانش کے ساتھ کھیل میں مگن ہو گئی۔

☆☆☆

''کتنی پیاری بچی ہے اور اسے تو معلوم بھی نہیں کہ اس پر کیا قیامت ٹوٹی ہے۔'' نفیسہ خاتون نے دوپٹے سے آنسو پونچھے، سعید صاحب بھی آبدیدہ ہو گئے۔

''کیا پتا تھا کہ خالد بھائی اور نور بھابھی حج کا فریضہ ادا کر کے واپس آ رہے ہونگے اور ان کا پلین کریش ہو جائے گا، بس اللہ کے کام وہی جانے۔'' سعید صاحب نے تاسف سے کہا۔

''روز ہی پوچھتی ہے کہ میری امی اور ابو کب آئیں گے مگر میں اسے ٹال دیتی ہوں، اس کی معصوم صورت دیکھتی ہوں تو کلیجہ کٹتا ہے میرا، باتیں بھی کتنی پیاری کرتی ہے۔'' نفیسہ خاتون کے لہجے میں گہرا ملال اتر آیا، ابھی وہ مزید باتیں کرتے کہ دانش اور مریم ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے آئے۔

''خالہ یہ میری گیند نہیں دے رہے۔'' وہ منہ بسورتی ہوئی بولی جبکہ دانش معصوم بن کر کھڑا تھا۔

''دانش بیٹا بری بات ہے ایسے نہیں کرتے چلو واپس دے دو، چھوٹی ہے تم سے اور بڑے لڑتے نہیں ہیں چھوٹوں سے۔'' سعید صاحب نے کہا تو دانش نے اس کو گیند واپس کر دی جبکہ مریم نے اسے منہ چڑایا تو سب ہنس دیے۔

''السلام علیکم!'' حماد کمرے میں داخل ہوا۔

''ارے آ گئے تم کالج سے۔'' نفیسہ نے اپنے سترہ سالہ نوجوان بیٹے کو پیار سے دیکھا تو وہ صوفے پر سکون سے بیٹھ گیا۔

''جاؤ دانش بھیا کے لئے پانی لے کر آؤ۔'' دانش بھاگتا ہوا پانی لینے چلا گیا اور لا کر بھیا کے ہاتھ میں تھمایا۔

''امی میں کچھ دیر کے لئے سو رہا ہوں، مجھے ڈسٹرب نہ کرے کوئی۔'' حماد نے دانش اور مریم کو سنانے کے لئے خاص طور پر کہا چونکہ وہ بہت شور مچاتے تھے تو اسے غصہ آتا تھا۔

وہ میڈیکل کے دوسرے سال میں تھا اور وہ پوری رات بہت محنت سے پڑھتا اس کا خواب تھا کہ وہ ڈاکٹر بنے جس کی تعبیر کے لئے وہ دن رات کا آرام بھلائے جانفشانی سے پوری محنت کر رہا تھا۔

☆☆☆

''امی میری شرٹ نہیں مل رہی۔'' دانش زور سے چلایا۔

''وہیں رکھی ہو گی، اپنی چیزوں کا خیال رکھا کرو۔'' نفیسہ خاتون نے پیار بھری ڈانٹ پلائی۔

''امی نہیں مل رہی مجھے پورے کمرے میں تلاش کی ہے۔'' وہ ناراضگی سے بولا۔

''اچھا جا کر اوپر مریم سے کہو، مجھ سے تو سیڑھیاں چڑھ کر اوپر نہیں جایا جاتا۔'' نفیسہ خاتون نے جوڑوں کی درد کا بتایا تو وہ جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آیا تو مریم انگلش کی کتاب کھولے پڑھنے میں مگن تھی۔

''اے مریم بعد میں پڑھنا پہلے میری کالی والی شرٹ ڈھونڈ کر دو۔'' اس نے مریم کی پونی کھینچی تو اس نے غصے سے گھورا۔

''جاؤ میں نہیں دے رہی۔'' اس نے انکار کیا تو وہ منت پر اتر آیا تو وہ اتراتی ہوئی اٹھ گئی۔

''ایک شرط پر؟''

''بولو نہ دیدی جلدی۔'' اس نے منہ بسورا، اس وقت اسے اپنے دوستوں کے ساتھ جانا تھا تو اسے ماننا ہی پڑ رہی تھی۔

''مجھے آئس کریم کھلاؤ گے۔'' وہ بھی فوراً بولی۔

''چلو ٹھیک ہے میں شام میں لیتا آؤں گا۔'' مریم نے اٹھ کر الماری سے اس کی شرٹ لا دی تو وہ بھی جلدی جلدی تیار ہوتے چل دیا کیونکہ اس کے دوست دوبارہ آ کر اس کا پوچھ چکے تھے۔

☆☆☆

دن تیزی سے گزر رہے تھے، مریم اس وقت انٹر کر چکی تھی اور رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی تو خالہ اس دوران اسے گھر کے مختلف کاموں میں طاق کر رہی تھی، دانش ایم اے کے بعد جاب

کے لئے کوششیں کر رہا تھا، لیکن اس کا ارادہ باہر جانے کا تھا اور حماد اپنی ہاؤس جاب تقریباً مکمل کرنے والا تھا۔

شام میں پڑوس میں شادی تھی تو خالہ نے مریم کو تیار ہونے کا کہا تھا تو وہ سرمئی رنگ میں جارجٹ کے دوپٹہ کو کندھے پر پھیلائے، اپنے چہرے کو آئینے میں دیکھ رہی تھی، دانش جو اپنے کام سے اوپر آیا تھا مریم کو یوں سنورا دیکھ کر حیران رہ گیا، دل انوکھے سر الاپنے لگا وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا، مریم نے اسے اپنے پیچھے مسلسل گھورتے دیکھا تو ڈپٹنے لگی۔

''کیا مسئلہ ہے، کیوں گھور رہے ہو؟'' وہ الجھن میں گھری بولی۔

''میں سوچ رہا ہوں یہ پری کہاں سے اتر آئی ہے ہمارے گھر؟'' وہ شوخ لہجے میں بولا۔

''میں تو ہوں پری اور تم کالے جن۔'' وہ شرارت سے بولی تو دانش فوراً تپ گیا، کچھ دیر پہلے جو دل میں ہلچل ہوئی تھی، اس کی جگہ فوراً غصے نے لے لی۔

''اچھا تو میں کالا جن ہوں، ابھی دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔'' وہ خونخوار تیوروں کے ساتھ اس کو پکڑنے کے لئے پلٹا تھا جبکہ وہ اس کا ارادہ جان کر فوراً سیڑھیوں کی طرف بھاگی کہ سامنے سے آتے حماد سے ٹکرا گئی، حماد نے بری طرح اسے غصے سے گھورا اور مریم کو تو ہمیشہ اس سے ڈر لگتا تھا، دانش تو حماد بھیا کو دیکھتے ہی بھاگ گیا جبکہ وہ بے بسی سے لب کچلتی رہی تھی۔

''تمہارے پیچھے کوئی جن لگا ہوا تھا جو یوں بھاگی آرہی ہو۔'' وہ غصے سے بولا۔

''ہاں وہ جن تھا......'' وہ خود تھوڑی دیر پہلے اپنے الفاظ کے زیر اثر تھی تو منہ سے بھی یہی نکلا

لیکن نور آزبان دانت تلے دبائی۔

''کیا فضول بول رہی ہو؟'' وہ ناگواری سے بولا۔

''بھیا وہ دانش تنگ کر رہا تھا۔'' اس کی آنکھیں بھر آئی جھیل سی آنکھوں میں آنسوؤں نے عجیب سا سمایا باندھ تھا، حماد نے سر جھٹکا۔

''نان سنس جاؤ یہاں سے۔'' ایسا ہی ہوتا تھا دانش کی شرارت کی وجہ سے اسے ڈانٹ پڑ جاتی اور وہ بھاگ جاتا، حماد بھیا کا رعب ہی اتنا تھا کہ دانش بھی ڈرتا، اس وقت بھی حماد بھیا کی ڈانٹ کھا کر وہ اداس سی نیچے اتر آئی جہاں دانش مزے سے اس کی اتری صورت دیکھ کر ہنسنے لگا۔

''بھیا نے ڈانٹا ہے نا۔'' وہ پوچھ رہا تھا جبکہ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''چلو کوئی بات نہیں تم اپنا موڈ مت خراب کرو، اتنی پیاری لگ رہی ہو اگر آنسو چھلک پڑے تو سارا میک اپ بہہ جائے گا اور پھر تم اپنی اصلی حالت میں آ جاؤ گی بل بتوڑی۔'' وہ دلاسہ دیتے دیتے بھی اپنی عادت سے باز نہ آیا تو اس نے لڑنے کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا کیونکہ خالہ آوازیں دے رہی تھی۔

''بعد میں پوچھوں گی تم سے۔'' اس نے خبردار کیا۔

''اب تو تم نے ہی پوچھنا ہے ساری زندگی۔'' جبکہ وہ ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھ کر ساتھ جھٹکتی ہوئی وہاں سے خالہ کے پاس جانے لگی۔

☆☆☆

تقریب میں مریم کو جس نے بھی دیکھا سراہے بغیر نہ رہ سکا، یہاں تک کہ کچھ خواتین نے اپنے بیٹوں کے لئے پسند کر لیا تو نفیسہ خاتون نے انہیں یہ کہہ کر چپ کروا دیا کہ مریم ان کی بہو ہے۔

جبکہ مریم تمام باتوں سے غافل دلہن کے پاس بیٹھی تھی، رات گئے وہ لوگ واپس آئے تھے تو مریم جاتے ہی اپنے کمرے میں سونے چلی گئی تھی چونکہ وہ بری طرح تھک چکی تھی، اس لئے لمحوں میں ہی غافل ہو گئی، نفیسہ خاتون بھی کمرے میں آ کر لیٹنے لگی تھی کہ دانش ان کے پاس چلا آیا اور ان کی ٹانگیں دبانے لگا تو نفیسہ اس کے اتنی دیر جاگنے پر حیران ہوئی۔

''کیا بات ہے اتنی دیر تک جاگ رہے ہو۔'' انہوں نے سوال کیا تو وہ سر کھجاتے ہوئے بولنا شروع ہوا۔

''امی میں نے سوچا آپ بہت تھک گئی ہیں اس لئے آپ کی تھوڑی خدمت کر لوں۔'' وہ مکھن لگاتے ہوئے بولا لیکن وہ بھی اس کی ماں تھی۔

''یہ آج کیسے خیال آ گیا تمہیں۔'' انہوں نے گھورا۔

''امی آپ کا خیال مجھے ہر وقت رہتا ہے۔'' وہ پیار سے بولا۔

''اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ اور جو کام ہے وہ بتاؤ ورنہ میں سونے لگی ہوں۔'' انہوں نے آخر میں دھمکی دی۔

''امی آپ کو پتا ہے میں کتنے سال کا ہو گیا ہوں پورے بائیس کا لیکن آپ لوگوں کو میری فکر ہی نہیں ہے۔'' وہ مصنوعی ناراضگی سے منہ بسورتے ہوئے بولا۔

''اچھا یہ بتانے کے لئے تم اتنی رات کو میری نیند خراب کرنے آئے ہو۔'' نفیسہ خاتون نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کیں۔

''امی آپ پوری بات تو سنیں۔'' وہ روٹھ گیا تو نفیسہ خاتون اب کے جھنجھلا گئی اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''امی اب حماد بھائی نے تو بوڑھے ہو کر بھی شادی نہیں کرنی لیکن میرا تو کچھ خیال کریں۔'' وہ شرمانے کی ایکٹنگ کرنے لگا تو نفیسہ خاتون نے اس کی کمر پہ دھموکا جڑا۔

''اچھا تو یہ بات ہے، میں بھی کہوں باؤلا ہو رہا ہے، کون سی لڑکی ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''امی آپ کو پتا ہے اس کا بلکہ آپ اچھی طرح سے اسے جانتی بھی ہیں، اپنی مریم۔'' لفظ اپنی پر زور دیا گیا تھا، نفیسہ خاتون نے حیرت سے دیکھا کیونکہ وہ تو حماد کے لئے مریم کا سوچے ہوئے تھی مگر کوئی بات نہیں دانش کی بیوی بن کر بھی وہ ان کی بہو بنتی جبکہ حماد کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، انہوں نے آگے بڑھ کر دانش کو گلے سے لگایا۔

''میں صبح ہی تمہارے ابو سے بات کرتی ہوں۔'' انہوں نے کہا تو دانش نے خوشی سے ماں کو پکڑ کر گھما ڈالا۔

''لڑکے لگتا ہے ماں کی ہڈیاں توڑے گا۔'' انہوں نے خود کو دانش کے بازوؤں سے آزاد کرایا۔

''جیو امی ہزاروں سال۔'' وہ ماں کے ماتھے پر بوسہ دے کر اپنے کمرے میں آ گیا جبکہ نفیسہ خاتون اس کی دیوانگی پر مسکرانے لگی۔

☆☆☆

اگلے دن نفیسہ خاتون نے سعید صاحب سے بات کی تو انہوں نے اگلے ہفتے ان کی منگنی کا اعلان کر دیا، دانش نے یہ سنا تو خوشی سے بھنگڑے ڈالتا مریم کے کمرے میں جا پہنچا، وہ جو اس خبر کو سن کر اپنے کمرے میں بند تھی، دانش کو یوں اپنے کمرے میں آتا دیکھ کر سٹپٹائی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ گھبراتے ہوئے بولی تو دانش چھلانگ لگا کر اس کے بیڈ پر چڑھ گیا اور آرام سے لیٹ گیا۔

''میری مرضی میں جو کروں بلکہ اب تو تمہیں بھی وہی کرنا ہوگا جو میں کہوں گا، آخر کو میری ہونے والی منگیتر ہو۔'' وہ شوخ ہوا۔

''منہ دھو کر رکھو۔'' وہ اس کے حکم چلانے پر فوراً غصے میں آئی۔

''اچھا میرا منہ گندا ہے، تم دھلا دو۔'' وہ شیشے کے سامنے اپنا جائزہ لینے لگا اور پھر اس کے قریب چلا آیا اور وہ ڈر کے مارے دیوار سے جا لگی۔

''یقین نہیں ہے مجھ پر۔'' وہ افسوس سے بولا مگر وہ خاموش رہی تو وہ جانے لگا پھر پلٹا۔

''سنو تم خوش ہو ناں؟'' کتنی آس سے پوچھا تھا پھر وہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

''مجبوری ہے اس جن کے ساتھ گزارا کرنا پڑے گا۔'' وہ کہہ کر وہاں سے بھاگ گئی جبکہ وہ یوں اس کے اظہار پر مسکرا دیا۔

''میرے پاس ہی آنا ہے میڈم آخر۔'' وہ وارننگ بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوا۔

☆☆☆

پھر خوشگوار سی سہانی شام میں خالہ نے اسے انگوٹھی پہنا دی تھی اور اس طرح وہ دانش کے نام سے منسوب ہو گئی، زندگی خوبصورت لمحوں سے لطف اندوز ہوتے گزر رہی تھی کہ اچانک ایک رات سعید صاحب جو سوئے تو پھر سوتے ہی رہ گئے، نفیسہ خاتون تو گم صم ہو کر رہ گئی، مریم نے بہ مشکل ان کو سنبھالا ہوا تھا حالانکہ وہ خود بھی اس غم سے بہت نڈھال تھی، حماد تو کمرہ نشین ہو کر رہ گیا تھا جبکہ دانش کی شرارتیں بھی ختم ہو گئی تھیں، گھر میں بے نام سی اداسی اتر آئی تھی، بس ایک مریم

ہی تھی جو سب کی دل جوئی میں لگی ہوئی تھی۔
وہ دودھ کا گلاس گرم کر کے حماد کے کمرے میں چلی آئی، جس نے کل سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔
''بھیا پلیز یہ دودھ پی لیں۔'' وہ ان کی حالت کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئی، حماد نے اس کی آواز پر آنکھیں کھولی جو سرخ انگارہ ہو رہی تھیں، مریم ایک لمحے کے لئے تو ڈر گئی۔
''مریم لے جاؤ میرا دل نہیں چاہ رہا بالکل بھی۔'' وہ اکتائے ہوئے بولا تو مریم کو ان کے صفا چٹ جواب پر اپنا حوصلہ پست ہوتا محسوس ہوا مگر پھر بھی خود کو سنبھالا اسے ویسے بھی حماد بھیا سے ڈر لگتا تھا اسے اچھی طرح یاد تھا کہ بچپن میں وہ جہاں کہیں حماد بھیا کو دیکھتی بھاگ جاتی کیونکہ وہ بہت روڈ قسم کے انسان تھے لمحے میں اگلے بند کو بے عزت کر دیتے۔
''بھیا اگر آپ یوں ہمت ہار جائیں گے تو ہمارا کیا ہو گا، خالہ کو کون سنبھالے گا، آپ بڑے بیٹے ہیں، سب کو آپ سے امیدیں وابستہ ہیں، دانش اور خالہ تو بالکل ڈھے گئے ہیں، صرف آپ ہی ہیں جو اس وقت خود کو مضبوط کر کے ان کا سہارا بن سکتے ہیں۔'' وہ سانس لینے کے لئے رک گئی تھی جبکہ حماد نے اسے حیرانگی سے دیکھا تھا وہ چھوٹی سی لڑکی کتنی سمجھداری کی باتیں کر رہی تھی وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔
''یہ دودھ یہاں رکھ دو میں پی لوں گا، امی نے کچھ کھایا؟'' وہ اس کی باتوں کے زیر اثر تھا۔

☆☆☆

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ گزرتا چلا جاتا ہے، ایک سال بھی پلک جھپکتے گزر گیا تھا، حماد بھیا اپنی ہاؤس جاب بھی مکمل کر چکے تھے اور آغا خان ہاسپٹل میں ہارٹ اسپیشلسٹ تعینات ہو گئے تھے، جبکہ دانش نے جو باہر جانے کے لئے ویزا کے لئے اپلائی کیا تھا اس میں کامیاب ہو گیا، نفیسہ خاتون تو یہ سن کر رونے بیٹھ گئی اور دانش سے سخت ناراض تھی۔
''دانش کیا باہر جانا ضروری ہے۔'' مریم نے آخری کوشش کی کہ شاید وہ رک جائے مگر وہ تو فیصلہ کر چکا تھا۔
''صرف دو سال کے لئے جا رہا ہوں پھر لوٹ آؤں گا، تم لوگ فضول میں پریشان ہو رہے ہو۔'' وہ مریم کو سمجھانے لگا تو اس نے شکوہ بھری نگاہ اٹھائی۔
''کم از کم خالہ ہی کا خیال کر لو۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔
''خالہ کا یا خالہ کی بھانجی کا۔'' وہ شرارتی ہوا تو مریم نے گھورا۔
''مری نہیں جا رہی ہوں تمہارے لئے۔'' وہ خفگی سے بولی تو دانش اس کے اترے چہرے کو نگاہوں میں جذب کرنے لگا۔
''مجھے یاد کرو گی۔'' اس نے پوچھا تو مریم کی آنکھیں بھر آئی۔
''مریم کیا بچوں کی طرح بی ہیو کر رہی ہو، ہنسی خوشی میرے ساتھ وقت گزارو صرف چند دن تو ہوں میں تمہارے ساتھ۔'' وہ اس کے آنسو صاف کرنے لگا تو وہ مزید رونے لگی جبکہ حماد جو کسی کام سے اوپر آیا تھا اس نے یہ منظر عجیب نگاہوں سے دیکھا تھا۔

☆☆☆

آخر وہ دن بھی آ گیا جس دن دانش نے جانا تھا، نفیسہ خاتون اور مریم کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھی، جبکہ حماد بظاہر تو مسکرا رہا تھا مگر دل اس کا بھی بہت اداس تھا کیونکہ دانش سب کا ہی لاڈلا تھا۔

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

''دیکھو وہاں جا کر بھول نہ جانا ہمیں۔''
نفیسہ خاتون نے اسے بازو... بات دوبارہ دہرائی۔
''امی آپ کیوں فکر کرتی ہیں، میں روز آپ کو فون کروں گا، بھلا آپ لوگوں کو میں بھول سکتا ہوں۔'' وہ ماں کے گلے سے لگ کر بولا، پھر مریم کے قریب چلا آیا، جو خفگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''سنو اپنا خیال رکھنا، صرف اپنے لئے نہیں بلکہ میرے لئے بھی اور جب میں واپس آؤں تو یوں روتے ہوئے نہیں ہنستے ہوئے ملو۔'' وہ اس کے گالوں پہ چٹکی کاٹتے ہوئے بولا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
''بھیا امی کا بہت خیال رکھے گا اور مریم کا بھی، آپ سب کو میں بہت مس کروں گا۔'' دانش حماد کے گلے سے لگتے ہوئے بولا تو حماد نے اسے کتنی ہی دیر گلے سے لگائے رکھا۔
''تم بھی اپنا خیال رکھنا مجھے فکر رہے گی تمہاری، پہلی بار اتنی دور پرائے دیس میں وہ بھی اکیلے ڈر تو لگتا ہے نہ۔'' حماد بھیا نے کہا۔
''بھیا آپ کا یہ بھائی اب بڑا ہو گیا ہے۔'' وہ جتاتے ہوئے بولا تو وہ ہنس دیا۔
حماد نے ہاتھ ہلا کر اسے رخصت کیا، پھر جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا وہ وہی کھڑا رہا۔

☆☆☆

دانش کے جانے کے بعد گھر میں اداسی سی اتر آئی تھی، گھر بھر میں جو اس کی چہکار گونجتی تھی ویرانی اتر آئی تھی، مریم بولائی بولائی سی پورے گھر میں پھرتی خالہ سے بھی کب تک باتیں کرتی حالانکہ حماد نے اسے کہا بھی تھا کہ وہ آگے ایڈمیشن لے لے مگر اس نے منع کر دیا کیونکہ اس کے خیال میں خالہ گھر پر اکیلی ہوتی ہیں، پھر خالہ کی طبیعت بھی بہت خراب رہنے لگی تھی، ان سوگوار بھرے دنوں میں اچانک خالہ کو حماد کی شادی کا جوش چڑھا تو وہ آج کل اس کے لئے لڑکیاں ڈھونڈ رہی تھیں جبکہ دانش کے آنے پر اس کی شادی ہونی تھی۔
''یہ تصویریں دیکھ کر کوئی ایک پسند کر لو۔'' نفیسہ خاتون نے اسے کہا جو کسی فائل میں گم تھا۔
''امی آپ کوئی ایک فائنل کر لیں آپ کی پسند میری پسند۔'' وہ تابعداری سے بولا تو وہ کھل اٹھی۔
''مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی سب ہی اتنی پیاری ہیں۔'' وہ بوکھلائی ہوئی تھی تو حماد تھوڑا شریر ہوا۔
''سب ہی لے آئیں آپ۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو انہوں نے سر پر ہلکی سی چپت لگائی کہ اسی دوران مریم اندر داخل ہوئی۔
''خالہ آج کیا پکانا ہے؟'' اس نے پوچھا۔
''فی الحال کھانے کو چھوڑو، تم ان تصویروں کو دیکھو اور بتاؤ کون سی لڑکی تمہاری بھابھی بن کر اچھی لگے گی۔'' انہوں نے تصویریں مریم کی گود میں ڈالیں۔
''خالہ میں کیسے بتا سکتی ہوں بھلا بھیا سے پوچھیے آخر کو انہوں نے شادی کرنی ہے۔'' وہ شپٹائی تھی۔
''اب تو مریم ہی فائنل کرے گی کیوں امی۔'' حماد شاید بہت خوشگوار موڈ میں تھا اس لئے مریم کو حیرت ہوئی ورنہ وہ تو مریم سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتا۔
''ہاں کیوں نہیں آخر تمہاری چھوٹی بہن ہے، حق بنتا ہے بہنوں کا بھائیوں پر پھر تو تمہاری بیوی آ جائے گی ہمیں کہاں پوچھو گے۔'' انہوں نے اسے چھیڑا تو وہ جذباتی ہو گیا۔

"امی میں دانش نہیں ہوں جو......" اسے ایک دم احساس ہوا کہ وہ کیا کہنے جارہا ہے فوراً دانتوں تلے زبان دبائی جبکہ مریم شرمندگی سے سر جھکائے وہاں سے اٹھ گئی تو نفیسہ خاتون نے آنکھیں دکھائی۔

"سوری امی۔" وہ شرمندگی سے بولا اسے واقعی ہی خود پر غصہ آیا ورنہ مریم کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا لیکن اظہار کے معاملے میں کنجوس تھا۔

☆☆☆

خالہ کی طبیعت اچانک سے بگڑ گئی تھی، وہ پریشانی میں بغیر دوپٹے کے حماد کے کمرے کا دروازہ بجانے لگی۔

"بھیا خالہ کو دیکھے کیا ہوا ہے۔" متورم چہرہ، سوجی آنکھیں اور کپکپاتا لہجہ تھا، حماد بھی فوراً بھاگا، ماں کا مکمل چیک اپ کرنے کے بعد اس نے سکون آور انجکشن لگایا تو وہ سوگئیں۔

"جاؤ تم بھی جاکر سو جاؤ، میں امی کے پاس ہوں۔" اس نے مریم سے کہا۔

"نہیں بھیا آپ آرام کریں میں خالہ کا خیال کرلوں گی۔" مریم نے اٹل لہجے میں کہا تو حماد کچھ دیر اس کو دیکھتا رہا جو بہت پریشان تھی کچھ دیر قبل، لیکن اب نفیسہ خاتون کی طرف سے اطمینان نے اس کو حوصلہ دیا تھا۔

"اوکے میں جارہا ہوں کوئی مسئلہ ہو تو مجھے بتادینا۔" وہ واپس چلا گیا تو مریم بھی اپنے بستر پر آگئی، جبکہ ذہن دانش کی طرف تھا، کتنے دنوں سے اس نے فون بھی نہیں کیا تھا، اس کو گئے ایک سال ہوگیا تھا، شروع کے چھ مہینے وہ لگاتار فون کرتا تھا مگر پھر آہستہ آہستہ اس نے رابطہ کم کردیا تھا اور اب ایک مہینہ ہوگیا تھا اسے دانش کی آواز سنے، اس کا دل عجیب وسوسوں کا شکار ہورہا تھا۔

"شاید بہت زیادہ مصروف ہوگا اور پھر اس کی عادت بھی تو ہے ہمیں تنگ کرنے کی۔" وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوئی، پھر اسے سوچتے سوچتے نہ جانے کب نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

☆☆☆

دانش نے وہاں کسی گوری سے شادی کرلی تھی، یہ خبر نفیسہ خاتون پر بجلی بن کر گری تھی، اس کی اتنے دنوں کی لاتعلقی کے پیچھے یہ راز چھپا تھا، مریم تو یہ سن کر بالکل گم صم ہوکر رہ گئی تھی، کوئی اتنی جلدی بدل جائے گا اسے یقین ہی نہ آتا۔

رو رو کر اب تو آنسو بھی ختم ہوگئے تھے جبکہ نفیسہ خاتون بستر کی ہوکر رہ گئی، بھلا ان کی محبت میں کہاں کمی رہ گئی تھی، جو وہ یوں دیار غیر میں پرائے لوگوں کی محبت میں گرفتار ہوگیا تھا، وہ مریم کے سامنے شرمندگی سے جا بھی نہیں رہی تھی۔

"حماد اس لڑکے نے مجھے رسوا کردیا۔" نفیسہ خاتون روتی جاتی تھیں۔

"امی صبر کریں، اللہ کی کوئی مصلحت شامل ہوگی۔" وہ ماں کو حوصلہ دیتے ہوئے بولا ورنہ حقیقت میں اسے خود بھی دانش پر شدید غصہ تھا۔

"کاش میں اسے جانے ہی نہ دیتی، میں تو مریم کا سوچتی ہوں اس معصوم کے دل پر نہ جانے کیا بیت رہی ہوگی۔" انہیں بس مریم کی فکر کھائے جارہی تھی۔

"امی دانش دنیا میں آخری لڑکا تو نہیں ہے نہ ہم کوئی اور اچھا سا لڑکا دیکھ کر مریم کو بیاہ دے گئے۔" وہ امی کو تسلی دینے لگا۔

"میں ذرا مریم کو دیکھ لوں آپ آرام کریں۔" وہ مریم کے کمرے میں چلا آیا جو بکھرے بالوں کے ساتھ سوں سوں کررہی تھی، حماد کو اسے دیکھ کر افسوس ہوا۔

"مریم یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔" کڑے

تیوروں سے پوچھا گیا وہ کرنٹ کھا کر اچھلی۔
''بھیا وہ میں......'' اسے کچھ سمجھ نہ آیا کیا بولے۔
''فٹا فٹ سے اپنا حلیہ ٹھیک کرو اور نیچے جا کر امی کے ساتھ ہاتھ بٹاؤ، پتا بھی ہے کہ وہ کتنی بیمار رہتی ہیں مگر تم تو کمرہ نشین ہو کر رہ گئی ہو۔''
حماد اسے اس غم سے نکالنا چاہتا تھا اس لئے اس طرح بی ہیو کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، مریم نے فوراً بیڈ کو چھوڑا تھا اور منہ ہاتھ دھو کر خالہ کے پاس چلی آئی جو افسردہ سی بیٹھی تھیں، اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں پھر سے بھر آئی۔
''میری بچی مجھے معاف کر دینا۔'' وہ مریم کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی تو مریم نے سرعت سے ان کے ہاتھوں کو تھام کر چومنا شروع کر دیا۔
''خالہ آپ مجھے کیوں گنہگار کر رہی ہیں، اس میں آپ کا کیا قصور ہے پھر مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، شاید اس سے بہتر ہو میری قسمت میں۔'' وہ اپنے آنسوؤں کو اندر اتارتے ہوئے مسکرا کر بولی تو خالہ کو اس کے حوصلے پر رشک آنے لگا۔
''بہت بدنصیب ہے وہ جو تمہاری قدر نہ کر سکا، میں تو ماں ہوں اس کی بددعا بھی نہیں کر سکتی۔'' نفیسہ خاتون افسردہ سی بولی تو مریم نے آگے بڑھ کر ان کو گلے لگا لیا۔

☆☆☆

زہرہ نفیسہ خاتون کی بچپن کی دوست تھی، جنہیں اب سب بوا بیگم کہتے تھے، شادی کے بعد وہ دوسرے شہر رخصت ہو کر چلی گئی تھی، اب بہت عرصے بعد واپس کراچی آئی تو نفیسہ خاتون سے ملنے چلی آئی جہاں انہیں نفیسہ خاتون کے گھر کے حالات کا پتہ چلا تو وہ دکھی ہو گئی۔
''تم اتنی بے مروت نکلی کم از کم مجھے خبر تو کرتی۔'' بوا بیگم نے شکوہ کیا۔
''بس کچھ سمجھ ہی نہ آیا کہ کیا کروں پھر تمہارا نمبر بھی بند ہو گیا تھا، تو تمہارے سے رابطہ کیسے ہوتا۔'' نفیسہ خاتون نے کہا تو بوا بیگم کو یاد آیا کہ انہوں نے وہ سم اپنی بھانجی کو دی تھی جو اس نے توڑ دی، ابھی وہ لوگ باتوں میں مصروف تھے کہ حماد وہاں چلا آیا اور بوا بیگم سے ملنے لگا۔
''حماد کی شادی کی ہے یا ابھی تک کنوار پھر رہا ہے۔'' بوا بیگم نے حماد کا جائزہ لیا۔
''بس ابھی تلاش کر رہی ہوں اچھی سی لڑکی تمہاری نظر میں کوئی ہو تو بتانا۔'' نفیسہ خاتون نے جواب دیا۔
''لڑکے تمہاری عمر میں تو نوید (شوہر) کے چار بچے ہو چکے تھے۔'' وہ کچھ ناگواری سے بولی تو حماد ہنس دیا۔
''خالہ آپ لوگ آ کر کھانا کھا لیں۔'' اچانک سے مریم اندر داخل ہوئی تو بوا بیگم کے ذہن میں کوندا سا لپکا تو وہ نفیسہ خاتون کے قریب آ کر بیٹھ گئی اور نہایت سرگوشی میں بولی۔
''ارے تم تو فضول میں پریشان ہو رہی ہو، مریم کے لئے اتنا اچھا بر گھر میں موجود ہے اور تم باہر ڈھونڈ رہی ہو۔'' حماد نے سننے کی کوشش کی مگر اس کے کچھ پلے نہ پڑا تو وہاں سے اٹھ گیا، اب وہ دونوں وہاں اکیلی موجود تھیں۔
''کیسی باتیں کرتی ہو تم بھی، وہ مریم کو بہن کی طرح سمجھتا ہی نہیں ہے بلکہ بھائی بن کر دکھایا بھی ہے اور ان دونوں کی عمر میں دس سال کا تو فرق ہے، حماد تو کبھی بھی نہیں مانے گا۔'' نفیسہ خاتون نے بوا بیگم کو سمجھایا۔
''بس کرو بھائی سعید بھی تو تم سے پورے اٹھارہ سال بڑے تھے، مگر کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا، بلکہ تم بڑی لگنے لگی تھی اور لڑکیوں کو بڑھنے

میں کون سا وقت لگتا ہے۔" وہ بھی بولی تو نفیسہ خاتون سوچنے لگی۔
"میں آج ہی حماد سے بات کرتی ہوں۔"
"بات نہیں کرنی حکم سنانا ہے۔" بوا بیگم نے سختی سے کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"خالہ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" مریم دوبارہ چلی آئی تو وہ دونوں کھانے کی میز پر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

نفیسہ خاتون کو بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا، رات جوان کے سینے میں درد اٹھا وہ اس قدر بڑھ گیا کہ ہسپتال جانے کا موقع ہی نہ مل سکا اور اس طرح انہیں تمام تکالیف سے نجات مل گئی، مریم کو لگا وہ صحیح معنوں میں اب بے سایہ ہو گئی ہے، خالہ اس کے لئے سب کچھ تھی، دانش اتنا بد نصیب تھا کہ ماں کے جنازے کو کندھا دینے بھی نہ آسکا۔

سوئم کے بعد بوا بیگم کو بھی جانا پڑ رہا تھا ان کی بہو امید سے تھی اور جلد ڈلیوری متوقع تھی، مگر وہ جانے سے پہلے مریم کا مکمل بندوبست کر کے جانا چاہتی تھیں۔
"دیکھو حماد میاں پہلے کی بات اور تھی کہ مریم تمہارے ساتھ رہتی تھی، مگر وہ اب تنہا تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" بوا بیگم نے حماد سے کہا تو وہ جو سر جھکائے بیٹھا تھا ایک دم سیدھا ہوا۔
"خالہ کیا ہو گیا ہے، آپ کو وہ میری بہن ہے۔" حماد نے کچھ سختی سے کہا تو خالہ نے سر جھکا۔
"میاں کہنے سے بہن نہیں ہو جاتی، پھر وہ تمہارے لئے نامحرم ہے، بھلے تم اچھے انسان ہو لیکن لوگوں کی زبان کو کون چپ کروائے گا، اسی لئے میں نے سوچا ہے کہ تم اس سے نکاح کر لو، نفیسہ خاتون کی بھی یہی خواہش تھی وہ تو اللہ نے انہیں مزید مہلت نہ دی ورنہ میری جگہ آج وہ تم سے کہہ رہی ہوتی۔" حماد اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"خالہ آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں، میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا، اگر ایسی بات ہے تو میں کوئی اچھا سا لڑکا دیکھتا ہوں۔" وہ بدک گیا۔
"برخوردار تم لڑکا دیکھو گے جب تک مریم کو اس گھر میں تمہارے ساتھ تنہا رہنا پڑے گا، میں ضرور اسے ساتھ لے جاتی مگر یوں جوان جہاں لڑکی کی ذمہ داری اٹھانا کوئی آسان کام نہیں کل کو کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو تب بھی تم میرا گریبان پکڑو گے۔" بوا بیگم تو گویا ارادہ کر کے ہی آئی تھی کہ اسے منا کر ہی دم لے گی۔
"خالہ آپ جو بھی کہیے مگر میں ایسا نہیں کر سکتا، پھر مریم بالکل بچی ہے نہ میں کبھی اسے اس نظر سے دیکھا ہے، میرے لئے تو وہ دانش کے حوالے سے عزیز تھی۔" حماد نے بہ مشکل خود پر ضبط کیا۔
"نام مت لو اس کم بخت کا وہ اس قابل ہوتا تو رونا کس بات کا تھا، اس نکمے کو ہیرے کی قدر ہی نہ ہو سکی۔" بوا بیگم افسردہ سی بولی۔
"خالہ آپ اسے ساتھ لے جائے میں جب تک کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ لوں گا۔" حماد نے حتمی فیصلہ کیا۔
"ٹھیک ہے میاں میں اسے ساتھ لے جاتی ہوں، سلیم (بیٹا) ویسے بھی میرے ساتھ آیا ہے، مولوی کو بلا کر نکاح پڑھوا لیتی ہوں، کل کو تم کوئی الزام نہ دو۔" خالہ نے خفگی سے کہا اور وہاں سے جانے لگی تو حماد کی نظروں میں ان کا گنجا بیٹا گھوم گیا جو تین بچوں کا ابا تھا اور باتی بھی خالہ کے

بیٹے شادی شدہ تھے۔

''ٹھیک ہے خالہ مجھے منظور ہے۔'' وہ خفا خفا سا مان گیا جبکہ خالہ کھل اٹھی، ان کا نشانہ ٹھیک لگا تھا۔

☆☆☆

سادگی سے نکاح کی رسم ہوگئی تھی، مریم کو تو معلوم ہی نہ ہوا کہ اس کا نکاح کس سے ہورہا ہے وہ تو ابھی تک خالہ کی موت کے غم میں ڈوبی تھی، عین نکاح کے وقت جب اس سے پوچھا گیا تو وہ بوا بیگم کی طرف ٹکر ٹکر دیکھنے لگی، بوا بیگم نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو وہ ہوش میں آئی، دل چاہا کہ انکار کردے مگر اس میں ہمت ہی کہاں تھی، سر کو اثبات میں ہلایا تو ہر طرف مبارک کا شور اٹھا اور وہ نڈھال سی گرتی چلی گئی، جانے سے پہلے بوا بیگم اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''اب یہ گھر تمہارا ہے اسے سنبھالو، نفیسہ خاتون اتنی ہی زندگی لے کر آئی تھی، پھر ہم سب کو ہی اپنا وقت پورا کر کے جانا ہے، یہی اللہ کی رضا ہے، رہی بات حماد کی تو اب وہ تمہارا شوہر ہے، آہستہ آہستہ وہ بھی اس حقیقت کو قبول کر لے گا۔'' بوا بیگم نے اسے آہستگی سے سمجھایا۔

''خالہ کچھ دن اور رک جائیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''میں ضرور رکتی مگر مجبوری ہے اور ڈر کی بھی تم نے خوب کہی حماد ہے تمہارے پاس تو ڈر کس بات کا۔'' وہ تھوڑا خفگی سے بولی تو مریم نے سر ہلایا ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ انہیں بتادے کہ حقیقتاً اسے حماد سے ہی ڈر لگ رہا ہے، وہ خالہ کو رخصت کر کے سر درد کی ٹیبلٹ لے کر کمرے میں آئی، پانی کے ساتھ انہیں نگلا اور تکیے پر سر رکھ کر مختلف سوچوں کے ساتھ سوگئی۔

اسے خبر ہی نہ ہوسکی کہ وہ کتنی دیر سے سو رہی

ہے مسلسل گھنٹی کی آواز پر وہ جلدی سے دوپٹہ اوڑھ کر دروازہ کھولنے آئی، جہاں حماد خونخوار تیوروں کے ساتھ گھور رہا تھا۔

''کانوں میں روئی ڈال کر سوئی تھی کیا۔''

وہ غصے سے بولا تو وہ سر جھکا کر رہ گئی جبکہ وہ کڑی نگاہ ڈال کر اندر چلا آیا وہ بھی دروازہ بند کر کے واپس آئی جہاں کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں، وہ یقیناً چائے کا سامان نکال رہا تھا۔

''مم...... میں بنا دیتی ہوں۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی تو اس نے چیزیں وہی رکھ دیں۔

''مہربانی ہوگی، چائے کے ساتھ سر درد کی ٹیبلٹ بھی لے آنا، میں اپنے کمرے میں ہوں۔'' وہ طنز کرتے ہوئے بولا تو اس نے لب کو سختی سے بھینچ لیے چائے بنا کر وہ حماد کے کمرے میں داخل ہوئی جو آنکھیں بند کیے ہوئے تھا، اس نے ہلکا سا دروازہ بجایا تو اس نے آنکھیں کھولی۔

''یہ چائے اور ٹیبلٹ۔'' اس نے جلدی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور خود وہاں سے نکل آئی۔

☆☆☆

حماد تو صبح کا گیا رات کو واپس آتا اور وہ پورے گھر میں بولائی بولائی پھرتی، گھر کا کام ہی کتنا ہوتا تھا بس کل دو افراد تھے، منٹوں میں کام نمٹ جاتا وہ کام ختم کر کے فضول سوچوں میں کھوئی رہتی، کبھی اتنا دل بھر آتا کہ گھنٹوں تک روتی رہتی، اسے لگتا جیسے وقت رک سا گیا ہو، پڑوس میں بھی ایسا کوئی نہیں تھا جس کے گھر آتی جاتی، وہ تھی اور اذیت بھری تنہائی۔

''کھانا کھالیا تم نے؟'' حماد جو ابھی لوٹا تھا مریم سے پوچھنے لگا۔

''جی۔'' وہ مختصر بولی، کھانا بھی وہ بس اتنا کھاتی کہ زندہ رہ سکے ورنہ تو اب جینے کی خواہش بھی مرگئی تھی

''ابھی مجھے ہاسپٹل جانا ہے تو تم دروازہ اچھی طرح سے بند کرلو اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، کوئی مسئلہ ہو تو مجھے کال کر دینا۔'' وہ اپنی کہہ کر اٹھ گیا تھا، جبکہ وہ بے بسی سے آنسو بہانے لگی دن میں تو وہ وقت گزار ہی لیتی تھی مگر رات میں تنہا رہنا اس کی جان ہوا ہونے لگی۔

''حماد بھیا پلیز آپ رک جایئے، مجھے ڈر لگتا ہے۔'' حماد جو جانے لگا تھا مریم کی التجاء پر اس کا دماغ گھوم گیا۔

''میں تمہارا نوکر نہیں ہوں جو تمہاری پہرہ داری کرتا پھروں، عجیب مصیبت ہے۔'' وہ بھڑک اٹھا تو مریم کے آنسو بہنے لگے، جبکہ وہ بغیر اس کی طرف دیکھے نکل گیا تو وہ دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی لیکن ابھی اسے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دوبارہ گھنٹی بجی، وہ ڈرتی ڈرتی دروازہ کھولنے لگی۔

''کون؟''

''میں ہوں حماد! دروازہ کھولو۔'' اس نے جلدی سے چٹخنی گرائی تو وہ اندر آ گیا۔

''جاؤ جا کر سو جاؤ اپنے کمرے میں۔'' اس نے مریم کو کہا تو مریم کچھ دیر حیرت سے کھڑی رہی مگر جب حماد کو خود پر نظریں جمائے دیکھا تو بھاگ گئی، حماد کو تھوڑی دور جا کر ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ واقعی ہی اسے مریم کو یوں رات کے وقت چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔

☆☆☆

نہ جانے رات کا کون سا پہر تھا، اس کی آنکھ عجیب سی آوازوں سے کھلی، وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آئی تو بادل زور سے گرج رہے تھے، بارش کی بوندیں عجیب ارتعاش پیدا کر رہی تھیں، اسے ہمیشہ سے ہی ایسے موسم سے خوف آتا تھا، اب بھی کمبل میں دبک کر بیٹھ گئی، معاً بجلی بھی چلی گئی، پہلے جو کچھ روشنی کا سہارا تھا وہ بھی ختم ہو گیا تو وہ اندھیرے میں بیٹھ کر زور و شور سے آنسو بہانے لگی، وہ رونے کے شغل جاری رکھے ہوئے تھی کہ اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ڈر کے مارے چیخنے لگی۔

''میں ہوں حماد بے وقوف۔'' وہ کچھ غصے سے بولا تو وہ حماد کا سہارا پا کر اس کے سینے سے جا لگی اور روتی ہی چلی گئی جبکہ حماد تو بوکھلا گیا، وہ جانتا تو تھا کہ مریم ایسے موسم سے خوفزدہ ہو جاتی ہے مگر یہاں آ کر اسے اچھی طرح اندازہ بھی ہو گیا تھا، اسے اس کی بے وقوفی پر غصہ بھی آیا۔

''اسٹوپڈ میرا گریبان تو چھوڑو۔'' وہ اس کے سینے کے ساتھ لگی ہوئی تھی جبکہ وہ عجیب سے احساس میں گھر رہا تھا، حماد کے احساس دلانے پر وہ شرمندہ سی الگ ہوئی۔

''سوری۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''میں جنریٹر آن کر دیتا ہوں تم سو جاؤ۔'' وہ بولا۔

''حماد بھیا پلیز آپ آج ادھر ہی سو جائیں۔'' وہ شدید ڈری ہوئی تھی جبکہ حماد نے اسے ناگواری سے دیکھا، ایک تو آج ہاسپٹل میں اتنے سارے کیسز تھے سارا دن سر اٹھانے کی فرصت بھی نہ رہی تھی تھکن حد سے سوا تھی اوپر سے میڈم مریم کی بے تکی فرمائش۔

''پلیز حماد بھیا آپ یہاں سو جائیں، میں بالکل آپ کو تنگ نہیں کروں گی۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولی تو ناچار حماد کو ماننا پڑا تو وہ صوفے پر آ کر لیٹ گیا تو مریم نے اس کے چٹان جیسے وجود کو دیکھا جو صوفے پر بے آرام ہو رہا تھا۔

''آپ یہاں بیڈ پر سو جائیں میں صوفے پر سو جاؤں گی۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی تو حماد بھی خاموشی سے بیڈ پر چلا آیا کیونکہ وہ خود بھی صوفے

کر بے آرام ہو رہا تھا، بیڈ پر لیٹتے ہی اس کے ہلکے ہلکے خراٹے گونجنے لگے، شاید آج بہت زیادہ تھکن تھی جو وہ بستر پر سر رکھتے ہی بے سدھ ہو گیا تھا ورنہ اسے اپنے کمرے کے سوا نیند کہاں آتی تھی، مریم بھی اس کی طرف سے اطمینان کر کے سو گئی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو کچھ دیر وہ اردگرد کا جائزہ لیتا رہا، شاید اپنے کمرے کے علاوہ اجنبی جگہ کو دیکھا تھا، پھر رفتہ رفتہ دماغ نے کام کرنا شروع کیا تو رات کا واقعہ ذہن میں ابھرا وہ سر جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا، بے ارادہ ہی نظر مریم پر جا پڑی، کچھ دیر حماد اس کے نازک وجود کو دیکھتا رہا پھر چادر اٹھا کر اس پر ڈال دی اور اس کے کمرے سے نکل آیا۔

نماز ادا کرنے کے بعد وہ لوٹا تو مریم جاگ چکی تھی اور ناشتہ بنا رہی تھی، حماد کو دیکھ کر پھرتی سے ہاتھ چلانے لگی، وہ اخبار اٹھا کر پڑھنے لگا تھوڑی دیر بعد اس نے ناشتہ رکھا تو وہ چائے کے سپ لینے لگا، ناشتہ مکمل کر کے اپنے کمرے میں چلا آیا، آج صبح چونکہ اس نے شاور نہیں لیا تھا تو ارادہ تھا اس وقت لے لے۔

''اف اس لڑکی کی وجہ سے آج سارے کام آگے پیچھے ہو رہے ہیں۔'' وہ بڑبڑایا۔

شاور لے کر وہ شرٹ نکالنے کے لئے الماری کی طرف آیا تو مریم جو نہ جانے کسی کام سے آئی تھی اسے بغیر شرٹ کے دیکھ کر بوکھلا گئی جبکہ حماد نے قہر بھری نگاہ اس پر ڈالی اور جو ہاتھ میں شرٹ آئی پہن لی۔

''کیا آفت تھی جو یوں منہ اٹھا کر چلی آئی۔'' وہ اس پر برسا جو نگاہیں جھکائے شرمندہ سی کھڑی تھی۔

''اب بولو کیا ہوا؟'' وہ غصہ ہوا۔

''وہ مجھے آگے ایڈمیشن لینا ہے تو فارم اور کتابیں لینی ہیں۔'' وہ سمجھ گیا کہ اسے پیسے چاہیے تو اپنا والٹ نکال کر اس کی طرف پھینکا جو اس کے پاؤں پر آ گرا جبکہ وہ بغیر اس کی طرف دیکھے چلا گیا، مریم نے اپنے قدموں کے پاس پڑے ان نوٹوں کو دیکھا تھا اور اسے لگا جیسے وہ ذلت میں گرتی جا رہی ہے۔

کسی فقیر کو بھی دیئے جاتے ہیں تو اس کی ہتھیلی پر دیئے جاتے ہیں حالانکہ وہ چند روپے ہوتے ہیں، مگر اس کی اوقات تو فقیر سے بھی بدتر تھی، اسے ہزاروں کے نوٹ دیئے گئے تھے مگر اسے لگ رہا تھا گویا اسے کے منہ پر تمانچے مارے گئے ہو، تحقیر اور ذلت کے احساس نے اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر دی تھیں، دکھ اس قدر تھا کہ جب رات کو حماد واپس لوٹا تو اس نے والٹ اسے واپس لوٹا دیا، جبکہ وہ کندھے اچکا کر رہ گیا، گویا اسے کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو، اس رات وہ آنسو بہاتی رہی تھی۔

☆☆☆

آج کل حماد بہت زیادہ خوش رہنے لگا تھا، نہ جانے کس کے خیالوں میں گم ہوتا جو مسکرانے لگتا، مریم حیرت سے اسے دیکھنے لگتی، اس وقت بھی وہ موبائل میں نہ جانے کس کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

''نیم چڑھا کریلا۔'' وہ بڑبڑائی، آج چونکہ سنڈے تھا اس لئے وہ گھر پر تھا، لیکن اس کا گھر پر ہونا نہ ہونا برابر ہوتا تھا، وہ سر جھٹکتی اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی کہ اسی دوران دروازے پر بیل ہوئی وہ کچھ دیر انتظار کرتے ہوئے کھڑی رہی کہ شاید حماد اٹھ جائے مگر وہ نہ جانے کس کے ساتھ مگن تھا، وہ اسے کوستے ہوئے خود دروازے کے پاس چلی آئی اور سامنے بوا بیگم کو دیکھ کر اس کے

چہرے پر پھول کھل اٹھے، بوا بیگم اس سے پرتپاک سے ملی، حماد نے بھی بوا بیگم کی آواز کو سنا تو فوراً کال ڈراپ کر دی اور ان سے ملنے لگا، بوا بیگم نے ان دونوں کا تفصیلی جائزہ لیا۔

''ارے مریم تمہارے پاس یہی سوٹ ہے کیا، ذرا اس کا رنگ تو دیکھو کس قدر پھیکا پڑ گیا ہے۔'' بوا بیگم نے کڑے تیوروں سے پوچھا جبکہ وہ سٹپٹائی تھی اور وہاں سے کھسکنے کی کی۔

''چلو وہ بچی تو گھر سے نکلتی ہی نہیں ہے مگر میاں تمہیں تو خیال کرنا چاہیے، بیوی ہے تمہاری اور کچھ حقوق ہیں اس کے تمہارے پر، میاں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا سیکھو۔'' وہ لگتا تھا سارا حساب کتاب آج ہی کرنے آئی تھی، حماد تو صحیح معنوں میں بوکھلا گیا تھا۔

''خالہ ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ بہ مشکل بولا۔

''بس کرو برخوردار میں سب دیکھ چکی ہوں، غضب خدا کا تم دونوں میاں بیوی ہو مگر یوں لگتا ہے جیسے ایک دوسرے کو جانتے ہی نہیں، مریم کو دیکھو تو صدیوں کی بیمار لگ رہی ہے، سہاگنیں یوں ہوتی ہیں بھلا نہ کانوں میں بالیاں، نہ ناک میں لانگ ہاتھ کی کلائیاں بھی سونی ہیں، پتا نہیں کس چیز کا غم منا رہے ہو تم لوگ۔'' وہ برہم ہوئی تھی، حماد کی بھی بولی ان کے سامنے بند تھی پھر وہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔

''خالہ آپ مریم سے باتیں کریں میں ذرا آتا ہوں مارکیٹ سے۔'' وہ وہاں سے اٹھ گیا، ورنہ بعید نہیں تھا خالہ اس کو مزید بے عزت کرتی، اس کے جانے کے بعد مریم وہاں چلی۔

''دیکھو مریم یہ جو مرد ہوتے ہیں نہ انہیں جب تک عورت اپنے وجود کا احساس نہ دلائے نہ یہ کبھی بھی اس پر توجہ نہیں دیتے تم لوگوں کی شادی کو چھ ماہ ہونے کو آئے ہیں اس دوران تو میاں بیوی میں اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہو جاتی ہے، جبکہ تمہیں دیکھ کر لگتا ہے جیسے تم لوگوں نے کبھی ایک دوسرے کو مخاطب نہ کیا ہو، یہ رشتہ سب سے زیادہ مقدس ہوتا ہے، اس کی قدر کرو اور اسے احساس دلاؤ کہ تم اس کی بیوی ہو۔'' بوا بیگم اسے سمجھا رہی تھی جبکہ وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔

☆☆☆

دروازے پر ہونے والی مسلسل بیل پر وہ دروازہ کھولنے گئی تو سامنے نہایت خوبصورت سی لڑکی تھی۔

''ڈاکٹر حماد گھر پر ہے۔'' اس لڑکی نے پوچھا اور مریم کا تفصیلی جائزہ لیا۔

''نہیں۔'' وہ مختصر بولی کہ اسی دوران بوا بیگم چلی آئی تو اس لڑکی نے جھٹ سلام کیا جبکہ بوا بیگم نے چشمے کے پیچھے سے اسے گھورا۔

''اندر آ جاؤ۔'' بوا بیگم نے کہا تو وہ اندر چلی آئی اور بوا بیگم اس کا تفصیلی انٹرویو لینے کے لئے بیٹھ گئی اور مریم چائے لے کر آئی اور ان کو چائے دے کر جانے لگی تو اس لڑکی نے اچانک پوچھا۔

''یہ کون ہے؟'' مریم نے ہونٹ بھینچے نہ جانے حماد نے اس کا تعارف کسی سے کروایا بھی تھا یا نہیں وہ بوا بیگم کو اپنے بارے میں بتانے سے روکنے لگی۔

''اپنے حماد کی منکوحہ ہے۔'' بوا بیگم مزے سے بولی وہ کافی سمجھدار خاتون تھیں فوراً اس لڑکی کو دیکھ کر بھانپ گئی کہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' بوا نے پوچھا۔

''ڈاکٹر ژالے۔'' وہ مختصر بولی ورنہ دل چاہ رہا تھا یہاں سے بھاگ جائے، مریم کو وہ حماد کے گھر میں دیکھ کر ٹھٹکی تھی کہ اس قدر حسین لڑکی اور وہ بھی حماد کے گھر میں کیا کر رہی ہے۔

''بیٹا تم نے شادی نہیں کی، بس جلدی سے اب شادی کر لو۔'' بوا بیگم بظاہر مسکرا کر بول رہی تھی مگر ان کی باتوں میں چھپے مفہوم سے مریم اور ژالے اچھی طرح واقف ہو رہی تھی۔

''اچھا مریم تم ان کے پاس بیٹھو میں ذرا نماز ادا کر لوں۔'' بوا بیگم اپنا کام کر کے وہاں سے جا چکی تھی، جبکہ مریم اپنی انگلیاں مسلنے لگی نہ جانے اب کیا ہو۔

''میں چلتی ہوں۔'' ڈاکٹر ژالے وہاں سے اٹھ گئی اگر وہ مزید تھوڑی دیر وہاں بیٹھتی تو یقیناً اپنا ضبط کھو دیتی، جبکہ مریم کو نئی فکر نے آ گھیرا کہ نہ جانے حماد اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔

☆☆☆

حماد آج لوٹا تھا تو خالی ہاتھ نہیں آیا تھا، کچھ جوتے اور کپڑے تھے جو وہ مریم کے لئے لے کر آیا تھا، مگر مریم نے انہیں اٹھا کر الماری کے سب سے نچلے تہہ خانے میں ڈال دیا بھلا جب دل میں جگہ نہ ہو تو ان چیزوں کا کیا کرنا۔

حماد شاور لے کر باہر نکلا تو نہ جانے کس کی کال تھی، موبائل اٹھا کر دیکھا تو ڈاکٹر ژالے کا نام جگمگا رہا تھا، لمحوں میں اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔

''ہم ابھی مل سکتے ہیں کہیں۔'' ڈاکٹر ژالے نے سنجیدگی سے کہا۔

''بالکل میں ابھی آتا ہوں۔'' اس نے کال ڈراپ کی اور مریم کے پاس آیا۔

''میں جا رہا ہوں ایک کام سے ایک گھنٹے تک لوٹ آؤں گا۔'' مریم نے اثبات میں سر ہلایا، بوا بیگم نے نک سک سے تیار حماد کو بغور دیکھا پھر مریم کی طرف دیکھا جسے کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا، انہیں شدید ترین غصہ آیا تھا۔

''ادھر آؤ ذرا مریم۔'' بوا بیگم نے حماد کے جانے کے بعد اسے بلایا تو وہ چولہے کی آنچ کم کر کے وہاں آ گئی۔

''جی خالہ کیا ہوا؟'' وہ مسکرا کر بولی۔

''یہ حماد اس وقت کہاں گیا ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''کسی کام سے گئے ہیں ایک گھنٹے تک آ جائیں گے۔'' وہ رٹا رٹایا سبق بتانے لگی۔

''کسی کام وام سے نہیں گئے ضرور اس ڈاکٹر سے ملنے گیا ہے، مریم کچھ عقل کے ناخن لو اور اس سے پوچھو کہ وہ کہاں آتا جاتا ہے۔'' بوا بیگم نے اسے کہا تو وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی، اسے اپنی بے بسی پر رونا آنے لگا، بھلا اس نے کہا اسے یہ حق دیا تھا کہ وہ اس کے لمحوں کا حساب لیتی پھرے، بھلا اس سے بھی زیادہ کوئی احمق ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

وہ سر جھکائے شرمندگی سے بیٹھا تھا، جبکہ ڈاکٹر ژالے اس پر برہم ہو رہی تھی۔

''ڈاکٹر حماد میں تمہیں سب سے الگ سمجھی تھی مگر تم بھی انہیں مردوں جیسے نکلے ہو، بہت برے لگتے ہیں مجھے وہ لوگ جو دھوکہ دے، اگر میں اس دن تمہارے گھر نہ جاتی تو تم نے مجھے ایسے ہی بے خبر رکھنا تھا۔'' وہ مسلسل بول رہی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے ژالے میں تمہیں بتانے ہی والا تھا۔'' جبکہ ڈاکٹر ژالے نے اس کی بات کاٹ دی۔

''واقعی تم مجھے بتانے والے تھے کہ تمہارے گھر میں ایک حسین دوشیزہ رہتی ہے، میں تو اسے دیکھتے ہی ٹھٹک گئی تھی بھلا اتنی حسین لڑکی وہ بھی تنہا تمہارے ساتھ کیسے رہ سکتی ہے، ظاہر ہے کوئی مضبوط رشتہ ہوگا تب ہی وہ وہاں موجود ہے، خیر

آج سے ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔'' حماد نے گہرا سانس لیا تھا، اسے کون سا ڈاکٹر ژالے کے ساتھ دھواں دار عشق ہوا تھا بس وہ اسے اچھی لگی اور زیادہ ہاتھ تو ڈاکٹر ژالے کا تھا جو اسے ڈاکٹر حماد پسند آیا تھا لیکن حماد کو بہت افسوس ہوا تھا جو وہ اس پر یوں بے اعتباری ظاہر کر رہی تھی۔

اسے رخصت کر کے وہ گھر پہنچا تو مریم کو اس نے آواز دی تو مریم دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''تمہیں یہ خوش فہمی کب سے ہونے لگی کہ تم میری بیوی ہو۔'' کڑے تیوروں سے پوچھا گیا تھا۔

''جی کیا......؟'' وہ صورتحال کو سمجھنے لگی۔

''ڈاکٹر ژالے سے فضول بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ غرایا تھا، جبکہ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی، وہی ہوا تھا جس کا اسے ڈر تھا حالانکہ اس نے بوا بیگم کو بتانے سے کتنا منع کیا تھا مگر وہ بوا بیگم ہی کیا جو مان جائے۔

''میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ منمنائی تھی جبکہ وہ زور سے چلایا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے، نہ جانے کیوں مسلط کر دیا گیا ہے تمہیں تنگ آ گیا ہوں تمہاری صورت کو دیکھ کر۔'' اس نے دھاڑ سے دروازہ بند کیا تھا، وہ اپنے وجود کو گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی اور خالہ خالو کی تصویر اٹھا کر روتی چلی گئی۔

☆☆☆

وہ صبح پودوں کو پانی دے رہی تھی، جب پیچھے سے اسے کسی نے آواز دی پہلے تو وہ اس آواز کو اپنا وہم سمجھی مگر جب دوبارہ اس کا نام لیا گیا تو وہ پلٹی تھی، بلاشبہ وہ وہی تھا۔

''دانش۔'' اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تو وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

''تم تو ذرا بھی نہیں بدلی ویسی ہی ڈرپوک ہو لیکن پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہو۔'' وہ ہمیشہ ہی بے تکا بولتا تھا، مریم نے کس قدر ناگواری سے اسے دیکھا تھا، کبھی وہ سوچا کرتی تھی کہ کبھی زندگی میں اس کا دانش سے سامنا ہوا تو وہ چیخے گی چلائے گی مگر اس کی ذات بالکل پرسکون تھی، اسے دیکھ کر اس کے اندر کوئی بھی جذبہ پیدا نہیں ہوا تھا گویا کسی اجنبی کو دوبارہ دیکھ لیا ہو۔

''کیا سوچنے لگی ہو تم، اتنے دنوں بعد آیا ہوں اور تم اداس صورت لے کر کھڑی ہو۔'' وہ یوں باتیں کر رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو مگر وہ خاموش رہی یا پھر اس نے ضروری ہی نہ سمجھا اسے جواب دینا۔

وہ مزید کچھ بولتا کہ بوا بیگم اپنے سامان سمیت حماد کے ساتھ آ رہی تھی، دانش کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے وہ ساکت رہ گئے پھر دانش ہی ان سے خود گلے ملا، بوا بیگم نے کس قدر ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

''آ گئے تم۔'' انہوں نے روکھے سے لہجے میں کہا۔

''خالہ مجھے تو آنا ہی تھا، پھر پرائے دیس میں کہاں وفا ہوتی ہے، جینی نے بھی مجھ سے بے وفائی کی اور دوسرے مرد سے شادی کر لی تو میں نے بھی اس پر لعنت بھیج دی اور واپس لوٹ آیا۔'' وہ بولا۔

''نہ میاں اس نے تم پر لعنت بھیجی ہے تبھی تو تم یہاں آئے ہو۔'' وہ بھی بوا بیگم تھی کسی کا ادھار نہ رکھنے والی مگر دانش کہاں شرمندہ ہونے والا تھا کھلا کر ہنس دیا۔

''اچھا تبھی حماد میں جا رہی ہوں لیکن مریم کا خیال رکھنا ذرا، پھر پہلے کی بات اور تھی لیکن

اب تو وجہ بھی ہے۔" بوا بیگم نے گہری بات کی تھی مگر حماد کچھ نہ سمجھا تھا، بوا بیگم کے جانے کے بعد مریم تو اپنے کمرے میں چلی آئی جبکہ حماد کے پاس دانش آ کر بیٹھ گیا، حماد نے کس قدر ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆

"اے مریم ایک کپ چائے تو بنا دو مجھے بھی۔" مریم جو کچن میں چائے بنا رہی تھی دانش کی طرف دھیان دیئے بغیر چولہے کی آگ کبھی زیادہ کرتی کبھی کم۔

"ویسے مریم اب میں بہت پچھتاتا ہوں جو ناحق تمہیں اتنا بڑا دکھ دیا، لیکن اب میں آ گیا ہوں نہ تو دیکھنا تمہارے تمام دکھوں کا ازالہ کر دوں گا۔" مریم کا دل چاہا کہ کوئی چیز اسے اٹھا کر دے مارے کس قدر چیپ انسان تھا۔

"مریم تمہیں ایک کپ چائے کا کہا تھا اور تم یہاں مذاکرات کرنے لگ گئی۔" حماد جو اتنی دیر سے چائے کا انتظار کر رہا تھا چلا آیا، دانش کو مریم کے پاس دیکھ کر اسے نہ جانے کیوں برا لگا۔

"یہ لیں۔" وہ اس کے سامنے چائے رکھ کر وہاں سے چلی گئی۔

"بھیا آپ کے پاس کچھ پیسے ہوں گے، اصل میں یہاں میرا دوست ہے مجھے اس کے ساتھ کاروبار کرنا ہے۔" دانش نے آہستگی سے کہا تو حماد کو غصہ تو بہت آیا مگر خود پر ضبط کیا۔

"فی الحال تو میرے پاس خود پیسوں کی کمی ہے۔" دانش کو ٹکا سا جواب دے کر وہ چائے اٹھا کر اپنے کمرے میں آ گیا، اسے سمجھ آ گئی تھی کہ دانش خالی ہاتھ لوٹا ہے اور اب جب کچھ نہیں ہے تو بھائی یاد آیا ہے۔

☆☆☆

"یا اللہ تو مجھے اٹھا کیوں نہیں لیتا، میں سب پر بوجھ ہوں، کاش امی ابو آپ مجھے چھوڑ کر نہ جاتے، کاش اللہ میاں ان کی جگہ مجھے اٹھا لیتا، حماد بھیا ہے تو وہ مجھ سے تنگ ہے آخر ان پر مسلط کر دی گئی ہوں پہلے زندگی میں آزمائشیں کم تھیں جو دانش مزید اضافہ کرنے آ گیا، جب دیکھو میرے پیچھے گھوم رہا ہوتا ہے، دل چاہتا ہے کہ اسے نکال پھینکوں کہیں مگر پھر بھی حماد کو اعتراض ہو گا آخر کو اس کا بھائی ہے، یا اللہ یہی آخری پناہ گاہ ہے میرے لئے مجھے یہاں سے دربدر نہ کرنا ورنہ میں کدھر جاؤں گی۔" وہ گھٹنوں میں سر دیئے رات کے اس پہر بلک بلک کر رو رہی تھی حماد جو مریم کو اپنے کمرے میں نہ پا کر اسے ڈھونڈ رہا تھا اسے یوں اللہ سے فریاد کرتا پا کر سن رہ گیا، وہ بغیر کچھ کہے اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور پھر پوری رات اس کی جاگتے ہوئے گزری تھی۔

☆☆☆

مریم جو صبح صبح اٹھ جاتی تھی، آج اپنے کمرے سے نہ نکلی تو حماد کو تشویش نے آن گھیرا، وہ اس کے کمرے میں آیا تو دروازہ اندر سے لاک تھا دو تین بار دستک دینے پر بھی نہ کھلا تو اس نے ماسٹر کی سے کھولا اور اندر داخل ہوا، جہاں مریم بخار میں جل رہی تھی، وہ ٹھنڈے پانی کا باؤل لے کر آیا اور اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھی تو ایک گھنٹے تک بخار میں کچھ کمی ہوئی تو مریم نے بھی آنکھیں کھولی اور حماد کو اپنے قریب پا کر وہ سرعت سے اٹھی۔

"آرام سے اٹھو، بخار ہے تمہیں۔" وہ بولا تو وہ بڑبڑائی۔

"بخار ہی ہے نہ مری تو نہیں۔" حماد اس کی بڑبڑاہٹ پر مسکرایا۔

"زور سے بولو۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر اس کا بخار چیک کرنے لگا تو اس نے اپنا بازو چھڑوانا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''مائنڈ اٹ محترمہ میں ایک ڈاکٹر بھی ہوں۔'' وہ کچھ سختی سے بولا، تو وہ خفگی سے اسے دیکھنے لگی تھی جبکہ حماد بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس نے گھبرا کر اپنی پلکیں نیچے گرالیں، وہ مسکراتا ہوا اٹھ کر باہر گیا تھا پھر واپس آیا تو ٹرے میں دودھ، ڈبل روٹی کے چند سلائس اور ٹیبلٹ موجود تھیں۔

''چلو اب اچھے بچوں کی طرح یہ کھاؤ پھر دوا بھی لینی ہے۔'' وہ پیار سے بولا تو مریم نے صاف انکار کر دیا۔

''اچھے بچے ضد نہیں کرتے، شرافت سے کھا لو ورنہ مجھے اچھی طرح سے کھلانا بھی آتا ہے۔'' وہ کچھ رعب سے بولا تو وہ چڑ گئی۔

''بچی نہیں ہوں میں۔'' وہ ناراضگی سے بولی تو وہ ہنس دیا۔

''دیکھ رہا ہوں کہ اب تم واقعی ہی بڑی ہو گئی ہو، لو یہ کھاؤ۔'' اس کے دیکھنے کا انداز اسے پزل کر رہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے چلا جائے یا پھر وہ ہی اس کمرے سے نکل جائے مگر افسوس کہ وہ کسی بھی بات پر عمل نہیں کر سکتی تھی، اس لئے خاموشی سے دودھ کا گلاس پی کر ٹیبلٹ لی تھیں، حماد نے اس پر کمبل ٹھیک کیا۔

''اب تم آرام کرو، پھر مزید تمہاری طبیعت ٹھیک ہونے پر کلاس لی جائے گی۔'' وہ گہری نظروں سے اس دیکھتا باہر نکل آیا، واقعی ہی ڈاکٹر ڈالے ٹھیک کہتی تھی کہ مریم کو دیکھ کر اگلا بندہ ضرور ٹھیک جاتا ہے، وہ مسکرا دیا تھا، دل کی دنیا بدل گئی تھی شاید۔

☆☆☆

دانش آوارہ گردی کر کے واپس لوٹا تو مریم کو آوازیں دینے لگا جبکہ حماد نے ناگواری سے اس کے انداز کو ملاحظہ فرمایا تھا، اسے کچھ دن قبل بوا بیگم کی نصیحت یاد آئی تھی، جو اسے مریم کا اس قدر خیال رکھنے کا کہہ گئی تھیں اور وجہ یقیناً دانش ہی تھا۔

''بھیا آج آپ گھر پر ہیں۔'' دانش نے حماد کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں میں گھر پر ہی ہوں، مگر تم کہاں غائب تھے، کم از کم تمہیں اپنی بھابھی کا ہی خیال کرنا چاہیے تھا۔'' حماد نے کچھ برہمی سے کہا۔

''بھابھی۔'' وہ نا سمجھی سے حماد کو دیکھنے لگا تو حماد سمجھ گیا کہ مریم نے اسے اس رشتے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

''ہاں تمہاری بھابھی مریم صبح سے بخار ہے اسے شکر ہے میں نے دیکھ لیا۔'' دانش کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تو مریم اور حماد......اف اور وہ کیا سمجھ رہا تھا، کس قدر شرمندگی ہو رہی تھی اسے، وہ سر جھکائے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا پھر تھوڑی دیر بعد لوٹا تو ہاتھ میں اپنا سامان اٹھائے ہوئے تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' حماد نے پوچھا۔

''بھیا میں ہاسٹل جا رہا ہوں، اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا، میں بہت برا ہوں بھیا، نہ جانے مریم بھابھی نے میرے بارے میں کیا سوچا ہوگا، پتا نہیں کیا کیا کہہ دیا ان سے۔'' وہ واقعی ہی بہت زیادہ شرمندہ تھا تو حماد نے اسے گلے لگا لیا۔

''رکو میں ابھی آتا ہوں۔'' حماد نے کہا اور پھر کمرے میں جا کر چیک پر سائن کیے اور اسے لا کر تھما دیا۔

''یہ رکھ لو۔'' حماد نے کہا مگر وہ واپس دینے لگا تو حماد قدرے خفگی سے بولا۔

''رکھ لو ہمیشہ اپنی ہی کرتے ہو اور نقصان اٹھاتے ہو، اس سے اپنا کاروبار شروع کرو پھر

تمہارے لئے کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈتے ہیں۔"
حماد نے کہا تو دانش نے رکھ لیا پھر دونوں بھائی گلے ملے اور دانش پھر وہاں سے جانے لگا جبکہ اس کے لئے یہی بہتر بھی تھا۔

"اچھا میں ذرا تمہاری بھابی کو دیکھ لوں، حالانکہ بخار تو اتر چکا ہے پھر بھی کمرہ نشین ہے۔" حماد اس کی کمر تھپتھپاتا ہوا مریم کی طرف جانے لگا۔

☆☆☆

وہ اندر داخل ہوا تو حیرت زدہ رہ گیا مریم بیگ میں اپنے کپڑے ڈال رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ حماد کی آواز پر اچھل پڑی لیکن فوراً سنبھل بھی گئی۔

"سامان پیک کر رہی ہوں۔" آواز کافی پر اعتماد تھی۔

"مگر وہ کس لئے، ہم تو کہیں نہیں جا رہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میں نے بھی اپنی بات کی ہے۔" وہ بھی سنجیدگی سے بولی۔

"کہاں؟"

"بوا بیگم کے پاس۔" وہ بوا بیگم پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"خبردار جو گھر سے پاؤں بھی نکالا۔" ایک پل میں اسے غصہ آیا تھا، اس نے سارا سامان نکال کر باہر پھینک دیا تو وہ رونے لگی۔

"آخر کیا چاہتے ہیں آپ، کبھی کہتے ہیں میں آپ پر مسلط کر دی گئی اور اب جب آپ کی خواہش کو پورا کر رہی ہو تب بھی آپ کو تکلیف ہو رہی ہے، آخر کیا کروں؟" وہ زور و شور سے رو رہی تھی۔

"تکلیف تو ہو گی مجھے۔" اس نے حماد کی بات پر سر اٹھایا تھا جو گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ادھر آ کر پہلے میری بات سنو۔" اس نے زبردستی مریم کو پاس بٹھایا۔

"دیکھو مریم یہ سچ بات ہے کہ ہمارے درمیان جو رشتہ تھا اسے میں نے کبھی اہمیت ہی نہیں دی، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ آہستہ آہستہ تم میرے دل میں گھر کرتی گئی ہو۔" وہ مزید بولتا مگر مریم نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

"کبھی تو ڈاکٹر ڈالے آپ کی زندگی میں چلی آئی۔" وہ نروٹھے پن سے بولی، جبکہ وہ ہنستا ہی چلا گیا۔

"ہاں یہ وجہ بھی کہہ سکتی ہوں مگر وہ صرف وقتی ابال تھا، اصل وجہ تم ہی تھی میرے لئے بہت مشکل ہو گیا تھا تمہیں اپنی منکوحہ کے روپ میں قبول کرنا کیونکہ میں نے تمہیں ہمیشہ دانش کے حوالے سے عزیز رکھا تھا، شاید میں اس حقیقت کو اب بھی قبول نہ کرتا اگر دانش کی دوبارہ آمد نہ ہوتی، مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا جب وہ تمہارے اردگرد گھومتا تھا، یہی احساس مجھے باور کروا گیا کہ تم تو کب سے میرے دل میں جگہ بنا چکی ہو بس میں ہی تسلیم نہیں کر رہا تھا۔" وہ آہستگی سے ساری حقیقت اسے بتا رہا تھا اور مریم کے دل سے بوجھ ہٹتا جا رہا تھا۔

"پھر بھی آپ نے مجھے اتنا رلایا۔" وہ فوراً شکایت کرنے لگی۔

"میں دیکھ رہا تھا کہ تم بھی مجھ سے محبت کرنے لگی ہو یا۔" وہ شوخ ہوا تو مریم کو اپنی گال لہو چھلکاتی محسوس ہوئی۔

"پلیز حماد بھیا......"

"اف لڑکی اب تو بھیا کہنا چھوڑ دو۔" حماد نے خفگی سے کہا تو اسے بھی احساس ہوا کہ اس نے اب تک بھیا کہنا نہیں چھوڑا تھا، وہ جھینپ گئی

تو وہ ہنس دیا۔

”مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اتنی جلدی مان جاؤ گی۔“ وہ مریم کو خود سے قریب کرتے ہوئے بولا تو مریم بوکھلا گئی۔

”زیادہ تنگ نہ کرے۔“ تو وہ ہنس دیا۔

”چلو اب اپنا سامان پیک کرلو۔“ حماد نے کہا تو حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”کیا بغیر سامان کے میرے کمرے میں شفٹ ہونا ہے۔“ اس کی بات پر وہ شرما کر اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی، جبکہ حماد کو اس کی ادا پر اپنا دل بے قابو ہوتا محسوس ہوا، پھر دونوں نے مل کر سارا سامان شفٹ کیا، پھر وہ مریم کا ہاتھ پکڑ کر نیچے سیڑھیاں اترنے لگا، لیکن کمرے میں جانے سے پہلے اس نے اسے روک دیا پھر ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ لے کر وہ اس کے پاس چلا آیا۔

”مریم پلیز آج یہ تم زیب تن کرو۔“ حماد نے پہلی بار فرمائش کی تھی تو مریم نے اثبات میں سر ہلا کر اسے گویا مان بخش دیا۔

وہ واپس اوپر آئی اور بیگ کو کھول کر دیکھا تو ڈیپ ریڈ کلر کی ساڑھی موجود تھی، اس کے ساتھ میچنگ جیولری، چوڑیاں اور سینڈل وغیرہ بھی موجود تھیں، وہ تمام چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد ساڑھی کو اٹھا کر باندھنے لگی، پھر بالوں کو کھلا چھوڑ دیا، جیولری پہنی اور دونوں ہاتھوں میں چوڑیاں بھی پہنی، ہلکے پھلکے میک اپ میں وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ وہ خود بھی حیران رہ گئی، آہستگی سے سیڑھیاں اترتی وہ حماد کے کمرے میں لوٹ آئی جو آنکھیں بند کیے لیٹا تھا اسے سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے، کچھ دیر یونہی کھڑی رہی پھر آہستگی سے اپنے ہاتھوں کو ہلایا تو چوڑیاں ارتعاش سا پیدا کرنے لگی، حماد نے جو سیدھے ہو کر آنکھ کھولی تو ایک پل کو اسے یقین ہی نہ آیا کہ سامنے کھڑی لڑکی مریم ہی ہے، ہمیشہ سادگی میں رہنے والی کی آج چھب ہی نرالی تھی، وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔

”بہت پیاری لگ رہی ہو، مریم آج میں چاہتا ہوں کہ تمام پرانی باتوں کو بھلا کر ہم اپنی زندگی کا آغاز کریں، امی ابو کے جانے کے بعد بہت اکیلا پڑ گیا ہوں، بہت ٹوٹ گیا ہوں، کیا تم مجھے سمیٹ لوگی۔“ مریم نے اثبات میں سر ہلایا تھا حماد نے اس کے آگے ہاتھ پھیلایا تھا تو مریم نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں پیار کا ایک جہان آباد تھا، مریم زیادہ دیر اس نظارے کی تاب نہیں لا سکی تھی اور نظریں جھکا لی کہ ابھی دوران باہر بادل برسنا شروع ہوئے تھے، مریم جو اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دینے سے گھبرا رہی تھی، بادلوں کی گڑگڑاہٹ بن کر اس کے سینے سے جا لگی جبکہ حماد کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”تم تو تڑپا رہی تھی، آخر اللہ کو مجھ پر رحم آ گیا۔“ وہ اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہا تھا، جبکہ وہ چھوئی موئی بنتی جا رہی تھی، باہر بادل دھرتی کو سیراب کر رہے تھے جبکہ اندر مریم اس کی محبت میں سیراب ہو رہی تھی اور چوڑیوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا، آخر دو مخالف سمت میں رہنے والے آپس میں مل گئے تھے اور دور افق پر چاند ان کے ملن پر مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

میری دلڑی وی ٹو

رمشا احمد

شاید اسی کو مکافات عمل کہتے ہیں یہی ایک وجہ ہے جس سے بادشاہوں کے دل بھی نرم پڑ جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی جانتے ہیں کہ کسی نہ کسی دن پکڑ ہوتی ہے اور جب اللہ کی ذات فیصلہ سناتی ہے تو......

آج اسی مکافات عمل کے دور سے عنادل گزر رہی تھی، جس نے کبھی کسی کو چونٹی سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی اور آج وہ تقدیر کے سامنے بے بس تھی، قدرت نے آج فیصلہ کیا تھا کہ عنادل اپنی ساری زندگی ایک معذور شخص کے ساتھ گزارے گی، اس فیصلے پر قائم رہنے کے لئے اس کے پاؤں کی زنجیر عبدالھادی تھی تھا، جو عنادل کی جان تھا اور جان سے بچھڑ کر بھی تو اس نے مر ہی جانا تھا، اس لئے آج عنادل نے اپنی دلی رضامندی سے قدرت کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرلیا تھا۔

☆☆☆

کمرے کی ہر شے پر مٹی دھول تھی، مہرین نے تو کبھی تصور میں بھی نہ سوچا تھا کہ ڈاکٹر اظہر کیانی کا کمرہ اتنا گندہ ہوسکتا ہے، وہ اظہر کیانی جس کے پاؤں کے جوتے ہر وقت ایسے چمک رہے ہوتے جیسے ابھی پہنے ہیں بے شک وہ بازار بھی گھوم آتا۔

مہرین کمرے کے دروازے میں کھڑی دیکھتی رہی لیکن دوسری طرف کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی کیونکہ اظہر کیانی تو بندے کی آمد سے دو منٹ قبل ہی چوکنا ہو جاتا تھا، آج دس منٹ گزرنے کے باوجود وہ کچھ نہ محسوس کرسکا، اسی لمحے دکھ کی لہر نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا، ہنستا مسکراتا زندگی کو انجوائے کرنے والا یہ شخص آج بیساکھیوں کا محتاج تھا، صرف اور صرف ایک مذاق کی وجہ سے حالانکہ

مہرین اور سحرش نے کتنا سمجھایا تھا کہ مت کرو اس کے ساتھ مذاق مگر عنادل سدا کی شرارتی اور عمروں کی تفریق کیے بغیر ہر کسی سے مذاق کرنے والی یہ بھی نہ سوچ سکی کہ اس کے ایک مذاق سے اظہر کیانی کی زندگی کیسے بدل جائے گی۔

☆☆☆

فاطمہ بیگم اور عبدالمجید (مرحوم) کی تین اولادیں تھیں، سب سے بڑے افضال کیانی اس سے چھوٹے جبار کیانی اور سب سے چھوٹے والدین کے لاڈلے اور چہیتے ظہیر کیانی تھے، فاطمہ بیگم نے اپنے بیٹوں کو ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا تھا، جب عبدالمجید صاحب کی وفات ہوئی تو خاندان کے کتنے لوگوں نے کہا تھا کہ اولاد ابھی چھوٹی ہے آپ شادی کرلیں مگر وہ نہ مانی اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ کیانی صاحب اپنے پیچھے اتنا چھوڑ گئے تھے کہ وہ آسانی سے اپنے بچوں کی پرورش کرسکتی تھی، فاطمہ بیگم نے اپنے ہونہار بیٹے افضال کی شادی اپنی بھتیجی ملائکہ سے، جبار کی شادی حمیرا سے جبکہ ظہیر نے اپنی پسند سے زدہا سے شادی کی۔

عنادل اور سحرش افضال صاحب کی اولادیں ہیں جبکہ صاحب کا ایک ہی بیٹا اظہر کیانی اور ظہیر کیانی کی ایک ہی بیٹی مہرین ہے، مہرین جب آٹھ سال کی ہوئی تو زدہا بیگم اسے اور ظہیر کیانی کو چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملی، فاطمہ بیگم بہو کی جدائی بیٹے اور پوتی کا غم برداشت نہ کرسکی اور دو ماہ بعد ہی وہ بھی انہیں چھوڑ گئیں۔

فاطمہ بیگم کی وفات سے تو گھر میں ایک کہرام مچ گیا تھا، وہ اپنی بہوؤں کے لئے اچھی ساس اور پوتے پوتیوں سے محبت کرنے والی دادی تھی لیکن وقت کا کام گزرنا ہے سو وہ گزرتا گیا اور سب کو صبر آ گیا۔

☆☆☆

عنادل کو مبارکباد دینے اس کی دوستیں آ رہی تھیں جبکہ مہرین کی عنادل کے علاوہ کسی سے دوستی نہ تھی، مہرین نے چائے بنائی اور ساتھ میں کیک بسکٹ اور رول وغیرہ لے کر عنادل کے کمرے میں آئی چائے بنا کے اس کی دوستوں کو دی ابھی بیٹھی ہی تھی کہ اظہر نے آواز لگائی۔

"مہر...... مہرین کدھر ہو؟" وہ عنادل کی دوستوں سے معذرت کرتی باہر آ گئی۔

"جی۔" گلابی رنگ کے کپڑے پہنے نکھری نکھری مہرین اس کے سامنے تھی چند لمحے کے لئے تو وہ بھول ہی گیا تھا کہ اسے کیا چاہیے۔

"جی کچھ چاہیے آپ کو۔" مہرین کی آواز اسے ہوش کی دنیا میں لائی۔

"او...... ہاں چائے مل جائے گی وہ میں کام کر رہا تھا کہ اچانک مجھے چائے کی طلب ہوئی تو میں نے سوچا......"

"آپ جا کر کام کریں میں چائے لاتی ہوں۔" مہرین جلدی میں تھی اس لئے اظہر کی بات کاٹ کر بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے کمرے میں لے آنا۔" اظہر کہہ کر کمرے کی طرف چلا گیا، وہ چائے دے کر پھر کمرے میں آ گئی ابھی بیٹھی ہی تھی کہ ظہیر کیانی نے اسے بلا لیا۔

"جی ابو جی۔" مہرین مودب سی باپ کے سامنے کھڑی تھی۔

"چائے مل سکتی ہے۔" وہ آفس سے سیدھے گھر اسی لئے آئے تھے کہ اپنی پیاری بیٹی کے ہاتھ کی بنی چائے پی سکیں۔

"وائے ناٹ ڈیڈ جی۔" مہرین جب لاؤنج میں ہوتی تو ڈیڈی کہتی وہ چائے بنانے کے لئے کچن میں چلی گئی۔

اس نے چائے بنا کے ابو جی کو دی اور دوپہر کا کھانا بنانے لگ گئی، کھانا میز پر لگا کے وہ عنادل اور اس کی دوستوں کو بلانے چلی آئی لیکن اسے کمرے کے باہر ہی رک جانا پڑا، حالانکہ اس کی عادت نہ تھی دوسروں کی باتیں سننا، مگر یہ کیا اندر تو زیر بحث ہی اس کی ذات تھی اس لئے وہ سننے پر مجبور ہو گئی، عنادل کی دوست سمعیہ بولی۔

"عنادل تم بھی کتنی معصوم ہو، دیکھو تمہارے سامنے وہ تمہاری کزن اس سارے گھر پہ چھا گئی ہے اور تم چپ چاپ اس کا منہ ہی دیکھتی رہو۔"

"اسی طرح ایک دن وہ تمہارے کزن اظہر کو بھی پھنسا لے گی اور تم پھر بھی دیکھتی رہنا۔" حنا نے بھی بولنا اپنا فرض سمجھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے مہرین بہت اچھی ہے اور میرا تو وہ بہت زیادہ خیال رکھتی ہے اور رہ گئی بات اظہر بھائی کو تو مجھے کیا میں نے ان کو اس نظر سے کبھی نہیں دیکھا اور اگر مہرین اور اظہر بھائی کی شادی ہو گئی تو مجھے کوئی افسوس نہ ہو گا۔" عنادل نے تفصیلی جواب دیا۔

"نہیں عنادل تم نے کبھی اظہر کو غور سے دیکھا ہے اگر نہیں دیکھا تو کسی دن دیکھنا ضرور اور میرا خیال ہے پھر تم کسی اور کو دیکھنا پسند بھی نہ کرو گی، عنادل حاصل کر لو اسے بہت خوش رہو گی۔" سمعیہ پھر بولی۔

مہرین کی ہمت نہ ہوئی کہ اندر جا سکے وہ وہیں سے واپس ہو لی، عنادل کی دوستیں تو چلی گئی لیکن اس کے سوچنے کے لئے کئی در وا کر گئیں اس کے بعد عنادل نے مہرین سے اس کی پسندیدہ ہر چیز چھین لی تھی حتیٰ کہ اظہر کیانی بھی اور مہرین تقدیر کے اس فیصلے پر بھی کچھ نہ کر سکتی

آج عنادل اور اظہر کیانی کی منگنی تھی اور مہرین اپنے کمرے میں پڑی بخار میں پھنک رہی

تھی کوئی بھی اس کے یوں اچانک بیمار ہو جانے کی وجہ نہ جانتا تھا، صرف اور صرف عنادل تھی جو اس کے دلی جذبوں سے آگاہ تھی اور مہرین اس کی منتیں کر کر کے تھک گئی تھیں کہ وہ کسی کو نہ بتائے اور شاید یہی ایک بات تھی جو عنادل نے مان کر مہرین کی ذات پر احسان کیا تھا، عنادل مہرین کو بات بات پہ بلیک میل کرتی کہ اگر تم نے میرا یہ کام نہ کیا تو بڑوں کو بتا دوں گی، اسی وجہ سے مہرین کو ہر بار اس کا ساتھ دینا پڑتا۔

یہ سچ تھا کہ عنادل کو آج بھی اظہر سے محبت نہ تھی، بس مہرین سے اظہر کو چھیننے کے لئے اس نے اپنی ماں کو منگنی کے لئے کہا تھا اور اظہر کیا نی کے دل میں نیا اگنے والا پودا (مہرین کی محبت) جڑ پکڑنے سے پہلے ہی عنادل نے کاٹ ڈالا اور اظہر بھی اسے وقتی کشش کا نام دے کر بھول گیا اور عنادل کی محبت میں پور پور ڈوب گیا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب عنادل اور اظہر کی منگنی کو چھ ماہ گزر گئے تھے، اظہر اپنے ہسپتال گیا ہوا تھا، عنادل نے مہرین سے کہا۔

''مہر تم نے اظہر کو کال کرنی ہے اور کہنا ہے کہ عنادل ہسپتال میں ہے۔''

''نہیں، عنادل میں ایسا نہیں کروں گی یہ غلط ہے جھوٹ تو جھوٹ ہوتا ہے چاہیے مذاق میں بولا جائے۔'' جانے کیا بات تھی کہ مہرین نے اسے منع کر دیا حالانکہ وہ جانتی تھی اب وہ اسے دھمکی دے گی۔

''اب تم اپنی نصیحتیں لے کر نہ بیٹھ جانا ٹھیک ہے نہیں کرنا تو نہ کرو میں خود کچھ نہ کچھ کر لوں گی۔'' عنادل نے غصے سے کہا اور کمرے میں جانے کے لئے کھڑی ہو گئی کہ سحرش کی بات اسے تپا گئی۔

''دل آپی، مہر آپی ٹھیک کہہ رہی ہے مذاق میں بھی جھوٹ......''

''بس کرو تم بڑی آئی اس کی چچی، اس کے ساتھ رہ رہ کر تم بھی اس جیسی ہو گئی ہو اب میری باتوں میں ٹانگ مت اڑانا۔'' عنادل نے تیز لہجے میں کہا اور چلی گئی۔

''سحرش میرا دل بہت گھبرا رہا ہے مجھے لگتا ہے کچھ ہونے والا ہے۔'' مہرین اور سحرش چھت پر بیٹھی تھی جب مہرین نے کہا۔

''کچھ نہیں ہوتا، آپی آپ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے پلیز خود کو سنبھالیں۔'' سحرش نے اس کی بگڑتی حالت دیکھ کر کہا۔

''پتہ ہے سحرش جب میری امی فوت ہوئی تھی ناں تو میری حالت ایسے ہو گئی تھی مجھے لگتا ہے کچھ ہوں......'' اس کے ساتھ وہ رونے لگی۔

''مہر...... مہرین آپی۔'' سحرش اسے چپ کرانے لگ گئی۔

کچھ دیر بعد چپ وہ ہو گئی سب خیریت تھی کچھ نہیں ہوا تا وہ ابھی تک یہی سوچ رہی تھی کہ اس کا دل اتنا گھبرا کیوں رہا تھا۔

☆☆☆

مہرین اور سحرش لاؤنج میں بیٹھی ہوئیں تھی جب فون بج اٹھا، مہرین نے سحرش کے اٹھنے کا انتظار کیا، مگر وہ نہ اٹھی تو مجبوراً اسے خود ہی اٹھنا پڑا، سلام کے جواب میں اسے جو خبر ملی اس نے تو مہرین کے ہوش ہی اڑا دیئے تھے۔

''نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا کہہ...... کہہ دیں یہ جھوٹ ہے۔''

''مہرین آپی کیا ہوا ہے ادھر فون مجھے دیں میں بات کرتی ہوں۔'' سحرش اسے ایک طرف بٹھا کے خود فون کی طرف آ گئی، اس نے بھی جو سنا اس کی حالت بھی کم و بیش وہی تھی جو مہرین کی تھی، ان کی چیخوں پہ سارے گھر والے اکٹھے ہو

گئے اور جب سب نے یہ خبر سنی کہ اظہر کیانی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے تو سب کی حالت ایک جیسی تھی سوائے عنادل کے جو یہ سوچ رہی تھی کہ اپنی جان کیسے بچائی جائے۔

سب ہسپتال پہنچ گئے تھے سوائے مہرین اور سحرش کے ان کے کہنے پر بھی عنادل انہیں ساتھ نہیں لائی تھی، سب کاتب تقدیر کا لکھا سمجھ کر چپ تھے کہ اظہر کے دوست عثمان جعفر کی آمد اور اس کی بتائی سچائی نے سب گھر والوں کو مشتعل کر دیا تھا، سب یہی سوچ رہے تھے کہ فون کال کون سی لڑکی کر سکتی ہے۔

عنادل نے کمال ہوشیاری سے آواز بدل کر اظہر تک یہ خبر پہنچائی تھی کہ عنادل اس وقت ہسپتال میں ہے، اب عنادل اپنی جان بچانے کے لئے کوئی اور منصوبہ بنا رہی تھی۔

''میں سوچ رہا ہوں بھائی جان کہ وہ کون سی لڑکی ہو سکتی ہے جو اظہر کو کال کر کے یہ سب کہے۔'' جبار صاحب نے پر سوچ انداز میں افضال صاحب سے کہا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ہو سکتا ہے عنادل کی کوئی دوست ہو۔'' افضال صاحب نے بھی سوچتے ہوئے جواب دیا، عنادل جو باہر کھڑی یہ سب سن رہی تھی جلدی سے اندر آئی اور بولی۔

''چاچو جی میں بتا سکتی ہوں کہ یہ سب کس نے کہا ہے۔''

''دل آپ سب کچھ جانتی ہو ہمیں بتایا کیوں نہیں، بتاؤ کون ہے وہ جس نے یہ سب کیا ہے؟'' جبار صاحب بے تابی سے بولے۔

''چاچو یہ سب مہرین نے کہا تھا اس نے مجھ سے بھی کہا کہ اظہر کو فول بناتے ہیں میں نے منع بھی کیا مگر وہ نہ مانی۔'' ایک طوفان تھا جو ان

سب کے سروں پر گرا تھا، کسی کو اس بات پر یقین نہ تھا مگر عنادل کیسے اور کیوں جھوٹ بول سکتی ہے۔

آج کسی کیس کے بارے میں تمام ڈاکٹروں کی میٹنگ تھی، جس میں اظہر کو بھی بلایا گیا تھا، میٹنگ ختم ہونے سے پہلے ہی اس کا موبائل بج اٹھا، انجان نمبر دیکھ کر اس نے کال پک کرنا ضروری خیال نہ کیا اور کال ڈسکنیکٹ کر دی، مگر تھوڑی دیر بعد پھر کال آ گئی اس کے دوست عثمان جعفر نے کہا۔

''ہو سکتا ہے کوئی ضروری کام ہو تم سن لو۔''

سب اس نے معذرت کرتے ہوئے کال اٹینڈ کی مگر جو خبر اسے سننے کو ملی اس نے تو اس کے ہوش اڑا دیئے تھے، اس کی متفکر سی آواز سن کر عنادل کو اچھا لگا کہ وہ اس کے لئے پریشان ہے، اظہر نے سر سے معذرت کی اور بتائے گئے ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا مگر راستے میں ہی وہ سب ہو گیا جس کا تصور کسی کو نہ تھا۔

''سحرش تم کسی کو نہ بتانا کہ اظہر کو اس حال میں کس کی فون کال نے پہنچایا ہے۔'' مہرین اور سحرش کچن میں کھانا تیار کر رہی تھی۔

''مہر آپی آپ پریشان نہ ہوں میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔'' سحرش نے کہا اور باہر کھڑے جبار صاحب سوچ کے رہ گئے کہ مہرین نے ایسا کیوں کیا ہے، وہ باہر سے ہی آواز دے کر کھانا منگوا لیا، جب وہ چلے گئے تو سحرش بولی۔

''مہر آپی آپ اتنی اچھی کیوں ہیں ہر کسی کے لئے۔'' سحرش کے لہجے میں ستائش ہی ستائش تھی۔

''سحر میں اتنی اچھی نہیں ہوں جتنی تم نے سمجھ لیا، بس کوشش کرتی ہوں کہ کسی کے راز کو راز رکھ سکوں کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی تو ہماری کتنی غلطیوں

پر پردہ ڈالتے ہیں۔" جوش سے اس کی آواز بلند ہوگئی۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپی مگر سب کا ظرف اتنا بڑا نہیں ہوتا کہ کوئی آپ سے آپ کی سب سے اہم چیز چھین لے پھر بھی آپ اس کی پردہ پوشی کریں۔" سحرش یہ کہہ کر کمرے میں چلی گئی اور مہرین حیران پریشان اس کی کہی بات پر غور کررہی تھی۔

☆☆☆

مہرین کے بار بار کہنے پر بھی کوئی اسے ساتھ لے کر ہسپتال نہیں گیا تھا، البتہ سحرش دو بار آئی تھی وہ بھی زبردستی، مہرین نے یہ سوچ کر زیادہ احتجاج نہ کیا کہ گھر میں اظہر کے لئے پرہیزی کھانا وہی بناتی تھی۔

اظہر کا پاؤں مکمل طور پہ گلا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کے پاؤں کو کاٹ کر مصنوعی لگایا گیا تھا، یہ بات سب گھر والوں کے لئے پریشان کن تھی اور مہرین کے ساتھ نفرت میں اور اضافہ کر گئی۔

آج اظہر کیانی کو ڈسچارج کردیا گیا تھا، مہرین اسے دیکھنے کے لئے کچن کی کھڑکی میں کھڑی تھی جب وہ ابو اور چاچو کے سہارے چلتا ہوا آیا مہرین کے قدم خودبخود باہر کی طرف گئے مگر وہ پھر واپس آئی، اظہر کے لئے سوپ بنایا اور باہر آگئی، ڈرائنگ روم میں بیٹھے تمام افراد نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا، وہ سب کو سلام کرتی اظہر کے پاس آگئی۔

"یہ سوپ پی لیں۔" اظہر نے پیالہ لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا، اسے یہ سوپ نہیں پینا تھا کیونکہ یہ مہرین نے بنایا تھا اور وہ گھر والوں کی زبانی سن چکا تھا کہ اسے کال کرنے والی لڑکی مہرین ہے۔

☆☆☆

مہرین کے لئے انجینئر کا رشتہ آیا ہوا تھا تمام گھر والے اس رشتہ پر سوچ وبچار کررہے تھے ایک حد تک کسی کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا، اب گھر والوں کی مشترکہ رائے یہ بھی کہ جتنی جلدی ہوسکے مہرین کی شادی کردی جائے، لیکن یہاں پر بھی عنادل سے مہرین کے لئے یہ اچھا رشتہ ہضم نہ ہوسکا اور اسے اپنے نام کروانے اپنی ماں کے پاس چلی آئی، سلام دعا کے بولی۔

"امی میں ساری زندگی اس معذور کے ساتھ نہیں گزار سکتی، پلیز آپ کچھ کریں۔" معصوم سی شکل بنائے کہہ رہی تھی اور اندر آتی سحرش کے تن بدن میں آگ لگ گئی، وہ پھنکارتی ہوئے کمرے میں آئی اور بولی۔

"عنادل آپی...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں آپ تو اظہر بھائی سے محبت کی دعویدار تھیں نا کہاں گئی آپ کی محبت اور مت بھولیں کہ انہیں اس حال میں پہنچانے والی بھی آپ ہیں۔"

"چپ کرو تم میں ساری زندگی ایک معذور شخص کے ساتھ نہیں گزار سکتی اور آج تم نے یہ بات کہی ہے آئندہ کبھی کہی تو تمہاری زبان کھینچ لوں گی۔" عنادل غصے سے بولی۔

"آپی! مجھے تو آپ چپ کروالیں گی مگر مت بھولیں کہ سچائی کبھی نہیں چھپی رہتی، ایک نہ ایک دن سامنے ضرور آتی ہے اور اپنی کی ہوئی غلطی کا اقرار آپ خود کریں گی۔" سحرش بھی جواباً غصے سے بولی اور چلی گئی۔

"دل...... یہ سحرش کیا کہہ رہی تھی کیا تم نے اظہر......"

"امی کچھ نہیں ایسے ہی کہہ رہی ہے اپنی لاڈلی مہرین کی غلطی کو چھپانے کی کوشش کررہی ہے۔" عنادل بھی کہہ کر کمرے سے نکل گئی پھر

مہرین کے ساتھ وہی ہوا جو ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا ہے لیکن مہرین اس بار اداس ہونے کی بجائے خوش تھی اسے اظہر مل گیا تھا اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی پھر وہ کیوں نہ خوش ہوتی۔

کامران (انجینئر) کا رشتہ عنادل کے لئے منظور کرلیا گیا اور اظہر کیانی تو سدا کا تھا ہی مہرین کا اس لئے وہ اسی کا ہو گیا، رشتے کی بات پر اظہر نے کچھ اختلاف کیا تھا لیکن پھر بڑوں کے سمجھانے پر مان گیا، اظہر نے کہا تھا کہ منگنی کی بجائے نکاح کیا جائے، ادھر عنادل کے سسرال والے بھی شادی پر زور دے رہے تھے اس لئے گھر والوں نے فیصلہ کیا کہ منگنی کی بجائے دونوں کی شادی کر دی جائے اس طرح ایک مہینہ کی قلیل مدت میں عنادل کیانی سے عنادل کامران بن گئی اور مہرین کیانی سے مہرین اظہر بن گئی۔

☆☆☆

شادی کے بعد عنادل اپنے شوہر کے ساتھ دوبئی میں سیٹ ہو گئی اور مہرین نے اظہر کیانی کی خدمت میں دن رات ایک کر دی لیکن جواب میں پھر بھی اظہر کی خفگی اور غصے کا ہی نشانہ بنتی پھر بھی وہ خوش رہتی اور اس وقت کا انتظار کر رہی تھی جب اظہر کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا شادی کے ڈیڑھ سال بعد کامران کو کام کے سلسلے میں پاکستان آنا پڑا وہ بھی صرف پندرہ دن کے لئے، وہ اپنے ساتھ عنادل کو بھی لے آیا حالانکہ اس نے کہا بھی تھا کہ میں نہیں جاؤں گی مگر وہ بولا۔

”دل میں تمہارے بغیر ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتا یار، پورے پندرہ دن کیسے رہوں گا تم بس چل رہی ہو میرے ساتھ اور وہاں اپنے گھر والوں سے ہی مل لینا۔“ کامران کی اس بات نے اسے گھر والوں کی یاد دلا دی تھی اس لئے وہ پاکستان آنے کے لئے تیار تھی، یہاں آ کر اس نے دو دن مصروف گزرے تیسرے دن وہ اپنے گھر والوں سے ملنے کے لئے ان کی طرف آ گئی، کچھ دیر بعد اس کی دوستیں بھی اس سے ملنے آ گئیں۔

آج سنڈے تھا تمام افراد کو خصوصاً مرد حضرات کو تو آج گھر ہونا چاہیے تھا مگر اظہر کے سوا مردوں میں کوئی نہ تھا، اظہر لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا جب مہرین نے اسے آواز دی وہ جانا نہیں چاہتا تھا مگر پھر سوچا کہ آج تک اس نے کبھی آواز نہیں دی ہو سکتا ہے کوئی ضروری کام ہو اس لئے وہ کمرے کی طرف آ رہا تھا کہ لاؤنج سے آتی آوازوں اور ان میں اپنا نام سن کے رک گیا۔

”واہ عنادل کیا چال چلی ہے اظہر کو خود ہی اس حال تک پہنچایا اور خود ہی چھوڑ بھی دیا واہ تم تو بڑی ذہین نکلی۔“ سمعیہ مسکرا کے عنادل کی تعریف کر رہی تھی۔

”ہاں تو اور کیا کرتی ساری زندگی اس معذور کے ساتھ گزار دیتی۔“ عنادل کے لہجے میں حقارت ہی حقارت تھی۔

”ویسے یار کیا کمال ہوشیاری سے تم نے اظہر کو کال کی تھی اور وہ کیسے بھاگا تھا، ویسے یار تمہیں اس کی محبت پر بھی ترس نہ آیا تھا۔“ اب سمعیہ کی بجائے قندیل نے کہا تھا۔

”نا بابا نا ترس کھا کے اپنی ساری زندگی برباد کرنی تھی، ساری زندگی اس کی نوکرانی بن کے گزار دیتی، وہ مہرین ہے نا اس کی نوکرانی وہ ہی ٹھیک ہے ویسے یار مہرو اظہر سے بہت پیار کرتی ہے اچھا چھوڑو اپنی باتیں کرتے ہیں۔“ عنادل نے بڑے فخر سے اپنی سوچ بتائی تھی اور تقدیر اس کی باتوں پہ مسکرا رہی تھی۔

کیا ہوا تھا کچھ بھی تو نہیں نہ ہی پہاڑ ٹوٹا تھا مگر وہ آنکھیں بند کیے اس سفاک حقیقت کو ضرور

سوچ رہا تھا، اظہر میں ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ کمرے میں جاتا اور مہرین کا سامنا کرتا آج وہ اپنے آپ کو بہت چھوٹا محسوس کر رہا تھا اس عظیم لڑکی کے سامنے، کیا مہرین مجھ سے اتنا پیار کرتی ہے کہ میرے بارہا الزام لگانے پر بھی کچھ نہیں بولی اور نہ ہی کبھی مجھے سچائی بتانے کی کوشش کی ہے، وہ وہیں سے واپس آگیا۔

مہرین کچھ دیر اس کا انتظار کرتی رہی مگر وہ نہ آیا۔

”جانے کیوں آج میرا دل خوش فہم ہو چلا تھا کہ میں آواز دوں گی اور وہ چلا آئے گا، جیسے اسی انتظار میں ہو۔“ مہرین نے بہت دلگرفتگی سے سوچا۔

پھر وہ کچن میں گئی سوپ بنایا اور لان میں آ گئی، اظہر کے سامنے سوپ رکھا اور واپسی کے لئے مڑ گئی مگر اظہر نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور وہ حیران ہی تو رہ گئی بھی بالائے ستم اب وہ کہہ رہا تھا کہ ”بیٹھو“ وہ حیرانگی کے عالم میں بیٹھ گئی۔

”مہر...... میں تم۔“ بہت دیر تک اظہر سوچتا رہا کہ کیا بولے بالآخر بولنا شروع کیا ہی تھا کہ مہرین نے اسے چپ کروا دیا۔

”پلیز اظہر ایک منٹ پہلے مجھے یہ خوشی محسوس کرنے دو کہ تم نے مجھے پکارا ہے۔“ مہرین کی بات اسے اور شرمندہ کر گئی۔

”مہرین پلیز آج مجھے کہنے دو جو میں کہنا چاہتا ہوں۔“ اظہر نے شرمندگی سے کہا اور مہرین اسے دیکھ کے رہ گئی کہ آخر اس نے کہنا کیا ہے۔

”مہر پلیز مجھے روکنا نہیں اور جو کچھ میں کہوں اسے غور سے سننا اور مجھے بتانا کہ میں کہاں غلط ہوں۔“ اسے بولنے کے لئے لب وا کرتے دیکھ کر کہا اور دوبارہ کہنا شروع کیا۔

”مہر میں ڈاکٹر اظہر کیانی بچپن کا تو پتہ نہیں کہ کیسے گزرا مگر جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھتے ہی میں نے تمہارے لئے کچھ خاص محسوس کیا تھا مگر اس سے پہلے کہ یہ محسوسات جڑ پکڑتے اس سے پہلے ہی انہیں کاٹ دیا گیا میری منگنی عنادل سے کر دی گئی اور میں ان محسوسات کو وقتی کشش سمجھ کر بھول گیا اور بقول میرے اپنے میں عنادل سے محبت کرنے لگا اور جب مجھے بتایا گیا کہ مجھے کال کرنے والی لڑکی تم ہو، تو تمہارے لئے ایک نفرت کی لہر میرے اندر پیدا ہوئی میرا دل چاہتا تھا کہ میں ساری دنیا تہس نہس کر دوں، پھر عنادل سے میری منگنی ختم کر کے تم سے کی گئی، میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر عنادل کے خیال سے کہ وہ ساری زندگی ایک معذور کے ساتھ کیسے گزارے گی میں چپ ہو گیا اور تمہارے کیے کی سزا کے طور پر تمہیں قبول کر لیا اور خود سے عہد لیا کہ تم ساری زندگی میری محبت کے لئے ترسو گی، منگنی کی بجائے میں نے نکاح کا کہا، شادی کے بعد میں نے بارہا تمہارے لئے وہی محسوس کیا جو پہلے کیا کرتا تھا مگر میرے ہر جذبے پر تمہاری سزا کا جذبہ بھاری ہوتا چلا گیا اور باوجود کوشش کے تم سے نفرت کر سکا اور نہ ہی محبت، بس ایک ہمدردی کا جذبہ تھا جو کبھی کبھار تمہارے لئے بیدار ہو جاتا، دراصل یہ ہمدردی نہیں محبت تھی لیکن میں اپنی نادانی میں اسے ہمدردی ہی سمجھتا رہا وہ بھی اس وقت جب تمہیں دن بھر گھر کے کاموں میں الجھا ہوا پاتا اور آج حقیقت جان کر میں تمہارے لئے ہمدردی کے جذبے سے بڑھ کر محبت محسوس کر رہا ہوں اب تم بتاؤ کہ میں کہاں غلط تھا یا ہوں ہاں ایک غلطی میری ہے کہ میں نے کبھی سچ پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔“ اظہر کا سانس چڑھ رہا تھا مگر پھر بھی وہ بولتا گیا اور اب اس کے جواب کا منتظر تھا۔

"اظہر تم نے جو بھی باتیں کہیں ہیں میں ان تمام کو بھلا دینا چاہتی ہوں سوائے اس کے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو آج میں خوش ہوں بہت زیادہ خوش، بس اظہر میں تم سے بھی یہی کہوں گی کہ آؤ اک نئی زندگی کی شروعات کرتے ہیں پچھلی تمام باتوں کو بھلا کر۔" وہ اظہر کے سامنے ہاتھ پھیلائے عہد مانگ رہی تھی اس نے بھی خوشی خوشی مہرین کا ہاتھ تھام لیا۔

عنادل واپس چلی گئی تھی اور اس سے رابطہ بھی بس ٹیلیفونگ کی حد تک رہ گیا تھا کیونکہ سب سچائی جان گئے تھے اور کوئی بھی اسے معاف کرنے پر تیار نہیں تھا، سب کا خیال تھا کہ اگر اس نے ایک ہی غلطی کی ہوتی تو ٹھیک تھا لیکن اس نے جھوٹ بول کر گھر والوں کے دل میں مہرین کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ ناقابل معافی جرم ہے لیکن یہاں پر بھی مہرین سے یہ سب برداشت نہیں ہوسکا اور اس نے سب کو مجبور کیا کہ عنادل کو معاف کردیا جائے اور سحرش ایک بار پھر اس عظیم لڑکی کی عظمت دیکھ کے رہ گئی۔

☆☆☆

عنادل نے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا، نئے مہمان کا نام عنادل اور کامران دونوں نے مل کے عبدالہادی رکھا، ہادی میں عنادل کی جان تھی وہ ایک منٹ بھی اس سے دوری برداشت نہیں کر سکتی تھی، کچھ ماہ بعد کامران کا ایکسیڈنٹ ہوگیا جس میں اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں، عنادل کا تب تقدیر کے اس فیصلے پر شکوہ کناں ہونا چاہتی تھی مگر کیسے ہوتی۔

اس نے اظہر کو چھوڑا تھا کہ وہ معذور ہے اور آج جب اس کے پاؤں کی بیڑی ہادی بھی تھا تب تقدیر نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا وہ چیخنا چلانا چاہتی تھی مگر کیسے؟ کیونکہ یہ تو ازل سے طے ہے کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ برا کرتا ہے تو اس کے ساتھ بھی برا ہی ہوتا ہے ویسے بھی بنانے والوں نے کیا خوب مثال بنائی ہے۔

"جو بوؤں گے وہی کاٹو گے۔"

عنادل سوچ رہی تھی کہ کاش میں اظہر کیا نی سے شادی کر لیتی کم از کم وہ خود چل پھر تو سکتا ہے جبکہ کامران چلنا پھرنا تو دور اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہیں ہوسکتا تھا، آج وہ سوچ تو رہی تھی لیکن وہ بھی غلط طریقے سے جب اظہر تھا ہی مہرین کا تو وہ اس کا کیسے ہو جاتا اور ویسے بھی کہتے ہیں نا۔

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیا چگ گئی کھیت

☆☆☆

ربط کے اس پار کہیں

نایاب جیلانی

اکیسویں قسط کا خلاصہ

امام عشیہ کے کہنے پر نیل بر کی مدد کرتا ہے اور اسے اپنے ساتھ لے کر شہر کے لیا نکلتا ہے، راستے میں صندیر خان کے آدمی امام پر حملہ کر کے شدید زخمی کر دیتے ہیں اور نیل بر کو واپس صندیر خان کے پاس لے آتے ہیں، جہاں سزا کے طور پر خان بابا کو نیل بر کی شادی جہاندار سے کرنی پڑتی ہے، جہاندار، نیل بر کو اپنے ساتھ ایک سنسان مقام پر خالی حویلی میں لے کر آتا ہے۔

حمت کو امام کے زخمی ہونے کا پتا چلتا ہے تو وہ شدید پریشان ہو جاتی ہے، دوسری طرف فرح انتہائی افراتفری میں نشرہ اور ولید کی شادی کا کہتی ہے اور مکان نشرہ کے نام کرنے کو کہتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

بائیسویں قسط

عشیہ اسے کینہ توز نگاہوں سے گھور رہی تھی اور ہیام کو فی الوقت عشیہ کی ہولناک نگاہوں سے بچنے کے لئے دو گز زمین بھی نہیں مل رہی تھی، وہ باہر عروفہ کی کلاشنکوف نظروں سے بچ بچا کر اندر آیا تھا، مورے کے میزائل اور بارودی سوالوں سے بھاگا تھا، یہ خبر نہیں تھی، ایک محاذ یہاں بھی تیار تھا، وہ گہرا سانس بھرتا ٹوٹتی ہمتوں کو جوڑنے لگا، اس پل صراط سے تو گزرنا ہی تھا۔

"یہ اچانک تمہارے دماغ میں کیا خناس سمایا؟ یہ کون سے ڈرامے کا ڈراپ سین ہے ہیام! تم نے میرا دماغ چکرا کر رکھ دیا۔" وہ جتنا چنگھاڑ سکتی تھی، چنگھاڑ چکی تھی، حتیٰ کہ گلے میں خراشیں پڑ گئی تھیں، ہیام نے جلدی سے پانی کا گلاس بھر کے بڑی بہن کو پیش کیا تھا، جسے نظر انداز کر کے وہ دوبارہ چلائی تھی۔

"ذرا آہستہ چلاؤ، ورنہ میری کلاس لینے کی بجائے، مجھے تمہاری ٹریٹمنٹ کرنا پڑ جائے گی۔" ہیام نے جان بوجھ کر ہلکا پھلکا انداز اپنایا تھا، وہ ماحول کی کثافت کو کم کرنا چاہتا تھا۔

"ہیام مجھے موضوع سے مت ہٹاؤ۔" عشیہ کا انداز اب کہ وارننگ دینے والا تھا، ہیام نے سہم کر سر جھکا دیا۔

"بتایا تو تھا فون پہ، سچوئیشن ہی ایسی تھی، مجھے اسامہ نے کہا اور میں انکار نہ کر سکا۔"

"تم نا سمجھ بچے تھے نا، جو فوراً تیار ہو گئے، دماغ چل گیا تھا تمہارا۔" عشیہ چلائی تھی۔

"بس یہی سمجھ لو۔" ہیام کی منمناتی آواز آئی۔

"تمہیں اندازہ ہے، تم نے کیا کیا؟" عشیہ کو مارے طیش کے چکر آرہے تھے اور ہیام جیسے ساری نزاکتوں کو بھلائے معصومیت سے اسے بتا رہا تھا۔

"جی ہاں کچھ اندازہ تو ہے، نکاح کیا ہے میں نے۔"

"شٹ اپ ہیام! بکواس مت کرو، یہ جانتے ہوئے کہ کتنا بڑا کارنامہ سرانجام دے کر فخر سے گھر چلے آئے اور ساتھ اسے بھی اٹھا لائے۔" عشیہ کا مارے تفکر کے برا حال تھا۔

"تو" "اسے" کہاں چھوڑ آتا! گھر ہی تو لانا تھا۔" ہیام نے سابقہ انداز ہی اپنایا، عشیہ پھر سے اسے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگی تھی۔

"چھپ چھپا کر شادی کرنے کا مطلب سمجھتے ہو؟" عشیہ کی تیوری چڑھ گئی تھی، اسے آنے والا وقت ہولائے دے رہا تھا، جب مورے کو خبر ہوتی یا علیہ عروفہ کو، تو ایک نہیں کئی طوفان آتے دیر نہ لگتی اور اس احمق کو احساس تک نہیں تھا۔

"کیسے سمجھ سکتا تھا؟ اس تجربے سے گزروں گا تو سمجھوں گا۔" ہیام نے دھیمی آواز میں کہا تھا، وہ خود بھی سخت متوحش تھا، تاہم اپنی پریشانی کو عیاں نہیں کرنا چاہتا تھا، اسے اندازہ تھا، اس گھر میں کئی محاذ ہیں، جو اسے سر کرنے ہیں، ہر محاذ پر وضاحت دینی ہے اور ردوبدو مقابلہ بھی نہیں کرنا، اسے ہر صورت پسپائی اختیار کرنا تھی۔

"ہیام! میں تمہیں اتنا احمق نہیں سمجھتی تھی، کسی کی مصیبت کو اپنے گلے میں ڈال کر لے آئے، تمہارے دوست کو کوئی اور الو نہیں ملا تھا پورے لاہور میں؟" عشیہ نے جیسے انگارے دانتوں تلے

چبا ڈالے تھے، اسے اسامہ پہ بھی غصہ آ رہا تھا، کوئی دوستی کے پردے میں اتنا مطلبی بھی ہوتا ہے، اپنی مصیبت کی گانٹھ کو دوست کے سر پہ لاد دے۔

"بس سمجھ لو، میں احمق ترین مخلوق ہوں، کیونکہ محبت کرنے والے زیادہ عقل مند ہوتے بھی نہیں۔" اتنی دیر میں یہ پہلا اقرار تھا، جو ہیام کے لبوں سے بے ساختہ پھسلا تھا اور عشیہ جیسے بھونچکی رہ گئی تھی۔

"محبت؟" اسے بڑا زور کا چکر آیا تھا، تو گویا کہ یہ معاملہ تھا اور خاصا گمبھیر تھا، عشیہ لحہ بھر کے لئے کچھ بول ہی نہ سکی، اب کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔

"اب یہ مت کہنا، سوچ سمجھ کر محبت کرتے، بلکہ سرے سے کرتے ہی نا۔" ہیام نے پیشگی ہی حد بندی کرنا چاہی تھی، کچھ کہنے کو لب کھولتی عشیہ فوری طور پر منہ بند کر کے بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد ہیام بھی اس کے قریب کھسک آیا تھا اور اب وہ بہن کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے ساری دنیا کی یتیمی چہرے پہ سجائے مدد کا طلب گار دکھائی دیتا تھا، عشیہ نے گہرا سانس بھرا اور اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے۔

ہیام دھیرے دھیرے اسے نشرہ کی کہانی، اس کے سابقہ حالات اور مظلومیت کا قصہ سناتا سخت زود رنج تھا، بس رونے کی کسر باقی تھی، عشیہ کے دل پہ بھی رقت طاری ہوگئی تھی، پھر جب ہیام چپ ہوا تو وہ آہستگی سے بولی تھی، اس کا لہجہ گہرا سوچ آلود تھا۔

"تم نے اسے ایک برزخ سے نکال کر دوسرے دوزخ میں لا پھینکا ہے، کیا تم اپنی ماں اور بہنوں سے ناواقف ہو، وہ اسے کچا چبا ڈالیں گی، یہ تم نے کیا کیا ہیام۔" عشیہ نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

"تو پھر کیا کرتا؟ لاہور میں کہاں رکھتا؟ پھر دو گھر کا خرچہ اٹھانا مشکل تھا، ابھی تو عمکیہ کی شادی والا قرض بھی نہیں اترا۔" وہ منہ لٹکا کر کہہ رہا تھا۔

"جب سب حالات تمہارے سامنے تھے تو پھر اتنی جذباتیت کا مظاہرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" عشیہ اب اسے جھڑک بھی نہیں سکتی تھی۔

"تو کیا کرتا؟ نشرہ کو کھو دیتا؟" ہیام کی معصومیت پہ کون قربان نہ ہو جاتا، عشیہ بھی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اب آئندہ کا کیا لائحہ عمل ہے تمہارا؟" عشیہ نے کچھ دیر بعد گہری سانس خارج کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"بتا تو چکا ہوں۔" ہیام مطمئن تھا اب دل کا بوجھ لاڈلی بہن کے سپرد کرتے ہوئے وہ اتنا ہی پرسکون ہو جاتا تھا، اسے امید تھی، عشیہ اب کوئی نہ کوئی حل نکال ہی لے گی۔

"فی الحال اس کا تعارف پوشیدہ رہے گا، حالات سازگار دیکھ کر بتا دیں گے، تم بھی اس ڈیل پہ کار بند ہو جاؤ۔" عشیہ نے اسے احتیاط سمجھایا تھا۔

"کوشش ضرور کرتا ہوں، وعدہ نہیں کروں گا۔" اگلے الفاظ اس نے دل میں کہے تھے، منہ پھاڑ کر بہن کے سامنے کیسے کہہ دیتا، نشرہ کو جان بوجھ کر اسے نظر انداز کرنا اس کے بس میں نہیں تھا، وہ اسے معجزاتی طور پر ملی تھی، وہ نشرہ کو کسی قیمت پر نہیں کھو سکتا تھا۔

اگر ولید کا لالچ نکاح سے پہلے نہ کھلتا تو نشرہ کا ملنا ہمیشہ کے لئے مشکل تھا، نشرہ اس کی زندگی میں خوش نصیبی بن کر آئی تھی۔

''دیکھ لو مورے کو بھنک بھی نہ پڑے، ورنہ جانتے ہو نا، سب کا جینا محال ہو جائے گا، وہ تمہارے لئے کتنی وہمی ہیں۔'' عشیہ نے جاتے جاتے بھی اسے سمجھایا تھا۔

''اب اٹھو اور نہا دھو لو، میں اس بے چاری کو دیکھتی ہوں، یقینی طور پر نیچے کسی نے اسے پانی تک نہ پوچھا ہوگا۔'' وہ ملائمت سے بھائی کے بال سنوارتی اٹھی تو ہیام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بوسہ دیا۔

''اس سپورٹ کے لئے بہت شکریہ۔''

''اپنے لفظوں کو بے مول مت کرو، تم ہمارے لئے کتنے قیمتی ہو، اس بات کا اندازہ کر لو تو خود پہ ناز کرتے نہ تھکو۔'' عشیہ نے محبت سے جواباً اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

''ناز تو اب بھی بہت کرتا ہوں، خود پہ نہیں تم پہ، عشیہ تم میری بہن نہیں میرا بازو ہو۔'' ہیام کے اظہار نے عشیہ کی آنکھوں کو نم کر دیا تھا۔

''میں ہمیشہ تمہارا بازو ہی رہوں گی، تم دیکھ لینا ہیام، میں تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کرتی، خود کو قربان کرنا پڑا تب بھی، تمہارا کھویا ہوا مقام اور اثاثے واپس نہ لائی تو مجھے عشیہ نہ کہنا، پھر تمہیں ٹکے ٹکے کے لوگوں کی چاکری کرنا نہیں پڑے گی، تمہارا اسی بستی میں اپنا ہسپتال ہوگا یہ میرا خواب ہے ہیام۔'' وہ نم آنکھوں سے سوچتی ہوئی نیچے اتر رہی تھی، اس حال میں کہ عشیہ کے ارادے چٹانوں کی طرح مضبوط تھے۔

☆☆☆

اسے پہلی نگاہ میں وہ ایک کمزور دبلی، پتلی خوفزدہ سی سہمی ہرنی کی طرح لگی تھی۔

سچ تو یہ تھا، عشیہ کو اسے دیکھ کر مایوسی ہوئی، ہیام کی بیوی کا ایسا تصور اس کے ذہن میں نہیں تھا، وہ اس خیال کے پہ قطعی طور پر پورا نہیں اتر سکتی تھی، اسے تو ہیام کی بیوی پر اعتماد، دبنگ اور دلیری لڑکی چاہیے تھی، جسے بولنا اور اپنے حق کے لئے آواز اٹھانا آتی ہو، اس بے چاری لڑکی نے اپنے حق کے لئے کیا بولنا تھا؟ اسے تو بولنا ہی نہیں آتا تھا، عشیہ کو خوف سا ہوا کہیں بے زبان نہ ہو، لیکن یہ خوف بس عارضی سا تھا، وہ صرف ضرورتاً بول سکتی تھی، یا پھر جھجک رہی تھی، دراصل مورے کے لمبے چوڑے انٹرویو نے ہی نشرہ کو حواس باختہ کر دیا تھا۔

''ماں باپ کیسے مرے؟ باقی رشتے دار کہاں ہیں؟ کوئی خالہ، پھپھو، چاچی کیوں نہیں؟ اکیلے کسی اجنبی لڑکے کے ساتھ تمہارے کزن نے کیوں بھیج دیا؟'' اس طرح کے سوالوں نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

عشیہ آئی تو اس کی گلو خلاصی ہوئی تھی، وہ اسے اٹھا کر ایک کمرے میں لے آئی، یہیں اس کا سامان بھی رکھ دیا تھا، کمرہ چھوٹا مگر صاف ستھرا تھا، ایک کھڑکی کی تھی جو صحن میں کھلتی تھی، عشیہ نے اس کھڑکی کو بند کر دیا تو ٹھنڈی ہوا بھی رک گئی تھی۔

''تم چاہو تو نہا لو، چاہو تو آرام کر لو، میں کھانا بناتی ہوں، تب تک تمہیں آرام کر لینا چاہیے،

اتنا لمبا سفر تو ویسے بھی تھکا ڈالتا ہے، میں ابھی گرما گرم سی چائے بھجواتی ہوں۔'' عشیہ کا انداز دوستانہ تھا اور وہ مورے سے بہت مختلف لگی تھی، عروفہ سے تو وہ قطعی طور پر مختلف تھی، نشرہ کو ڈھارس سی پہنچی، ورنہ جس طرح ہیام اسے اپنی ماں بہن کے نرغے میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، نشرہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا، دراصل اسے ہیام سے ایسی بزدلی کی امید ہی نہیں تھی، پٹھان قوم اور ایسی بزدلی؟ اپنی بیوی کا اصل تعارف ہی نہ کروا سکا۔

گو کہ وہ ہر قسم کی مصلحت کو جانتی تھی پھر بھی اسے یقین نہیں آتا تھا ہیام اپنے اور اس کے رشتے کو ایک دم سوالیہ نشان بنا ڈالے گا؟

اپنوں کی ڈسی نشرہ کے لئے یہ صدمہ معمولی نہیں تھا، وہ اس بڑے دھچکے سے ابھی تک سنبھل نہیں رہی تھی، وہ جس کے بھروسے پہ ساری کشتیاں جلا کر آئی تھی وہی اگر رنگ بدل جاتا تو اس کا کیا بنتا؟ وہ جو اس سے محبت کا دعویدار تھا، اپنے گھر والوں کے سامنے اپنے اور نشرہ کے رشتے کو ہی بتا نہ سکا، اسے ایک اجنبی بنا کر پیش کر دیا اور اپنے بیچ بھی اجنبیت کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

جانے نشرہ کب تک ان الجھی سوچوں کے درمیان ہیام سے بدگمانی کی اینٹیں اٹھا اٹھا کر عمارت بنائی، عشیہ کی ایک مرتبہ پھر آمد نے اسے ان نوکیلی سوچوں سے کچھ پل کے لئے آزاد کر دیا تھا، وہ اس کے لئے گرما گرم کڑک سی چائے لائی تھی، نشرہ کی بند ہوتی آنکھیں چائے دیکھ کر کھل سی گئی تھیں، اس نے ممنونیت بھرے احساس سے مغلوب ہو کر شکریہ کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں، تم چائے پی کر آرام کر سکتی ہو اور سنو، پریشان نہیں ہونا، جب میں اور ہیام تمہارے ساتھ ہیں، اگر وہ تمہیں یہاں اپنے گھر لایا ہے تو تمہارا جائز مقام بھی تمہیں ملے گا، تھوڑے سے انتظار کی ضرورت ہے۔'' وہ محبت سے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر بولی تھی، اس انداز میں کہ پہلی مرتبہ نشرہ کے اندر کوئی امید کی کرن جاگی تھی۔

اس کا مطلب تھا، عشیہ کو ہیام نے سب کچھ بتا رکھا ہے، اس کے پل پل اندیشوں میں دھڑکتا دل کچھ پرسکون ہو گیا تھا، اس نے اثبات میں سر ہلا کر چائے کی پیالی پکڑ لی تھی۔

''یہ سب میرے لئے بھی بہت سرپرائزنگ تھا، میں بھی شاکڈ رہی، باقی لوگوں کا سوچوں کیا حشر ہو سکتا ہے۔'' عشیہ کے سمجھانے پر نشرہ کو اس نازک صورتحال کا مزید احساس ہو گیا تھا۔

''اب ایک دم تو مورے کو کچھ بتا نہیں سکتے، وہ بیمار ہیں اور ہیام کے لئے بہت پجی، یہ ان کے لئے ایک عظیم دھچکا ہوگا، بہر حال ایک ماں کے ارمان تو ہوتے ہیں۔'' عشیہ نے کس قدر خلیمی سے اس کے اندر لگی گرہوں کو کھول دیا تھا، نشرہ نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا، اب اسے احساس ہو رہا تھا، یہ اچانک شادی ہیام کے گھر والوں کے لئے بھی قطعی ناقابل قبول ہو سکتی تھی۔

نشرہ کو اس گھر میں سب سے اچھا کردار عشیہ کا لگا، وہ پیچھے ایک بہت اچھے کردار کو چھوڑ کر آئی تھی، وہ شخص جو ہمیشہ اس کے لئے ڈھال بنا رہا تھا اور اسے آگے بھی ایک بہت اچھا کردار ملا تھا، جو آنے والے دنوں میں ہمیشہ اس کے لئے ڈھال بنا رہتا۔

خدا ہر جگہ اس کے لئے کسی نہ کسی سپورٹ کا انتظام کر دیتا تھا، اس لحاظ سے وہ کتنی خوش قسمت تھی، دلت اپنی ناشکری پہ غصہ آ رہا تھا اور جانے نہ جانے کے دوران ہیام کے بنا اس کے دل میں

موجود گلے بھی جاتے رہے تھے، ہیام کو اپنی جگہ پہ رکھ کر سوچا تو وہ اسے حق بجانب نظر آیا تھا۔

☆☆☆

امام کا زندہ بچ جانا بلکہ دوسری دفعہ زندہ بچ جانا ایک معجزہ تھا۔

اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا، تاہم اس کی دونوں ٹانگوں پہ پلستر چڑھا تھا، وہ ایک لمبے عرصے کے لئے بیڈ پہ پہنچ چکا تھا اور یہ اس کے لئے کسی دھچکے سے کم نہیں تھا۔

دشمنی کی اندھی گولیوں نے اس کی دونوں ٹانگوں کا نشانہ لیا تھا، اس کی دونوں ٹانگیں فریکچر تھیں اور وہ ایک لمبے عرصے کے لئے بیرونی دنیا سے کٹنے والا تھا۔

پہلے پہل تو اسے شک گزرا تھا، کیا وہ معذور ہو چکا تھا؟ کیونکہ وہیل چیئر کو دیکھ کر اسے بے پناہ خوف آیا تھا۔

تب ہمان نے اسے تسلی دی تھی، اس کی دونوں ٹانگوں کے آپریشن ہوئے تھے سو وہ چلنے پھرنے سے ابھی قاصر تھا۔

اسے زندہ سلامت دیکھ کر اس سے وابستہ لوگوں کی اٹکی سانسیں بحال ہو چکی تھیں، خالہ، شانزے، کومے، ہمان وہ ان کی بے لوث محبتوں کا مقروض تھا، خالہ نے تو ہسپتال میں ہی اس سے وعدہ لے لیا تھا۔

''تم نوکری سے ہر صورت ریزائن کر رہے ہو۔''

وہ خالہ کو بتا ہی نہ سکا، وہ کبھی اپنی ٹانگوں پہ چلے گا تو نوکری کا سوچے گا، ابھی تو آٹھ دس مہینے ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا تھا وہ چلنے تو کیا اٹھنے کی بھی کوشش نہ کرے۔

ان دنوں امام پہ عجیب سی قنوطیت طاری تھی اور انہی مایوس کن لمحات میں اکثر جب اسے حمت کا خیال آتا تو اندر باہر روشنی سی پھوٹ پڑتی تھی۔

وہ اپنے ان بدلتے جذبات کو سمجھتا تھا، یہ محبت نہیں تو اور کیا چیز تھی؟ جس نے امام سے اتنا بڑا فیصلہ کروایا تھا، نیل برکی مدد کا فیصلہ، جس کی بدولت آج وہ اپنے کمرے کے بستر پہ پڑا تھا، ٹانگیں چھلنی کروا کے اور کیا حمت جانتی تھی کہ امام زندہ ہے یا نہیں؟ اس کا دل حمت کے لئے بے قرار ہو گیا تھا۔

وہ حمت جس کے نقوش کومے سے ملتے تھے، کومے جو امام کی بہن تھی، کتنا حیران کن تھا، یہ معاملہ؟ کیا دو اجنبی لوگوں میں اتنی مماثلت ہو سکتی ہے؟

وہ جتنا سوچتا، اتنا ہی الجھتا اور اسے کسی گہری الجھن میں مبتلا دیکھ کر پلوشہ سوپ کا باؤل لاتی کچھ چونک گئی تھیں، پھر وہ اس کے قریب آ گئیں۔

''کس سوچ میں ہے میرا چاند؟'' انہوں نے ملائمت سے پوچھا تھا، امام بے اختیار چونک گیا تھا اور پھر الجھی الجھی نظروں سے پلوشہ کو دیکھنے لگا، کومے ہو بہو پلوشہ کی کاپی تھی، امام یا ہمان سے اس کی فیچر نہیں ملتے تھے، اس کا مطلب تھا، حمت کی شکل اور نقوش ان دونوں سے حیرت انگیز حد تک مشابہت رکھتے تھے۔

اور امام نے جانے کس رو میں اپنی اس الجھن کا ذکر کر کے پلوشہ کو ایک ہزار والٹ کا کرنٹ

لگا دیا تھا۔
"کہاں دیکھی تم نے وہ لڑکی؟" پلوشہ حواس باختہ سی پوچھ رہی تھیں، امام ان کی اڑتی رنگت پہ حیران ہوتا بولا۔
"وہاں بیال میں۔" امام کے اگلے الفاظ نے پلوشہ کے جسم کا جیسے سارا خون نچوڑ ڈالا تھا۔
"بیال میں، کک...... کس جگہ؟" وہ کپکپاتی آواز میں پوچھ رہی تھیں، امام ان کی حالت پہ قدرے پریشان ہو گیا تھا۔
"ایک سرکاری ہسپتال میں۔" کچھ باتیں اس نے جان بوجھ کر سنسر کر دی تھیں، پلوشہ چکراتے سر کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئیں۔
"اس کا بھلا سرکاری ہسپتال میں کیا کام؟ ایسے برے حالات تو نہیں ان نوابوں کے۔" وہ تلخی سے سوچتے ہوئے سر جھٹک کر رہ گئیں۔
"ایسے ہی تمہیں خیال گزرا ہوگا، ویسے بھی دنیا میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کا چہرہ دوسرے سے مماثلت رکھتا ہے۔" اب وہ قدرے بدلے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔
"پر اتنی مماثلت؟" امام بولتے بولتے ٹھٹک گیا تھا، وہ پلوشہ کو نام بتانے کا ارادہ بدل کر سوپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔
اسے حمت کا ذکر یہاں کرنا چاہیے تھا؟ اپنی پسندیدگی؟ محبت اور پھر نیل بر کی مدد کے بعد ملنے والا یہ انعام؟ وہ بتائے یا نہ بتائے؟
فیصلہ ہو چکا تھا، اس نے پلوشہ سے سب کچھ چھپا لیا تھا، اگر کچھ نہ کچھ بتا دیتا تو پلوشہ اسے قیامت تک بھی حمت کا نام نہ لینے دیتیں۔
کچھ ایسی ہی ان کو ان ناموں اور اس بستی کے مکینوں سے نفرت تھی، جس کا نہ کوئی شمار تھا نہ کوئی حد تھی۔

☆☆☆

نیل بر اس بڑی حویلی میں اکیلے رہ رہ کے اکتا سی گئی تھی، وہ ایک پارہ صفت لڑکی تھی، جسے ایک جلاد نے قید کر کے رکھ دیا تھا۔
حویلی میں کرنے کو بہت کام تھے مگر نیل بر کو کرنے آتے تب نا۔
کچھ دن فردوسی بابا کی پوتی صفائی دھلائی کا کام کرتی رہی، نیل بر اور جہاندار کے کپڑے دھل دھلا جاتے تھے، وہ لڑکی کھانا بھی بنا جاتی تھی، فردوسی بابا باہر کا کام کر دیتے۔
پھر یوں ہوا کہ غریبی بیمار پڑ گئی، غریبی کے بیمار پڑتے ہی پوری حویلی کا نظام چوپٹ ہو گیا تھا، نیل بر کو اس صبح بڑی شدت سے اپنی فراغت کا خیال گزرا۔
وہ فارغ رہ رہ کر اکتا چکی تھی، اسے امید نہیں تھی، اس کی مصروفیت کا اتنا مضبوط انتظام بس چند گھنٹوں میں ہونے والا تھا۔
اگر اسے خبر ہوتی تو وہ ڈرتے ڈرتے بھی جہاندار سے باہر گھومنے کی اجازت نہ لیتی۔
جب اس نے رات کو جہاندار کی واپسی کے بعد اپنی فراغت کا ذکر کیا تو اس نے کہا جانے

والی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔
''مجھے لگتا ہے تمہیں اپنی خیریت مطلوب نہیں، جان بوجھ کر آگ میں ہاتھ ڈالنا چاہتی ہو، سنو نیل بر! مجھے بار بار مجبور مت کرو کہ میں تمہاری اوقات یاد دلاتا پھروں، پرانے نخرے بھول کر اس گھر میں میری مرضی کے مطابق زندگی کے دن گزارو، جب تک میں چاہوں۔'' وہ نخوت سے دیکھتا ہوا نیل بر کو پل دو پل میں دو کوڑی کا کر کے رکھ گیا تھا۔
''پرانے شاہانہ انداز بھول جاؤ، اب تم سردار بٹو کی بیٹی نہیں، جہاندار فرید ے کی بیوی ہو، سنا تم نے۔'' اس کا غیض بھرا لہجہ نیل بر کو جھاگ کی طرح بیٹھا گیا تھا۔
اس عزت افزائی کے بعد بھلا کس کی مجال تھی جو فراغت کا رونا ڈالتا؟ ویسے بھی جہاندار کو دو پل میں اسے ذلیل کرنا آتا تھا اور اب تک نیل بر کو ذلت پروف ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ اپنی شاہی فطرت کا بھلا کیا کرتی؟
حالانکہ اس کی حیثیت اب کسی معزول شہزادی کی سی تھی، جس کا تحت و تاج سب چھن چکا تھا اور وہ کسی فاتح کی ملکیت میں مال غنیمت کی سی حیثیت رکھتی تھی، اس کے باوجود اس کا شاہی نخرہ بھی کبھی انگڑائی لے کر جاگ جاتا۔
جیسے کہ رات کو جب جہاندار نے نیل بر سے سر دبانے کے لئے کہا تو وہ بدک کر چار قدم دور ہٹ گئی تھی۔
''یعنی نیل بر کبیر اب یہ کام بھی کرے گی؟''
اسے تو چکر سا آ گیا تھا، لیکن اصل چکر اسے اپنے انکار پہ آیا تھا، جب جہاندار نے تکیہ اٹھا کر اسے دے مارا۔
''ایک ہی دفع میں بات تمہاری عقل میں نہیں سماتی، میں تمہیں بار بار ہرگز نہیں بتاؤں گا مجھے انکار کا مطلب بہت بھیانک ہے۔''
''اچھا...... کیا کر لو گے تم، نہیں دباتی، میں تمہاری نوکرانی نہیں ہوں۔'' نیل بر نے تنک کر جواب دیا تھا، وہ لمحہ بھر کے لئے اپنی اور جہاندار کی حیثیت کو بھول گئی تھی، جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا تھا، جہاندار کا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا تھا، وہ لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔
آج اس کی طبیعت بھی خراب تھی، اسی لئے سر میں درد ہو رہا تھا، اوپر سے نیل بر کی بکواس نے سر درد کو دو چند کر دیا تھا۔
''اپنے الفاظ دوبارہ دوہرا سکتی ہو؟'' جہاندار کا لہجہ بلا کا تپا ہوا تھا، نیل بر نے نخوت سے سر جھٹکا۔
''دہرا سکتی ہوں، مگر دہراؤں گی نہیں، مجھے بھی اپنی بات دو دفع کہنے کی عادت نہیں۔'' اس نے جہاندار کے الفاظ اسی کو لوٹا دیئے تھے، جہاندار اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کے جارحانہ تیور دیکھتے ہی نیل بر کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور پھر ساری طراری بھول گئی تھی۔
جہاندار کو اپنی طرف آتا دیکھ کر نیل بر بوکھلا گئی تھی، اب وہ کیا کرے گا؟ دو تین تھپڑ تو ضرور مارے گا؟ نیل بر گھبرانے لگی، جہاندار اس کے قریب آ کر رک گیا تھا، نیل بر سے پیچھے ہٹنا بھی محال

ہوا۔

اس کی تو وہ حالت تھی، آ بیل مجھے مار۔

اور اب تیر کمان سے نکل چکا تھا، سو کرتی کیا؟ اپنے الفاظ کی زیادتی کا احساس ہوا تو رونگھٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

کیا ضرورت تھی جہاندار سے منہ ماری کرنے کی؟

اس کے اندر خانزادیوں والی خو بو جاتی ہی نہیں تھی۔

''اس بدتمیزی پہ میں تمہیں سزا دے سکتا ہوں، ایک آدھ تھپڑ تو معمولی بات ہے۔'' کچھ ہی دیر بعد جہاندار اس کے قریب کھڑا پھنکار رہا تھا اور نیل بر کے حواس اڑا رہا تھا۔

''لیکن کیا ہے کہ میں تمہیں تھپڑ نہیں ماروں گا، یہ میری شان کے خلاف ہے، میرے پاس تمہارے لئے اس سے بہتر سزا موجود ہے، ذرا میری قربت کا عتاب جھیلو تو پتا چلے، اپنے شوہر سے اس لہجے میں بات نہیں کرتے اور بیوی وہ شوہر کی رانی ہوتی ہے جو اس کی من چاہی ہو، ان چاہی بیوی شوہر کے لئے رانی نہیں نوکرانی ہی ہوتی ہے۔'' جہاندار نے لفظوں کے بم گراتے ہوئے اس کی کلائی مروڑی اور پلنگ کی طرف دھکا دیا تھا، وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح پلنگ کے بیچ میں گر پڑی تھی۔

''آئندہ مجھ سے بات کرتے ہوئے محتاط رہنا، ورنہ پھر جانتی ہو نا مجھے۔'' وہ معنی خیزی سے مسکراتا ہوا نیل بر کو اپنے حواسوں پہ چھاتا محسوس ہوا تھا، اس حال میں کہ اس کی مذاحمت کرنے کی ہمت بھی نچڑ گئی تھی۔

''میں سر دباتی ہوں۔'' اس نے گھٹی گھٹی آواز میں التجاء کی تھی اور خود کو بمشکل اس کے شکنجے سے آزاد کروانے کی ناکام کوشش کی تھی، جہاندار اس ادا پہ سرشار سا ہو گیا تھا۔

''آں...... ہاں...... اب اس کی ضرورت نہیں۔'' اس کا لہجہ خمار آلود تھا۔

''پلیز جہاندار!'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی تھی، جہاندار کی گستاخیوں پہ نیل بر کی آواز خود بخود دب گئی تھی اور اس کے ہونٹ، گال چہرہ کسی دہکتے انگارے کی طرح گرم تھے اور ان پہ جہاندار کی سختیوں کے نشان ثبت ہوئے تھے، وہ جیسے سراپا بے بس ہو چکی تھی۔

جہاندار نے اس پہ اپنی گرفت کو سخت کیا اور ہاتھ بڑھا کر بتی گل کر دی تھی، نیل بر کو ایک مرتبہ پھر اپنی بے بسی پہ رونا آ گیا تھا، ہمیشہ ایسے ہی تو ہوتا تھا، جہاندار اپنا حق وصول کرتا اور اجنبی ہو جاتا، رات کے کسی پہر عموماً اسے نیل بر پہ پیار آ ہی جاتا تھا اور نیل بر اس کے پیار کی اس شدت پہ بندھ باندھنے سے قاصر تھی۔

☆☆☆

پری گل نے ایک مرتبہ پھر اپنا وعدہ نبھا دیا تھا۔

وہ ننھا سا یزدحمت کی ہتھیلی پہ دھرا تھا اور اس کا دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا، وہ اس وقت بالکونی میں کھڑی تھی، بالکونی سے بیرونی منظر واضح دکھائی دیتا تھا، اس وقت صندیر خان کی جیپ دکھائی نہیں دے رہی تھی اور جہاندار تو تھا ہی نہیں جس کی مخبری کا ڈر رہتا، یا اس کی آس پاس

موجودگی کا خطرہ محسوس ہوتا۔

بی جاناں کہیں تعزیت کے لئے گئی تھیں اور زبردستی سجا خانہ کو ساتھ لے گئی تھیں، اس وقت حمت اور پری گل کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تھا، بابا تو گوشہ نشین تھے، اس طرف کم ہی آتے، اسے قدرت نے بڑا ہی اچھا موقع فراہم کیا تھا، وہ اسے گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے موبائل فون کی اسکرین روشن کی تو تبھی پری گل پیچھے سے بھاگتی ہوئی آ گئی تھی، حمت کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''تم نے تو ڈرا کر رکھ دیا پری گل۔''

''بات کچھ ایسی ہے، تم فون کو...... ادھر رکھ کے جاؤ بی بی، شاہوار خان تم کو بلا رہا ہے۔'' پری گل کے اگلے الفاظ نے حمت کو ہراساں کر دیا تھا، وہ تیزی سے موبائل اس پکڑاتی دوپٹہ سیدھا کرنے لگی۔

''لالا کب آئے؟ مجھے تو پتا ہی نہ چلا۔'' وہ سرپہ مارتی تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی تھی، جانے وہ اپنے خیالوں میں کہاں تک کھوئی تھی، اسے شاہوار خان کی آمد کا احساس تک نہ ہوا تھا، اب دل میں ہزار خدشات لے کر نیچے آئی تو لالا خاصے خوشگوار موڈ میں نظر آ رہے تھے، حمت کی جان میں جان آئی۔

''کیسی ہو حمت؟'' شاہوار نے مسکرا کر اس کی خیریت پوچھی تو حمت کو چکر سا آ گیا۔

''ٹھیک ہوں لالا۔'' اس نے مودب انداز میں جواب دیا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے آج کل؟'' وہ نرمی سے بولا تو حمت کو غش آنے لگے تھے، اس درجہ توجہ کا اسے گمان ہی نہیں تھا، اس گھر میں حمت کا وجود جو حیثیت رکھتا تھا، اس بات سے کوئی بھی ناواقف نہیں تھا، پھر صندیر لالا اور شاہوار لالا بھی اس سے لاتعلق ہی رہتے تھے، اب اگر اس نے سالوں بعد حمت کی خیریت پوچھی ہی تھی تو وہ کیسے حیران نہ ہوتی۔

''کچھ خاص نہیں۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

''بور نہیں ہوتی تم، گھر میں فارغ رہ رہ کے، کوئی نہ کوئی ایکٹویٹی تو ہونی چاہیے۔'' شاہوار نے آج اسے پے در پے جھٹکے لگانے کا سوچ رکھا تھا، حمت کی آنکھیں کھل گئیں۔

''جی۔'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی تھی۔

''پہلے ایسا نہیں تھا، نیل بر ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی، اس کے ساتھ مصروفیت میں پتا نہیں چلتا تھا، وقت کیسے گزر گیا۔'' وہ روانی میں بولتی بولتی ایک دم اٹک سی گئی تھی، نیل بر کا ذکر وہ کہاں کر رہی تھی؟ شاہوار لالا کے سامنے، حمت کا دم رک سا گیا، جانے لالا اب کیا کہیں؟ لیکن شاہوار نے اسے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

''نیل بر کو ایڈونچرز کا شوق تھا، تبھی اپنی زندگی کے ساتھ بڑا ایڈونچر کر گئی تھی۔'' شاہوار کے تبصرے نے اسے حیران کر دیا تھا۔

''اتنا حیران کیوں ہوتی ہو؟'' وہ اس کی آنکھوں میں پھیلی حیرانگی کو پڑھ کر مسکرا دیا تھا۔

''آپ کو نیل بر کے نام پہ غصہ نہیں آیا، ایسے لئے صندیر لالا ہوتے تو میری گردن ہی اڑا

دیتے۔'' شاہوار کے لہجے کی نرمی محسوس کر کے حمت کی ہمت بندھی تو اس نے کہہ ہی دیا تھا۔
''نیل بر کے نام پہ غصہ کیوں آئے گا مجھے؟ اس نے جو بویا وہ کاٹ لیا، جب آپ ایک غلط قدم اٹھاتے ہیں تو اس کی سزا بھی کاٹنی پڑتی ہے۔'' شاہوار کا انداز نرم ہی تھا اور اس کے چہرے پہ ناگواری بھی نہیں تھی۔
''وہ غلط نہیں تھی، بس اسے صندیر لالا کے فیصلوں پہ سر جھکانا نہیں آتا تھا۔'' حمت نے ہمیشہ کی طرح اس کی سائیڈ لی تھی۔
''ہوں۔'' شاہوار نے ہنکارا بھرا اور بات بدلتے ہوئے بولا۔
''تم شام کو کیا کر رہی ہو؟''
''کچھ نہیں۔'' وہ حیران ہوئی اور شاہوار کی تقلید میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی، شاہوار نے جیپ کی چابیاں اٹھائیں اور بولا۔
''اچھا پھر، رات کو تیار رہنا، مطلب مغرب کے بعد، میں تمہیں کسی سے ملواؤں گا۔'' جانے سے پہلے اس نے تاکید کی تھی اور پھر بی جانان کا پوچھے بغیر چلا گیا اور حمت حیران پریشان بت بنی اسے جاتا دیکھتی رہی تھی، معاً پری گل نے اسے چونکا دیا تھا۔
''خان چلا گیا، اب تم فون پہ بات کر لو بی بی، امام باہر کمزور دیکھتا ہے۔'' پری گل کے احساس دلانے پر حمت پھر بالکونی کی طرف بھاگی تھی، پری گل نے فون بھی واپس کرنا تھا، سو حمت کو جلدی ہی بات کے لئے خود کو تیار کرنا پڑا تھا۔
بہت سے وسوسوں کے سر کنڈوں کو دباتے ہوئے اس نے جیسے ہی نمبر ملایا تو دوسری طرف جاتی بیل نے اسے حوصلہ دیا تھا، امام نے نمبر بند نہیں کیا تھا، حمت کو جی بھر کے تسلی ہوئی تھی پھر جب امام نے کال ریسیو کی تو حمت کی ساری ہمت جواب دے گئی تھی، اب سمجھ نہیں آ رہا تھا، بات کرے تو کیسے کرے؟
دوسری طرف امام ہیلو ہیلو کرتا شاید بیزار ہو کر فون رکھ ہی دیتا جب اچانک اس کے ذہن میں کچھ کلک ہوا تھا اور پھر اس کے دل کی بدلتی دھڑکنوں نے بھی اسے چوکنا کر دیا، وہ دوسری طرف کی خاموشی سے ہی سمجھ گیا تھا کہ فون کے اس پار کون ہے؟
امام نے گہرا سانس بھرا اور کال ڈراپ کر کے خود کال کی تھی، حمت نے کال ریسیو کی تو امام نرم مگر خفا خفا آواز میں بولا۔
''اگر فون کرنے کی ہمت کر ہی لی ہے تو خیریت بھی پوچھ لو، ویسے تمہاری تسلی کے لئے بتا دیتا ہوں، ابھی تک مرا نہیں ہوں، البتہ بستر پہ معذوروں کی طرح پڑا ہوں۔'' امام کے بتانے پر حمت کے دل کو دھکا سا لگا تھا، موبائل اس کے ہاتھ میں لرز سا گیا تھا۔
''کیسے ہیں اب؟'' اس نے بھیگی آواز میں پوچھا تھا۔
''تم نے پوچھ لیا ہے تو ٹھیک ہوں اور تمہاری آواز سن کر مزید ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' وہ زیادہ دیر تک لہجے کو اجنبی نہ بنا سکا تھا، حمت کی آواز سن کر اس کا دل موم کی طرح نرم ہو گیا تھا، وہ حمت کے لئے خود کو اتنا ہی نرم پاتا تھا۔

''میری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف سے گزرنا پڑا، اس کے لئے۔'' حمت بھیگی آواز پہ بمشکل قابو پا کر بول رہی تھی، تبھی امام نے اسے ٹوک دیا تھا۔

''اب معذرت کرنے کی کوشش کر کے مجھے تکلیف سے دوچار نہ کرو، یہ زخم میرے نصیب کے تھے، سو مجھے مل گئے، یہ بتاؤ نیل بر کیسی ہے؟'' امام نے ملائمت سے گفتگو کا رخ موڑا تو وہ اس کی اعلیٰ ظرفی پہ مزید اس کی گرویدہ ہو گئی تھی۔

''اسے کس حال میں ہونا چاہیے، اس کی شادی کر دی گئی ہے۔'' حمت نے گہرا سانس بھرا اور بتا دیا، دوسری طرف امام چونک گیا تھا۔

''نیل بر کی شادی؟ صندیر خان نے اس کی شادی کر دی، اوف کس کے ساتھ؟'' امام کو لگا اس کے سر پہ پہاڑ آ گرا ہے، اس کی ساری تپسیا بیکار گئی تھی اور نیل بر کی بدنصیبی وہ پکڑی گئی تھی۔

''جہاندار کے ساتھ۔'' حمت کے اگلے الفاظ نے امام کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا۔

''وہی جہاندار جو خاصا پراسرار بندہ تھا؟''

''جی ہاں، لیکن وہ خنک خان اور اس کے بیٹوں سے بہتر ہے۔'' حمت نے مزید تفصیل بتائی تو امام نے سمجھ کر ہنکارا بھرا تھا۔

''میں حیران ہوں کہ صندیر خان، جہاندار کے لئے مان کیسے گیا؟'' امام سے اتنی بڑی حقیقت ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

''لالا نے اسے راہ سے ہٹانا تھا، وہ کوئی بھی ہوتا، لالا اسے اس گھر سے نکالنا چاہتے تھے، سو انہوں نے نکال دیا۔'' حمت نے نم آواز میں بتایا تھا۔

''ظاہری بات ہے، سردار بنو کی اکلوتی بیٹی کو بے دخل کر کے وہ پوری اسٹیٹ پہ قابض ہو سکتا تھا، اس نے اچھا جوا کھیلا ہے۔'' امام صندیر خان کی شاطرانہ پلاننگ کو سراہے بنا نہ رہ سکا تھا۔

وہ صندیر خان کو بہت اچھی طرح سے جانتا تھا، اسے ناجائز جائیدادیں بنانے کا گر پتا تھا، ہر سرکاری نیم سرکاری اراضی پہ اپنے چچا کی طرح قابض ہونا چاہتا تھا، اب بھی اس نے بڑی گیم کھیلی تھی اور اپنے چچا کو ہی پچھاڑ ڈالا تھا۔

''مجھے حیرت ہے تم ان لوگوں کے درمیان رہتی ہو اور ان سے کتنی مختلف ہو۔'' امام کی آواز اسے سوچوں کے کنویں سے نکال لائی تھی۔

''تو پھر کہاں جاؤں، میرا اور ہے ہی کون؟'' حمت کی یاسیت بھری آواز نے امام کو بے چین کر دیا تھا۔

''تمہارے والدین؟''

''وہ وفات پا چکے ہیں۔'' حمت کی آواز بھیگنے لگی، امام کو شدید افسوس ہوا تھا۔

''اچھا، تم غم نہ کرو، میں بہت جلد تمہیں وہاں سے نکال لاؤں گا۔'' امام کے اگلے الفاظ نے اسے سرتاپا ششدر کر دیا تھا، حمت کے ہاتھ میں موجود موبائل کپکپا گیا تھا، یہ چار لفظ نہیں تھے، یہ ایک وعدہ تھا جو ایک دیئے کی طرح روشن تھا اور جسے امام نے حمت کے ہاتھ میں تھما دیا تھا، حمت کی بھیگی آنکھیں اس دیئے کی لو سے روشن ہو رہی تھیں۔

''میں اس نمبر سے تم پہ رابطہ کر سکتا ہوں؟'' کچھ دیر بعد وہ پوچھ رہا تھا، حمت نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں، یہ میرا نمبر نہیں ہے۔''

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں، یہ نمبر تمہارا نہیں۔'' امام کا انداز پرسوچ تھا۔

''کیا تم یہ موبائل خرید نہیں سکتی، اسے پیسے دے کر۔'' امام کی تجویز پہ حمت کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''ہاں یہ ایسا ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر دیر مت کرو، لیکن احتیاط سے۔'' امام کا انداز سمجھانے والا تھا۔

''ٹھیک ہے لیکن پلیز آپ اپنا خیال رکھیئے گا۔'' حمت نے سو جان سے کہا تھا۔

''آں، ہاں میں خود کا خیال رکھوں گا، تمہاری خاطر۔'' وہ مسکرا دیا اور فون بند ہو گیا، حمت کے اندر باہر بیال کے بیلے کنارے پھولوں کے ان گنت باغات اگ آئے تھے، اسے اپنے چہار سو خوشبو ہی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

یہ خشک روکھے اور بے جان سے دن تھے۔

کومے کا ان دنوں کالج اور گھر کہیں دل نہ لگتا تھا، نہ وہ شانزے کی طرف جا رہی تھی، نہ شانزے ان کی طرف آ رہی تھی، شانزے کی اپنی کالج کی مصروفیات تھیں، اسے وقت ہی نہ ملتا تھا اور کومے سارا دن بولائی بولائی پھرتی تھی۔

من میں عجیب ہی آگ لگی تھی، یوں لگتا جیسے کچھ ہو کر رہے گا۔

ان دنوں ہمان بھی کسی آفیشلی لانگ کورس پہ ملک سے باہر چلا گیا تھا، تو گھر میں مزید ویرانی اتر آئی تھی، امام سارا دن اپنے روم میں رہتا، یا بھی ڈاکٹرز کے ہاں آنا جانا لگا رہتا۔

پلوشہ ان دنوں مہمانوں میں بزی تھیں جو امام کی عیادت کے لئے آ رہے تھے ورنہ وہ کومے کی بدلتی کیفیت پہ ضرور چونک جاتیں۔

کومے اس وقت لان میں جھولے پہ بیٹھی تھی جب اس کے سیل فون کی بپ بجی، دوسری طرف کون تھا؟ کومے کا دل دھک سے رہ گیا۔

اس نے سختی سے آنکھیں میچ لی تھیں اور موبائل گود میں گرا دیا تھا۔

وہ صندیر خان سے مزید کوئی رابطہ رکھنا نہیں چاہتی تھی، اس کے باوجود وہ اسے روزانہ میسج کرتا تھا، وہ کومے سے ملنا چاہتا تھا مگر کومے اس سے احتیاط برت رہی تھی، گو کہ یہ مشکل تھا، مگر وہ اپنے بھائی کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

یہ بے کلی تب سے اسے لاحق تھی، محبت سے آنکھیں چرانا بہت مشکل ہوتا ہے اور وہ ابھی اتنی سمجھدار نہیں تھی، جو خود کو سنبھال لیتی، اسی لئے اندر ہی اندر ٹوٹ رہی تھی، لیکن خود سے کیے عہد کی پاسداری کرنے میں وہ بڑی ہمت سے کام لے رہی تھی۔

صندیر خان کی ان گنت فون کالز اور میسجز کے بدلے میں اس کی بھرپور خاموشی یقیناً اسے بھی

مشکوک کر سکتی تھی، کیا خبر غصہ ہی دلا دیتی، لیکن یہاں نتائج کی پرواہ کسے تھی، وہ چھوٹی سی لڑکی اپنے حقیقی رشتوں کی خاطر اپنے روپہلے جذبوں کا قتل عام کرنے پہ تیار تھی اور اس کوشش میں بری طرح سے نڈھال تھی۔

فون کی بپ ابھی بھی بج رہی تھی لیکن کومے نے موبائل سائلنٹ موڈ پہ لگا کر اپنے کان اور آنکھیں بند کر لی تھیں، معاً پلوشہ نے اندرونی حصے سے اسے آواز دی تھی۔

''کرن کا فون ہے، جلدی سے آؤ، موبائل کہاں رکھا ہے؟ وہ فون کر کر کے تھک چکی ہے۔'' پلوشہ نے اسے دیکھ کر خفگی سے کہا تو کومے خفیف نظروں سے موبائل کو دیکھتی فون تک آ گئی تھی۔

کرن اسے کسی ٹرپ کے بارے میں اطلاع دے رہی تھی، کومے بے دھیانی سے سنتی رہی، یہ کوئی تفریحی ٹرپ نہیں بلکہ معلوماتی ٹرپ تھا، کومے کو اپنی بیزاری کو ایک طرف رکھنا ہی پڑا تھا۔

ٹرپ کی نوعیت معلوم کرنے کے بعد کومے نے فون رکھ دیا تھا اور اسے پلوشہ کو پھر تفصیل بتانی پڑی کیونکہ وہ اس کی پریشان صورت دیکھ کر خود بھی پریشان ہو رہی تھیں۔

''تو مسئلہ کیا ہے؟ تم بھی چلی جانا۔''

''میرا موڈ نہیں تھا۔'' وہ قطعی طور پہ بیزاری سے بولی تھی۔

''موڈ کا اس سے کیا تعلق؟ جانا تو ہوگا۔'' پلوشہ نے سمجھایا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی تھی، کیونکہ نہ جانے کی صورت میں اس کی پرسنٹیج پہ اثر آ سکتا تھا، وہ لوگ ایک معلوماتی اسائنمنٹ پہ کام کرنے کے لئے ناردرن ایریاز جا رہے تھے۔

''کتنے دن کا ٹرپ ہے؟'' پلوشہ اخبار تہہ کرتی پوچھ رہی تھیں۔

''تین دن کا۔'' کومے کا سابقہ انداز تھا، بیزار سا۔

''امام کو بتا دو، وہ انتظام کروا دے گا، بھائی سے پیسے بھی لے لو۔'' پلوشہ نے اخبار اٹھائے اور بھائی کو میڈیسن دینے کے لئے اٹھ گئی تھیں، جاتے جاتے انہوں نے کومے سے کہا تھا، کومے جو گہری سوچ میں گم تھی، بس سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

شام کو وہ اپنی بے کلی کا بار اٹھائے شانزے کے پاس پہنچ گئی تھی، شانزے نے اس کی پوری بات سنی اور خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''میرے خیال میں یہ ٹرپ تمہارے لئے ناگزیر ہو چکا ہے، تم حد سے زیادہ قنوطی ہو رہی ہو۔''

''پتا نہیں کیوں میرا کچھ بھی کرنے کو دل نہیں کرتا۔'' کومے نے اپنی بے بسی کی وجہ بتا دی تھی۔

''تمہارے دل کا علاج کروانا پڑے گا۔'' شانزے نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

''یہ مرض لاعلاج ہے۔'' اس نے جیسے آہ بھری تھی۔

''ہمیں ہر علاج کی مسیحائی آتی ہے۔'' شانزے کا انداز شاہانہ تھا، کومے پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھی، اس کی مسکراہٹ میں ٹوٹے خوابوں کے کانچ چبھن ضرور دیتے تھے۔

''جب دل کے معاملے کو خدا کے سپرد کرو گی تو دیکھنا سارے مرض جاتے رہیں گے۔'' کچھ

دیر بعد شانزے بڑے ہی رسان سے سمجھا رہی تھی، کومے کی رنگت زرد پڑنے لگی، ہونٹ کانپنے لگے، وہ ضبط کے جیسے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔

''کیا تم اس مرض سے بے نیاز ہو چکی ہو شانزے! جسے محبت کہتے ہیں۔'' کچھ دیر بعد وہ بڑی یاسیت سے پوچھ رہی تھی، شانزے کو اس سوال کی توقع نہیں تھی، وہ گہرا سانس بھر کے خاموش سی ہو گئی۔

''تم نے بتایا نہیں۔'' کومے نے اصرار کیا تھا، شانزے نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔

''خاموش کیوں ہو، بتاؤ نا۔'' کومے بضد ہوئی۔

''کیا بتاؤں؟ جب بتانے کو کچھ ہے نہیں۔'' شانزے کے ٹھنڈے لہجے میں برف سی برف تھی، جیسے وہ دھیرے دھیرے بے حس ہو رہی تھی، کومے نے آہستگی سے اسے یاد دلایا تھا۔

''وہ جو محبت......''

''وہ تو تب ہی کھو گئی تھی جب امام نے دیامر کی طرف سفر کیا تھا، کیا تمہیں لگتا نہیں؟ امام اپنی آنکھیں دیامر چھوڑ آیا ہے، ان آنکھوں میں شانزے مہروز کے لئے ایک جذبے کی بوند تک نہیں۔'' شانزے کے اگلے الفاظ نے اسے ٹھٹھرا کر رکھ دیا تھا۔

''تمہارا بھائی دیامر میں خود کو کھو آیا ہے کومے، اب میں کس محبت کو اس کی آنکھوں میں تلاش کروں؟'' شانزے کی نمناک آواز نے کومے کو سرتا پا آنسو بنا دیا تھا، وہ دونوں رونے لگیں تو چھاجوں چھاج مینہ برسنے لگا، باہر بھی ایک بارش تھی، اندر بھی ایک بارش تھی، ہر طرف آنسو ہی آنسو تھے، پانی ہی پانی تھا۔

آج شاید کھوئی ہوئی محبت کا سوگ منایا جا رہا تھا۔

وہ محبت جسے شانزے سے دور نہیں کیا گیا تھا پھر بھی نجانے کن گمنام رستوں کی بھول بھلیوں میں کھو گئی تھی۔

وہ محبت جسے کومے سے بھی دور نہیں کیا گیا تھا، لیکن کومے نے خود اس رد پہلی محبت کو اپنے حقیقی رشتوں پہ قربان کر دیا تھا۔

جانے اس نے اچھا کیا تھا یا نہیں؟

زندگی میں آگے کہیں سکھ تھا یا نہیں؟

لیکن وہ اپنی گم شدہ محبت کو کھو کر کسی پچھتاوے کا شکار نہیں تھی، دل کے چین کے لئے بس یہی احساس کافی تھا۔

☆☆☆

انہوں نے برتنوں کے انبار سے نگاہ چرا کر ایک مرتبہ پھر کیلنڈر پہ نگاہ ڈالی تھی، انہیں اندازہ نہیں تھا وہ یہ کام پچھلے بارہ دن سے کر رہی تھیں اور ایک ایک دن جیسے انگلی کی پور پہ کسی تاریخ کی طرح درج تھا۔

''تو آج بارہواں دن ہے۔''

انہوں نے یاسیت سے سوچا، باسی توس نگلتے ہوئے کڑوی چائے کا سپ لیا تھا۔

''اسامہ نے بڑی جلد بازی کا مظاہرہ کر دیا۔'' تائی کی خود کلامی نے بخت پہ اوندھے منہ لوٹنیاں لگاتے نوی کو چونکا دیا تھا، اس کے دونوں کان فوراً کھڑے ہو گئے تھے۔
''اسامہ کون سی جلد بازی کا مظاہرہ کر دیا؟'' وہ چوکنا ہو کر ماں کو دیکھنے لگا تھا، وہ سوکھے توس کو بدمزہ چائے میں ڈپ کرتی سابقہ لہجے میں بولیں۔
''نشرہ کو رخصت کرنے میں۔''
''کیوں؟'' نوی نے آنکھیں پھیلائیں اور گردن اچکا کر سوپ میں جھانکا، کالی سیاہ چائے دیکھ کر ابکائی سی آ گئی تھی، کہاں نشرہ کے ہاتھ کی بھاپ اڑاتی خوشبودار چائے اور کہاں یہ سیال مادہ۔
''کم از کم کچھ وقت تو لیتا، یہی ہیام اپنے ماں باپ کو یہاں لاتا، کچھ ان کی رضامندی شامل ہوتی۔'' تائی نے آنکھیں بند کر کے چائے کا گھونٹ بالآخر بھرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا، اپنی بنائی چائے بھی حلق سے اتارنی مشکل تھی۔
''تب تو دس سال گزر جاتے، پھر آپ خوش تھیں۔''
''اب ایسی بھی بات نہیں تھی۔'' انہوں نے خفگی سے کہا۔
''تو آپ اس جلد بازی کے حق میں نہیں تھیں؟'' نوی نے لمبی سی جمائی لی تھی۔
''نہیں۔''
''وجہ؟'' اس نے وکیلوں کی طرح جرح کی تھی۔
''بتایا تو ہے، ہیام کے گھر والے۔'' تائی نے توس ختم کرنے کے بعد کسل کے جواب دیا تھا، نوی کی جرح ان کا موڈ خراب کرنے کے لئے کافی تھی۔
''ہرگز نہیں۔'' نوی نے لمبا سا ہنکارا ابھرا تھا۔
''میں اس وجہ کو نہیں مانتا۔'' اس نے شدت سے سر نفی میں ہلایا تھا، تائی نے ہونقوں کی طرح بیٹے کا منہ دیکھا تھا۔
''آپ کی یہ خواہش ہو گی، نشرہ چند مہینے یا سال یہیں ہمارے پاس رہتی، تاکہ مفت کی ملازمہ سے ہاتھ نہ دھونے پڑتے، اب دیکھیں نا، جب سے نشرہ کی شادی ہوئی تب سے ہمارے ہاں فاقے چل رہے ہیں، نہ ناشتہ ملتا ہے نہ کھانا، گھر کی حالت تو سامنے ہے، گرد، مٹی، بے ترتیبی، جگہ جگہ پھیلاوا، نشرہ یہاں رہتی تو فائدے ہی فائدے تھے۔'' نوی اس طرح سے ان کے اندر اتر جائے گا، انہیں گمان تک نہیں تھا، وہ جیسے آئیں بائیں کرنے لگی تھیں۔
''بے شرم نہ ہو تو۔'' انہوں نے بیٹے کو بری طرح سے گھرکا تھا۔
''کیا غلط سوچا تھا میں نے، نشرہ یہیں رہتی، ہیام بھی یہیں تھا، اپنے ماں باپ کی خدمت کرتی، ثواب کماتی۔'' وہ جلے کٹے لہجے میں بولی تھیں، نوی بری طرح سے ہنسنے لگا تھا، تائی کا موڈ آف ہو گیا۔
''میں بھی سوچ رہا تھا، والدہ حضور کو نشرہ سے اتنی محبت کیسے ہو گئی؟'' وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہونے لگا تھا، تائی کی تیوری چڑھ گئی تھی۔

"میری محبت پہ ہی شک کرتے رہنا، اس کی پھپھو کا نہیں پتا، جس نے اپنے خون کا بھی احساس تک نہیں، لانچ میں آ کر سگی بھتیجی کو ذلیل کر دیا، بارات واپس لے گئی۔" تائی کا تو خون کھول اٹھا تھا، نومی نے کان دبا لئے، تائی کو چھیڑنے کی غلطی خاصی بھاری تھی، وہ تو شکر کہ اوپر سے اسامہ نمودار ہوا اور اس کی گلو خلاصی ہوئی، اسامہ نے آتے ہی ناشتہ مانگا تھا اور تائی کے حواس اڑنے لگے، نومی کے پیٹ میں ایک مرتبہ پھر بل پڑ رہے تھے اور وہ ہنس ہنس کر دہرا ہو رہا تھا۔

"تم کھا سکتے ہو اسامہ بھائی، بہت کچھ کھا سکتے ہو، ہوا مٹی گرد، اس کے علاوہ اگر پیٹ نہ بھرے تو سوکھے توس، باسی دلیہ، ملیدہ سی کھچڑی۔" نومی کی زبان فراٹے بھر رہی تھی، اسی تیزی کے ساتھ تائی کا جوتا اس کے کندھے سے آ لگا تھا۔

"بے شرم ماں کا مذاق اڑاتا ہے۔"

"ہرگز نہیں، میں تو سچ بیان کر رہا تھا، کیا ایسا نہیں ہے، ہمارا شاہی خوان نشرہ کی رخصتی کے ساتھ ہی اٹھ گیا ہے، آج بارہویں دن بھی سوکھے توس اور کالی سیاہ ڈیزل پیٹرول ہی چائے ملے گی کھانے کو۔" نومی نے ایک ہی سانس میں تقریر جھاڑی تو اسامہ نے اس کا کندھا تھپک کر دلاسہ دیا تھا۔

"تمہارا دماغ بھوک رہ رہ کر چل گیا ہے، میری جان، چائے کھاتے نہیں پیتے ہیں۔"

"تو کیا ہاتھ ٹوٹ پڑے ہیں، خود پکا کر ٹھونس لیا کرو۔" تائی نے جلبلا کر جواب دیا تھا۔

"عینی کس مرض کی دوا ہے۔" نومی چیخا تھا۔

"اس کی پڑھائی کا حرج ہوتا ہے۔" تائی نے تجاہل برتا اور نومی کو غوطے آنے لگے تھے، اب بیٹھے بیٹھائے اس کی جانے کون سی پڑھائی اگ آئی تھی۔

"تو پھر ہم کیا درختوں کے پتے کھایا کریں۔" نومی نے چلا کر کہا تھا۔

"جانوروں کا اور کام کیا ہے؟" عینی بھی اس کار خیر میں شریک ہونے پہنچ گئی تھی، نومی کی اسے دیکھ کر جان ہی جل گئی تھی۔

"بہتر ہے اپنے لئے کوئی نوکرانی لے آؤ۔" تائی نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور کپ اٹھا کر پٹخ دیا، نومی کو ٹھیک سے سمجھ نہیں آئی تھی تبھی اچھل کر کود پڑا۔

"مہارانی لے آئیں، یعنی خوابوں کی رانی؟ تو کیا آپ اجازت دیتی ہیں والدہ حضور؟" نومی کی چرتی باچھیں دیکھ کر اسامہ نے سر پکڑ لیا تھا، اب کے ہنسنے کی باری عینی کی تھی۔

"تو پہلے اپنے کانوں کا علاج کروا، امی حضور نے نوکرانی کہا ہے، خوابوں کی رانی نہیں۔" اسامہ نے نومی کا کان کھینچ کر تازہ کرتے ہوئے اخبار کو اٹھا کر جھاڑا اور سرسری نگاہ سے خبریں دیکھنے لگا، ادھر نومی شدید خجالت کا شکار ہوا تھا۔

"مجھ سے کام دھندا نہیں ہوتا۔" تائی نے اعلان کر دیا۔

"اپنے اپنے کام خود کیا کرو۔"

"کیوں ہم انگریزوں کے ملک میں رہتے ہیں؟" نومی کی جرح تیار تھی، تائی نے دانت کچکچا کر اسے دیکھا تو وہ چپ کا سا بیٹھ گیا، عینی کے دانت منہ سے باہر آنے لگے تھے۔

''اس سے کچھ مت کروایئے گا۔'' عینی کو دیکھ کر نوی کسل کر رہ گیا تھا، جبکہ اسامہ اب اخبار میں گم تھا، ان کی بک بک سے بے نیاز تائی نے اسامہ کا کندھا ہلا کر پوچھا۔

''کوئی نئی خبر ہے یا وہی چوری ڈکیتی قتل کی پرانی بلڈ پریشر بڑھانے والی خبریں۔''

''خاصی افسوس ناک خبر ہے، اسلام آباد کے گرلز کالج کی وین جو کہ نادرن ایریاز کی طرف لڑکیوں کا ٹرپ لے کر جا رہی تھی، اغواء ہو چکی ہے، پولیس نے وین تو پکڑ لی، مگر ملزم مفرور ہیں، دو لڑکیاں بھی لاپتہ ہیں، باقی سب ٹیچرز اور اسٹوڈنٹس بازیاب ہو چکے ہیں۔'' اسامہ کی روح فرسا خبر نے لمحوں میں پورے ماحول کو سوگوار کر دیا تھا، نوی چونک کر اسامہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''کس کالج کی؟''

''تمہارے کالج کی۔'' اسامہ نے جواب دیا اور اٹھ کر فون کرنے چلا گیا، اسے ہیام سے بات کرنی تھی۔

(جاری ہے)

بے رنگی

مایا اعوان

''السلام علیکم سلسلے وار ناولز انٹرویو سیگمنٹ میں آج ہمارے ساتھ ایک ایسی رائٹر موجود ہیں جنہوں نے بہت ہی کم عرصے میں قارئین کے دلوں میں اپنا مقام بنایا یہ کوئی اور نہیں آپ کی اپنی ماہا جاوید ہیں۔''

''السلام علیکم ڈیئر کیسی ہیں؟''

ٹھاہ...... یہ کیا ابھی تو اس نے ضیم انجم کے سوال کا جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ اماں کی چپل نے اڑتے ہوئے اس کی کمر کو سلامی دی بھی مڑ کر دیکھا تو اماں کمر پہ ہاتھ رکھے غیض بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''میں تمہارے باوا کی نوکر ہوں کیا سارا دن کام کروں اور تم مہارانی ان موئے رسالوں کو چاٹتی رہو؟''

''باوا بیچارے کو قبر میں تو سکون کرنے دو اماں دن میں جتنی بار آپ یاد کرتی ہیں وہ بیچارے تو ہر بار ہڑبڑا کر اٹھتے ہوں گے کہ یہاں بھی پہنچ گئیں۔'' وہ جو خواب میں خود کو عظیم رائٹر کے روپ میں دیکھ رہی تھی اماں کی بے وقت آمد سے جھنجلا گئی۔

''زبان ہے کہ کترن کتر کتر چلتی رہتی ہے ہر وقت۔'' اماں نے ایک اور ہاتھ جڑا تھا اسے اور وہ بلبلا ہی اٹھی تھی۔

''کیا ہے اماں دیکھنا ایک دن ایسا آئے گا کہ آپ کی بیٹی بہت بڑی رائٹر بنے گی۔''

''ہاں آئی تم بڑی شرمین عبید آسکر ایوارڈ تمہیں ہی تو ملے گا۔'' اماں بھی آخر اسی کی ماں تھیں وہاں سے بات لا کر لگاتیں کہ سامنے والا بلبلا ہی اٹھتا۔

''اف یہ آج کل کی ماؤں کا نالج ویسے تو اماں آپ بڑی سیدھی سادی عاجز ٹائپ کی بنی رہتی ہیں اور نالج شرمین عبید کا رکھتی ہیں۔'' اسے ماں کی اس اضافی سے خوشی ہوئی تھی۔

''اب یہیں بک بک کیے جاؤ گی یا اس حجرے سے باہر بھی آؤ گی؟ چھت پہ کپڑے اڑ اڑ کر آگے پیچھے والوں کی چھتوں کی صفائی کر رہے ہوں گے اور دیکھو سبزی لے رکھی ہے شرافت سے اٹھ کر ہنڈیا بنا دو اور خبردار اگر آج ہنڈیا جلی تو ساتھ ہی تیرے ان نامراد رسالوں کو بھی نا جلایا تو رشیدہ بیگم نام نہیں ہے میرا۔'' اماں کو ٹھیک ٹھاک قسم کا جلال آیا ہوا تھا، آج اس نے رہی سہی عزت سنبھالتے ہوئے یہاں سے اٹھ جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

چھت پہ قدم رکھتے ہی اسے اماں کی بات سے سو فیصد اتفاق کرنا پڑا تیز ہوا سے کپڑے ادھر سے ادھر گر رہے تھے۔

''مستقبل کی عظیم رائٹر آج دھوبن بنی ہوئی ہیں ارے واہ۔'' وہ جو کپڑوں میں ابھی گرتی پڑتی اتار اتار کر چارپائی پر رکھ رہی تھی اس آواز پر ڈر کر اچھلی تھی۔

''تمہیں اپنے گھر سکون نہیں ہے جب دیکھو تانکا جھانکی لگا رکھی ہوتی ہے چاہے کسی کا گھر ہو یا کسی کی ٹائم لائن؟'' اس نے بھی حساب برابر کیا تھا۔

''مت جلا کرو مزید کالی ہو جاؤ گی۔'' حنان نے اس کے سانولے رنگ پہ چوٹ کی تھی اور حسب عادت اس کی دکھتی رگ پھڑک اٹھی تھی، ابھی وہ جواب دینے ہی والی تھی کہ حنان نے ایک اور وار کیا تھا۔

''سنا ہے کسی رسالے میں کہانی بھیجی ہے تم نے؟'' اس نے قریب آتے ہوئے شرارت کی تھی لیکن دوسری طرف وہ صدمے سے کچھ بول ہی نا پائی تھی۔

''تم نے میری ای میل آئی ڈی چیک کی

ہے؟" وہ غصے سے تلملا ہی تو گئی تھی۔
"تمہیں شرم نہیں آتی دوسروں کے پرسنلز میں گھستے ہوئے۔" غصے سے اس کی ننھی ناک پھڑک رہی تھی، دل چاہا اسے کچا چبا جائے۔
"ارے شرم والی کیا بات ہے اس میں جب سامنے کھلی ہوگی تو کون بے وقوف ایسی چیز سے فیض یاب نہیں ہوگا۔" حنان نے اس کے غصے کی چندہ پرواہ نا کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے بتایا تھا جواباً غصے سے وہ دھپ دھپ کرتی سیڑھیاں اتر گئی۔

☆☆☆

ماہا جاوید اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی، شادی کے ساتھ سال بعد اللہ نے رشیدہ بیگم اور جاوید صاحب کو اولاد سے نوازہ تھا، رشیدہ بیگم شروع سے ہی تند مزاج کی تھیں سسرال والوں سے ہمیشہ کم ہی بنا کر رکھی کوئی ایک سناتا تو آگے سے اسے چار سنانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتی تھیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سب آہستہ آہستہ دور ہوتے گئے، ماہا ماں باپ دونوں کی لاڈلی تھیں لیکن جاوید صاحب کی زندگی نے وفا نہ کی اور ماہا کی ساری ذمہ داری رشیدہ بیگم اکیلی پر آن پڑی، جوں جوں وہ بڑی ہو رہی تھی رشیدہ بیگم اس کے معاملے میں انتہائی سخت مزاج ہوتی جا رہی تھیں قدم قدم پر بیٹے کی کمی محسوس کرتیں اور ساتھ ہی ساتھ سسرال والوں سے کی گئی زیادتیاں یاد آتیں تو انہوں نے رابطے بحال کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہ کی جس کے نتیجے میں ان کے جیٹھ احمد صاحب کا بیٹا حنان احمد چوبیس میں سے بارہ گھنٹے ان کے گھر پایا جاتا تھا اور ماہا جو رسالوں کی دیوانی تھی پینٹنگ اور لکھنا جس کا جنون تھا لیکن آج تک کوئی کہانی مکمل نا کر پائی تھی اب جانے دماغ میں کیا سمائی کہ ایک ماہنامے میں کہانی لکھ بھیجی جس کی بھنک جانے کیسے حنان کو پڑ گئی اب تو آتے جاتے اسے عظیم رائٹر کے نام سے چھیڑتا اور وہ غصے سے بل کھا کر رہ جاتی اور دل ہی دل میں پبلش ہو جانے کی دعائیں بھی مانگتی کہ عزت کا سوال تھا۔

☆☆☆

موسم نے رات اپنا سارا غصہ نکالا تھا پہلے آندھی اور پھر طوفانی بارش جس کے نتیجے میں سارا گھر جا بجا پانی اور مٹی سے اٹا پڑا تھا، برآمدے کے پلر سے بیل کچھ ٹوٹ کر اور کچھ ویسے ہی نیچے لٹک رہی تھی دو تین گملے الٹے پڑے توجہ کے منتظر تھے، اماں کچن میں مصروف تھیں اس نے دوپٹہ اتار کر صحن میں بندھی تار پر ڈالا جھاڑو پکڑا پہلے کمروں کو صاف کیا پھر برآمدے اور صحن کو چمکایا گرے گملے سیدھے کر کے پانی دیا بیل دوبارہ پلر کے ساتھ باندھی ایک ستائشی نظر ڈال کر خود کو شاباش دی اور نہانے چل دی نہا کر نکلی ہی تھی کہ فون کی چھنگاڑتی آواز نے اس کی توجہ کھینچ لی۔
"ہیلو؟ تم جتنا بدتمیز انسان میں نے نہیں دیکھا کتنے میسج کیے مجال ہے جواب دے دو۔" ابھی اس نے ہیلو بولا ہی تھا کہ ہانیہ اس پر چڑھ دوڑی۔
"یار مصروف تھی کچھ، تم سناؤ کیسی ہو اور فون پہ بکواس کیسے جا پایا نہیں کہ آ کر مل لو۔" وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔
"تمہیں کچھ خبر ہے کہ ڈیٹ شیٹ آ گئی ہے لیکن نہیں کوئی پرواہ ہی نہیں ایسے کرنا اپنے پیپرز بھی فرحت اشتیاق، نمرہ احمد اور راحت جبیں سے حل کروانا جن کے ناولز سارا دن چاٹتی رہتی ہو۔" ہانیہ کو کم ہی غصہ آتا اور جب آتا تو اماں کی طرح اس کے رسالوں اور رائٹرز پہ طنز کرنے سے باز نہ آتی۔

''حق ہاہ۔'' ماہا نے سرد آہ بھری۔
''میرے بس میں ہو تو پیپر ہی ایسا بناؤں میرے ہمدم میرے دوست، وہی اک لمحہ زیست کا، کسی ایک پہ تفصیلی روشنی ڈالیں، عمر جہانگیر کے کردار کی چند خصوصیات بیان کریں، پاکستان میں بھوک ہڑتال اور دھرنے کی وضاحت کریں جو عمر جہانگیر کے مرنے پہ وقوعہ پذیر ہوئے۔''
''کیا خاندان میں ایک فارس غازی ہونا ضروری نہیں تھا؟''
''بس بس بند کرو اپنا یہ عمر نامہ اور فارس نامہ اور کچھ دھیان پڑھائی پر بھی دو اور سنو ٹائم نکال کے ایک چکر کالج کا بھی لگا آئیں، ریسرچ کے نوٹس رہتے ہیں کچھ۔'' ہانیہ نے اسے درمیان میں ٹوکتے ہوئے حسب معمول لمبی جھاڑی جسے ماہا جاوید نے حسب معمول ایک کان سے سن کر دوسرے سے باآسانی نکلنے دیا تھا۔
پھر پیپرز کیا شروع ہوئے ماہا تو گویا خود کو بھی بھول گئی لاکھ ناولز کی دیوانی سہی لیکن ہاشم کاردار نے اسے نوکری تو نہیں لگوانی تھی نا، یہی سوچتے ہوئے وہ پیپرز کی تیاری میں جت گئی اور آخری پیپر کے بعد تو ایسی نیند میں ڈوبی کہ شام کی سوئی صبح کی خبر لائی۔
رات مکمل طور پر اپنے پر سمیٹ کر غائب ہو گئی سورج نے اپنے پنجے گاڑھ لئے وہ بھی سر جھاڑ منہ پہاڑ جمائیاں لیتی اماں کے پاس تخت پر آ کر دھڑام سے گر گئی اماں جو تخت پہ بیٹھی چڑیوں کے لئے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر رہی تھیں جھنجھلا گئیں۔
''خیر سے منہ دھو کر اپنا حلیہ ٹھیک کر لو ایسا لگ رہا ہے ابھی ابھی افریقہ سے لوٹی ہو۔'' اماں نے اس کی رنگت اور بالوں کا تنقیدی جائزہ لیا تھا وہ جو دوبارہ نیند کی وادیوں میں اترنے والی تھی پٹ سے آنکھیں کھول گئی، اماں کے طنز سے اسے یاد آیا کہ کافی دنوں سے حنان نظر نہیں آیا تھا اور اس بات کا برملا اظہار اماں سے بھی کر دیا۔
''ہاں وہ کچھ دنوں سے لاہور گیا ہوا ہے وہاں کسی کمپنی میں انٹرویو دینے۔'' ابھی اماں کی بات منہ میں ہی تھی کہ بوتل کے جن کی طرح وہ حاضر ہو گیا۔
''اوئی ماں۔'' اس نے ماہا کو یوں بے ترتیب حلیے میں دیکھ کر ڈرنے کی ایکٹنگ کی تو ماہا کو پہلی بار اس کے سامنے اتنی خجالت ہوئی تھی لیکن ظاہر ہرگز نہ ہونے دیا۔
''شیطان کو یاد کیا شیطان حاضر۔'' اماں ان دونوں کو الجھتا چھوڑ کر مرغیوں کو دانہ ڈالنے اٹھ گئیں۔
''چلو اسی بہانے تم نے اعتراف تو کیا کہ میری غیر حاضری میں تم یاد بھی کرتی ہو۔'' حنان اس کے سر پہ چپت لگاتا سامنے پڑی کرسی پر براجمان ہو گیا، ماہا کو پتہ تھا اب یہ یہاں سے ہلنے والا نہیں سو ناک بھوں چڑھاتی اٹھ گئی لیکن حنان کی پرسوچ نظروں نے دور تک تعاقب کیا تھا اس کا۔

☆☆☆

آج منگل تھا ایڈیٹر صاحب نے آج ہی کے دن فون کر کے کہانی کے متعلق جاننے کا کہا تھا، اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ فون ملایا اسے یقین تھا کہ جواب مثبت ہی ہو گا اور وہ فخر سے سب کو بتائے گی۔
لیکن یہ کیا؟
''ماہا جاوید آپ نے جو کہانی بھیجی ہے وہ ناقابل اشاعت ہے آپ اپنا مطالعہ وسیع کیجئے اور دوبارہ سے طبع آزمائی کریں۔'' اس کے ساتھ ہی خوابوں کا محل زمین بوس ہو گیا آنسو گالوں کو

بھگوتے چلے گئے چپکے چپکے رونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ شام تک تیز بخار نے جکڑ لیا اور وہ جو اس بات کی خبر حنان کو نہیں ہونے دینا چاہتی تھی وہ بھی جان گیا پھر تو جو اس کا ریکارڈ لگا تو کتنے ہی دن سب کا سامنا کرنے سے کتراتی رہی۔

ابھی بھی وہ شام کے بعد چھت پر ٹہل رہی تھی ہلکی ہلکی ہوا مزاج کو اچھا کرنے میں کامیاب رہی تھی، حنان کو کافی دیر سے اسے ٹہلتے ہوئے دیکھ رہا تھا اپنی اور ان کی درمیانی دیوار کو پھلانگتا ہوا اس کے قریب آ کر ہلکے سے کھنکارا تھا۔

''کیسے مزاج ہیں؟'' لیکن جواب ندارد۔

''تم سے پوچھ رہا ہوں یار۔'' وہ یک دم اس کے سامنے آیا تھا ماہا بروقت بریک نا لگاتی تو تصادم یقینی تھا گھور کر اسے دیکھا لیکن وہ ڈھیٹ بنا مسکرا رہا تھا۔

''ہم سے تو تم ایسے ناراض ہو جیسے ایڈیٹر صاحبہ کو ہم نے پیسے دیئے تھے کہ اس کی کہانی سلیکٹ مت کیجئے گا۔'' حنان نے مسکراہٹ سمیٹتے ہوئے گھور کر دیکھا تھا اسے۔

''پیسے نہیں دیئے تھے جو اس دن سے میرا مذاق اڑا رہے ہو وہ کیا؟''

''یار جب تم خود بے وقوفوں والی باتیں کرو گی تو ہم تو ہنسیں گے ہی نا، ایک کہانی سلیکٹ نا ہونے پر تم نے رو رو کر سارا گھر سر پر اٹھا رکھا ہے، پہلی ناکامی ہی پہلی کامیابی کی ضمانت بنتی ہے اگر لکھنے کا جنون ہے تمہیں تو ہار جیت کے خوف کے بغیر لکھو چھوٹے چھوٹے قدم لے کر کامیابی کی سیڑھی چڑھو اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ ایک ہی اڑان بھر کر تم کامیابی کی سب سے اونچی سیڑھی پر قدم رکھ لو گی تو یہ غلط ہے۔''

''لیکن میں نے سوچ لیا ہے میں اب کبھی نہیں لکھوں گی۔'' اس نے تروٹھے پن سے حنان کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

''اس کا مطلب تم ڈر گئیں؟ جو انسان ناکامی سے ڈر جائے اسے کامیابی کے خواب دیکھنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔'' حنان نے نرمی سے سمجھایا تھا اسے۔

''جو بھی ہے۔'' ماہا نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

''میں اپنی پینٹنگ پر توجہ دوں گی۔'' ماہا نے قطعیت سے کہتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھا دیئے اور حنان سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

☆☆☆

لاکھ لکھنے سے انکار کرتی لیکن پھر بھی جانے کیوں دل للچاتا فیس بک پہ کسی رائٹر کا کوئی پیج دیکھتی تو پھر سے قلم تھام لیتی لیکن پوسٹ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی کہ کہیں پھر سے ریجیکٹ ہو گئی تو، یوں جو کچھ لکھتی پیک کر کے رکھ دیتی۔

آج کافی دنوں بعد ماہا نے بڑے تایا کے گھر کا رخ کیا تھا، لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اسے لگا کہ وہ غلط وقت پر آ گئی ہے، بڑی تائی تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں حنان اور واصف نے الگ ہنگامہ برپا کر رکھا تھا، ٹی وی فل والیوم میں چل رہا تھا لیکن اس بے چارے کی طرف کسی کی توجہ نہیں تھی، اس نے واپس پلٹنے کے لئے پر تولے تھے، کیونکہ حنان کی موجودگی میں وہ بیٹھ نہیں سکتی تھی کہ کہیں پھر سے اس نے مذاق اڑایا تو، لیکن تائی کی نظر سب سے پہلے پڑی تھی اس پر اور آواز بھی دے ڈالی، سو تا اسے اندر آنا پڑا۔

''آیئے آیئے ماہا جاوید آج کیسے ہم غریبوں کا خیال آیا۔'' حنان کی رگ شرارت پھڑکی تھی لیکن ماہا نے تائی کے سامنے جوابی کاروائی سے پرہیز کیا اور ان کے ساتھ ہی تخت پر بیٹھ گئی۔

''ارے وہ ڈرامہ لگا دو نا عنایہ تمہاری ہوئی، بھئی کیا کمال کی رائٹر ہیں اپنی صائمہ چوہدری بھی۔'' حنان نے مسکراتے ہوئے چڑایا تھا ماہا کو۔

''یہ بھی سے کیا مراد ہے آپ کی۔'' واصف نے بھی لقمہ دیا۔

''ارے کیا پتا کل کو ہمارے آس پاس بھی کوئی عظیم رائٹر بیدار ہو جائے۔'' واصف منہ چھپا کر کھی کھی کرنے لگا۔

''مزید کوئی بدتمیزی نہیں چلے گی۔'' تائی نے اپنے دونوں سپوتوں کو جھاڑا تھا اور ماہا تو مارے غصے کے تپ اٹھی، اسے ان دونوں سے اس قدر بدتمیزی کی امید نہیں تھی۔

اب تو اس نے پکا سوچ لیا کہ بغیر کسی ڈر کے اپنا ناول بھیجے گی اور جب تک پبلش نا ہو جائے ہمت نہیں ہارے گی یہی سوچتے ہوئے اس نے گھر آ کر لکھی ہوئی کہانی نکالی اور پوسٹ کر ڈالی جہاں جیتنے کا عظم ہو وہاں ہار کے خوف کی کوئی جگہ نہیں بنتی اور اسے یقین تھا اب کے اس کا یہ جیت کا عظم اسے ضرور کامیابی کے کنارے تک لے جائے گا۔

دن پر دن گزرتے گئے کہ ایک دن تائی کی صبح صبح آمد ہو گئی اور باہر بیٹھنے کی بجائے کمرہ بند کر کے اماں کے ساتھ جانے کون کون سے مذاکرات جاری کیے تھے، اس نے متجسس طبیعت کے پیش نظر دو تین بار کان لگا کر سننا چاہا لیکن نتیجہ صفر تو وہ بھی تھکیں تے ناں سبی کہتی کچن میں چل پڑی۔

تھوڑی دیر بعد اماں کی آمد ہوئی اسے گلے لگا کر چٹا چٹ پیار کیا اور اسے چائے بنانے کا حکم دے کر پھر سے اندر...... اسے لگا اماں کی طبیعت خراب ہے ورنہ اسے اتنی عزت تو کبھی نہیں دی تھی اماں نے اور پھر تائی کے جانے کے بعد یہ عقدہ بھی کھل گیا اور وہ ساکت و جامد بیٹھی رہ گئی، وہ اور حنان بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے، سوچنے پر بھی حنان کے ساتھ کوئی خوشگوار واقعہ یاد نہیں آیا تو وہ اماں کے سر پر جا کھڑی ہوئی اور اماں کو تو اس کی بات سن کر ہی پتنگے لگ گئے۔

''ناں میں کہتی ہوں تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں جو تو انکار کر رہی ہے؟ میری بات غور سے سن لے ٹانگیں توڑ دوں گی، تیری جو مزید کوئی الٹی سیدھی بکواس کی تو۔'' اماں نے زبردست گھوری سے نوازا تھا اسے اور مرغیوں کو ڈربے میں بند کرنے لگیں، پیچھے وہ کلس کر رہ گئی۔

☆☆☆

جب سے اماں نے ڈانٹا تھا اسے تب سے برتنوں کی شامت آئی ہوئی تھی لیکن اماں کان لپیٹے اپنے کاموں میں مصروف مکمل تاثر دے رہی تھیں کہ تمہارا احتجاج فضول ہے۔

برتن دھو کر بوتلیں فریج میں رکھنے کو جیسے ہی پلٹی دروازے میں حنان کو کھڑے دیکھ کر سارا غصہ فریج کے دروازے پر نکالا۔

''اف یہاں کا ٹمپریچر تو پچاس ڈگری لگ رہا ہے آج۔'' حنان نے شرارت سے چھیڑا تھا لیکن اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔

''کہیں تمہاری کہانی پھر سے ریجیکٹ تو نہیں ہو گئی؟ سنو ایک کپ چائے میرے لئے بھی۔'' ساس پین چولہے پر رکھتا دیکھ کر حنان نے کہا، لیکن وہ پھر بھی نہیں بولی، فریج سے دودھ نکالنے کے لئے جیسے ہی وہ پلٹی حنان کو بالکل فریج کے آگے کھڑے دیکھ کر جھنجھلا گئی۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں ہر وقت کیوں سر پر سوار رہتے ہو؟''

''تمہیں غصہ کس بات کا ہے آج؟''

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں ماہا کیا پرابلم ہے؟ کھل کر بتاؤ مجھے، کیا تم اس رشتے پر خوش نہیں ہو؟''

''ہاں نہیں ہوں خوش پھر۔'' ماہا نے غصے سے جواب دیا۔

''اوکے وجہ بتاؤ؟''

''میں کوئی وجہ نہیں بتاؤں گی۔''

''لیکن میں وجہ جانے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔'' حنان نے اس سے بھی زیادہ ہٹ دھری دکھائی تو جواباً وہ چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''مجھے نہیں پتا تم کس بات کو لے کر پریشان ہو، لیکن میں تمہیں اتنا بتا دوں میرے کہنے پر ہی امی یہ رشتہ لے کر آئی ہیں، میں نے ہمیشہ تمہیں ستایا رلایا لیکن مجھے نہیں پتا اس دوران کب میں دل ہار گیا کب میں تم سے محبت کرنے لگا، لیکن یہ سچ ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم سے ہی شادی کروں گا ہاں اگر تمہیں یہ رشتہ واقعی قبول نہیں تو ٹھیک ہے میں امی سے بات کر لوں گا تم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔'' حنان نے سنجیدگی سے بات مکمل کی تھی اور ماہا اپنا رونا دھونا بھول کر بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم جھوٹ کہہ رہے ہو ناں؟''

''نہیں میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' حنان نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے یقین دلایا تو ماہا سرخ پڑ گئی۔

''لیکن جتنا تم میرا مذاق اڑاتے رہے ہو عظیم رائٹر کہہ کر وہ کیا۔'' ماہا نے گھور کر اسے دیکھا۔

''وہ تو اس لئے تھا کہ تم ہمت نا ہارو بلکہ مستقل مزاجی سے اپنے ہنر کو آزماؤ جو کہ یقیناً تم میں ہے اور دیکھ لو اس کا نتیجہ تمہاری کہانی سلیکٹ ہو گئی ہے۔'' حنان نے اس کے سامنے رسالہ لہرایا، ماہا نے مشکوک نظروں سے دیکھا تو حنان نے اس کے سامنے ڈائجسٹ کھول دیا۔

''پیاری ماہا آپ کی تحریر موصول ہوئی جو کہ دلچسپ موضوع کے باعث سلیکٹ ہو گئی ہے آپ کو اپنے کیریئر کی پہلی کامیابی پر مبارکباد۔''

''او مائی گاڈ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔'' ماہا نے اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے دوبارہ دیکھا۔

''یقین کر لیجیے محترمہ عظیم رائٹر بننے کے لئے آپ نے کامیابی کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھ لیا ہے۔''

''اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' ماہا سے یہ خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔

''میں شکرانے کے نوافل پڑھ لوں۔''

''پہلے میری بات کا جواب دو۔'' اس سے پہلے کہ ماہا کچن سے بھاگتی حنان نے بازو پکڑ کر روکا۔

''اگر شادی کے بعد بھی تم نے مجھے تنگ کیا تو؟'' ماہا نے مزید یقین دہانی چاہی۔

''تمہارے کالے رنگ کی قسم نہیں تنگ کروں گا۔'' حنان نے متبسم لہجے میں کہا اور وہ جو حنان کو گھورنے کا ارادہ رکھتی تھی اس کی آنکھوں میں دیکھ ہی نا سکی اور دونوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا اور باہر اماں نے ان کا قہقہہ سنا تو طمانیت سے مسکرا اٹھیں۔

''یہ بنت آدم بھی نا دو میٹھے بولوں سے اپنی ضد اپنی انا بھول جاتی ہے، ہوتی ہے ناں پگلی۔'' اماں نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

☆☆☆

محبت فاتح عالم

ثمینہ بٹ

''میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔''

امجد اسلام امجد صاحب نے یہ نظم شاید میرے لئے ہی کہی تھی، انہوں نے تو محبت کو پیغام کا درجہ دیا تھا، مگر مجھے لگتا ہے کہ میرا سارا وجود ہی محبت ہے، ''غلام محی الدین'' اور ''بابرہ شریف'' کا صرف نام ہی محبت تھا، مگر مجھے لگتا ہے کہ میرا کلام، میرا مقام، میری صبح و شام، سب محبت ہی محبت ہے۔

ارے آپ کو یقین نہیں آرہا، میں سچ کہہ رہا ہوں، یار مان لیں اور وہ جو پروین شاکر صاحبہ فرما گئی ہیں، ''محبت اک شجر ہے'' تو آج کل میں خود کو اس شجر پر بیٹھا ہوا ایک الو ہی سمجھ رہا ہوں، جی ہاں الو...... ارے آپ پھر مذاق سمجھ رہے ہیں چلیں کوئی بات نہیں، آپ کا بھی کیا قصور بھلا، جب آپ کو ساری حقیقت کا علم نہیں ہوگا، آپ میرے جذبات کیسے سمجھ سکیں گے بھلا؟ ہے ناں، اور ظاہر ہے میرے جذبات کو صحیح طریقے سے سمجھنے کے لئے آپ کو پہلے میرے حالات جاننا پڑیں گے، تو چلیں میرے ساتھ، میری دنیا میں، میری زندگی کے جھرنکوں سے جھانکیے اور پھر فیصلہ کیجئے گا کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں یا غلط۔

میرا نام ارسل ہے، ارسل نگلیم، بس عام سی شکل وصورت کا عام سا بندہ ہوں، نہ تو خود کو کبھی ہیرو سمجھا نہ ہی کبھی کسی نے جان جگر پری پیکر کا درجہ دیا، نہ تو چن کا ٹوٹا، ہوں اور نہ ہی کسی نے کبھی چن ورگے کا خطاب دیا، سوائے میری پیاری اماں کے، مجھے لگتا ہے کہ میں اس بھری دنیا میں شاید صرف اپنی اماں کا ہی لاڈلہ اور پیارا رہا ہوں، آخر کو ان کی آخری عمر کی آخری اولاد جو تھا، جس وقت میرا اس دنیا میں نزول ہوا، میرے بڑے بھیا اور بڑی آپا صاحب اولاد ہو چکے تھے، دو بھتیجوں اور دو عدد بھانجیوں سے چھوٹا چاچو،

مکمل ناول

ماموں جب دنیا میں تشریف لائے گا تو پھر وہ کس کا من چاہا اور لاڈلہ ہوگا؟ اپنے بڑے بھائیوں اور بہنوں کے لیے میں ان وانٹڈ ہی تھا، اسی لئے ان کی طرف سے پروٹوکول بھی ہمیشہ ویسا ہی ملا۔ ناک بھوں چڑھاتا ہوا، مگر مجھے کیا فکر تھی اور کیوں کرتا میں پرواہ کہ میرے لاڈ اور نخرے اٹھانے کو میری پیاری اماں اور ابا ہی کافی تھے۔

میری اماں جیسی اماں، آپ نے بھی ضرور کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں دیکھی ہی ہوں گی، نرم، حلیم طبیعت، سیدھی سادی چلتی پھرتی مجسم محبت اور شفقت ہاں، ابا ذرا سخت تھے، کڑک، لیکن اخروٹ کی طرح، اوپر سے ٹھاہ کرکے لگنے والے، مگر اندر سے رسیلے اور طاقت بخشنے والے، اماں کی محبت بھری آغوش اور ابا کی دھوپ چھاؤں جیسی شفقت میں، میں بڑا ہوتا چلا جارہا تھا اور میرے ساتھ ساتھ آپا اور بھیا کے بچے بھی، جو مجھ سے بڑے دو بھائیوں انس اور مونس کے تقریباً ہم عمر ہی تھے۔

☆☆☆

بچپن کہاں گزرا، کیسے گزرا ٹھیک طرح سے یاد نہیں، کیونکہ تب کے کراچی اور اب کے کراچی میں بہت فرق آچکا ہے، تب کا کراچی واقعی عروس البلاد تھا، نہ لسانی تفرقے، نہ قومیت کے جھگڑے، پنجابی، پٹھان، سندھی، بلوچی، میمن، مہاجر، سب پاکستانی تھے، صرف پاکستانی، مجھے یاد ہے ابھی تک، ہم سارا سارا دن گلیوں میں ہی کھیلا کودا کرتے تھے، مل جل کر پڑھنا اور پھر پڑھنے کے بعد صرف اور صرف کوکڑے لگانا، صرف اتنا ہی کام تھا ہمارا۔

ابا ایک فیکٹری میں سپروائزر تھے، بہت اچھی تنخواہ تھی ان کی اور سب سے بڑے بھیا محسن کا اپنا ماربل کا کام تھا، ابا نے اچھے وقتوں میں منگو پیر کے علاقے میں ہزار گز کا پلاٹ لے کر اس وقت کی ضرورت کے مطابق اسے تعمیر کروالیا اور ہم اس بڑے سے صحن اور تین بڑے بڑے کمروں والے گھر میں بڑے خوش اور مست سے رہنے لگے، ہمارے گھر کے بالکل ساتھ والا گھر میمنوں کا تھا، جو محسن بھائی کی طرح ماربل کا ہی کام کرتے تھے، خورشید چچا بہت مرنجان مرنج قسم کے بندے تھے، صنم ان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی، لاڈلی اس لئے نہیں کہوں گا کہ میں نے کبھی اسے اس پوزیشن میں دیکھا ہی نہیں تھا، ہمیشہ گندے مندے حلیے میں، الجھے بکھرے بالوں کے ساتھ جانے کہاں سے ہمارا کھیل خراب کرنے آن دھمکتی اور عین میرے ہی سامنے آکر اس طرح کھڑی ہوجاتی جیسے واقعی ہی پتھر کا صنم ہو، ایک تو اس کا حلیہ اور پھر اس کا عین کھیل کے درمیان وارد ہونا اور پھر سب سے اہم، میرے ہی سامنے آکر جم سا جانا، میں تو جزبز ہوتا ہی تھا، میرے سارے دوست، بھائی بھتیجے، بھانجیاں، جل کر میرا ریکارڈ لگاتے، میرا ننھا منا، مختی سا وجود مارے طیش کے اچھل اچھل جاتا، پھر جو اس پتھر بنی بھتنی کو دو ہاتھ لگاتا تو وہ ایکدم عالم بالا سے عالم ظہور میں واپس آتی اور پھر جو اپنا بھاڑ سا منہ کھول کر رونا شروع کرتی، اس کی امی کے باہر آنے سے پہلے پہلے، میری اماں اور چھوٹی آپا افتاں وخیزاں باہر آجاتیں اور پھر قبل اس کے کہ اپنے بھائیوں اور دوستوں کی طرح میں بھی غائب ہو پاتا، وہ بھتنی، میری ہی ٹانگوں سے لپٹ جاتی اور اماں اماں کہتی چلائے چلی جاتی، بس جی پھر میں غریب ارسل ہوتا اور چھوٹی آپا کے دھموکے جو وہ بلا تکلف وہیں گلی میں ہی مجھے جڑ دیتیں اور رہی اماں، وہ مجھے غصے سے گھورتی، اس روتی بلکتی صنم کی بچی کو اٹھا، چمکارتی، پچکارتی

گھر لے جاتیں اور پھر اگلے آدھے گھنٹے میں اس کا منہ دھلا، چوٹیاں بنا، اسے سجا سنوار کر اس کی امی کے حوالے کر آتیں، مجھے یہ سب دیکھ کر بے حد غصہ آتا اور غصہ تو انس، مونس بھائی کو بھی خوب آتا اس پر، مگر وہ صنم سے زیادہ سارے کھڑاگ کا قصور وار مجھے سمجھتے تھے کہ شاید میں اس چھٹکی چھپکلی کو مارتا تھا اور پھر اس پر آپا مجھے ڈانٹ اور مار کر بھری گلی میں ان کا اور میرا تماشہ بنا دیتیں، حالانکہ میرا اس میں کیا قصور تھا بھلا اب میں اسے جا کر دعوت تھوڑی دیتا تھا کہ ''صنم بی بی، ہم اپنا کھیل شروع کر چکے ہیں اور اس وقت ہمارا کھیل عین عروج پر پہنچ چکا ہے، آپ اپنے الول جلول حلیے سمیت باہر آئیں اور بخوشی ہمارے رنگ میں بھنگ ڈالیں، مجھے اماں اور آپا سے جوتے پڑوا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیں۔'' لو بھلا مجھے کیا پڑی تھی کہ اس آفت کی پڑیا کو منہ لگاتا، مگر یہ بھی سچ ہی تھا کہ جتنا اسے چڑتا، وہ اتنا ہی میرے راستے میں آتی، جتنا غصہ اسے دیکھ کر میرے دل میں ابھرتا، اتنا ہی وہ میرے صبر کو آزمانے کی کوشش کرتی اور پھر میں نے اسے نظر انداز کرنا شروع کر دیا، وہ جدھر سے گزرتی، میں وہ راستہ ہی چھوڑ دیتا، ایسے جیسے کوئی توہم پرست، کالی بلی کو دیکھ کر راستہ چھوڑ دے، اگر وہ ہمارے کھیل کے درمیان میں آجاتی اور ہمیشہ کی طرح میرے سامنے آ کھڑی ہوتی تو میں اسے کچھ بھی کہے بغیر کھیل ہی چھوڑ کر بھاگ جاتا، پھر چاہے پیچھے سے آوازے کسے جاتے یا قہقہے پڑتے، میں بالکل بھی پرواہ نہ کرتا۔

''یار ارسل! تو صنم میمن کو دیکھتے ہی ایسے میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے جیسے تگڑا قرضہ لے رکھا ہو تو نے اس سے یا پھر اس کی کوئی قیمتی چیز چھپا رکھی ہے تو نے، یار اصل بات کیا ہے، کچھ ہمیں بھی تو بتا؟'' سمیر نے میرے کندھے پر ہاتھ اور باقی سب کو آنکھ مارتے ہوئے خباثت بھرے انداز سے کہا تو مجھے اور زیادہ آگ لگ گئی، میں نے آپ کو بتایا ناں کہ میں صرف اپنی اماں کا ہی لاڈلا تھا، باقی بھائی، بہنوں کے لئے تو میں ایسے ہی تھا، ایویں ٹائم پاس، بھائیوں کے لئے گیم پارٹنر اور آپاؤں کے لئے صرف چھوٹو، جو بازار سے سودے لائے، بھاگ بھاگ کر ان کے کام کرنے والا ''ارسل چھوٹو'' ہی تھا، مگر میں شاید غلط تھا، سمیر کی بات سن کر جس طرح مجھے غصہ آیا تھا، بالکل اسی طرح مونس بھائی کے ماتھے پر بھی بل پڑ چکے تھے اور پھر میرے کسی طرح کا بھی جواب دینے سے پہلے ہی بھائی نے سمیر کے منہ پر ایک مکا جڑ دیا، لو جی، کہاں کے سوال؟ کیسے جواب؟ دیکھتے ہی دیکھتے ہم سب دوست، دو پارٹیوں میں بٹ گئے، ایک طرف میں، میرے بھائی، بھتیجے اور دو چار گھر کے دوست تو دوسری طرف سمیر اور باقی تمام لڑکے، خوب گھمسان کا رن پڑا، مکوں، لاتوں اور ڈنڈوں سے ایک دوسرے کی خوب تواضع کی گئی اور جانے کب تک ہم اصیل ککڑوں کی طرح اچھل اچھل کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے رہے کہ ماربل کے کارخانے جو کہ گھر کے اگلے حصے میں ہی مشین لگا کر بنایا گیا تھا سے محسن بھائی اور اپنے کارخانے سے خورشید چچا باہر بھاگے آئے، پھر ہمیں بمشکل چھڑوایا گیا اور سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا گیا اور بچپن کی لڑائیاں بھی کوئی لڑائیاں ہوتی ہیں بھلا، چند روز کی ناراضگیاں پھر خود بخود ہی صلح صفائی، ہم بھی چند دن لڑ بھڑ کر پھر سے ایک ہو گئے اور پھر وہی ٹیم اور پھر وہی دھما چوکڑیاں۔

وقت اپنے پیچھے کیسے کیسے نشان چھوڑ جاتا ہے، یہ دیکھنے کی فرصت کسے ہوتی ہے؟ اور ہمیں

بھی پیچھے دیکھے بنا آگے ہی آگے بڑھتے چلے جانا تھا، سو بڑھتے ہی چلے گئے، بڑھتے ہی چلے گئے اور جیسے جیسے بڑے ہوتے چلے گئے، مسئلے مسائل بھی اپنا رنگ روپ بدلتے گئے، دوستیاں بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئیں، ہماری بھانجیوں کی طرح دوسری لڑکیاں بھی اب بلاوجہ گھروں سے باہر نہیں نکلتی تھیں، صرف گھر سے اسکول، کالج یا پھر اپنے اپنے رشتہ داروں کی صرف۔

اس سارے عرصے میں چھوٹی آپا کے ساتھ ساتھ انس بھائی کی شادی بھی ہو چکی تھی، ابا اب ریٹائیرڈ زندگی انجوائے کر رہے تھے اور ان کی جگہ ان کی فیکٹری میں انس بھائی نے لے لی تھی، ہمارا گھر بھی اب پہلے والا نہیں رہا تھا، گزرتے وقت کی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اندر باہر سے تبدیل ہو چکا تھا، پہلے جہاں بڑا سا کھلا صحن اور صحن کے بیچوں بیچ کھڑا بڑا سا درخت تھا، وہاں اب گیراج اور بڑا سا ہال بنا دیا گیا تھا اور اس بڑے سے ہزار گز کے ہال کے اوپر چار منزلیں تعمیر ہو چکی تھیں، ظاہر ہے نئے دور کے نئے تقاضے اور انداز بھی تو نئے ہونے تھے اور مزے کی بات خورشید میمن چچا کا گھر بھی ہمارے گھر کے ساتھ ساتھ بلند ہوتا جا رہا تھا، ظاہر ہے ان کے بھی بیٹے تھے اور جیسے جیسے وہ بیاہے جا رہے تھے، گھر میں منزلیں اور منزلوں میں کمرے بڑھتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

''ارے یہ کون سید نور کا جانشین بنا، لائٹ کیمرہ، ایکشن کا شور مچاتا پھر رہا ہے، یہ ہم موٹی بھائی کی مہندی میں آئے ہیں یا کسی فلم یا ڈرامے کے سیٹ پر؟'' میں بڑے فخریہ انداز میں کیمرہ مین اور فوٹو گرافرز کو خاص خاص اینگلز سے مووی اور تصاویر بنانے کی ہدایت دیتا پھر رہا تھا کہ عین اپنے پیچھے سے حیرت اور تجسس سے بھری آواز سن کر چونک گیا۔

''ارے تم نے پہچانا نہیں انہیں، یہ اپنے ارسل ماموں ہیں، کمال ہے تم انہیں بھول کیسے سکتی ہو؟'' ابھی تو پہلی آواز کے جھٹکے سے ہی میں نکل نہیں پایا تھا کہ اس پر تجسس سوال کے جواب میں عینی کی چہکتی سی آواز سن کر ایکدم پلٹا تھا اور پھر اپنے پیچھے عین پیچھے کھڑی اس زردے کی پلیٹ کو دیکھ کر دنگ ہی رہ گیا۔

جی ہاں ''زردے کی پلیٹ'' اور وہ بھی ناکوں ناک بھری ہوئی، بالکل زرد، زردے رنگ کا گھاگرہ چولی، جس پر ملٹی کلرز کے اسٹونز اور گوٹے کا کام بالکل اس طرح کیا گیا تھا، جیسے زردے کو رنگ برنگی اشرفیوں، بادام، پستہ اور گلاب جامنوں سے سجایا گیا ہو۔

اس کا لباس فاخرہ بھی اسی طرح ان رنگ برنگے نگوں سے لشک رہا تھا، پیروں میں گولڈن کھسہ اور ہلکے گھنگھریالے بالوں میں، رنگ برنگے موتیوں سے سجا پراندہ، جسے وہ ایک ہاتھ میں لئے گول گول گھماتی، میرا سر سے لے کر پاؤں تک جائزہ لینے میں مصروف تھی، اس کا لمبا چنری کا دوپٹہ بے نیازی سے اس کے ایک شانے پر پڑا جھول رہا تھا، تیز میک اپ کی تہیں اور ماتھے پر چمکتی ناگن ڈائزائن کی بندیا، دونوں ہاتھ بھر بھر کے پہنی گئیں ملٹی کلر چوڑیاں اور گھاگھرے کے نیچے سے نظر آتے سانولے سلونے ٹخنوں میں چمکتی گولڈن پازیب، اب آپ خود بتائیں، میں نے اگر ان محترمہ کو زردے کی پلیٹ اور وہ بھی ناکوں ناک بھری، کہہ بھی دیا تو کیا غلط کیا۔

''ارسل ماموں! پہچانا اسے؟ یا تم بھی اس کی طرح اپنے ماضی سے باغی ہو اور اچھا برا جیسا بھی ہو، اسے بھولنے میں ہی عافیت سمجھتے ہو۔''

بڑی آپا کی لاڈو عینی کی شوخ، چنچل، چہکتی (بلکہ میرا ریکارڈ لگاتی آواز) نے مجھے ایکدم چونکا دیا اور میں جوان محترمہ کا لاشعوری طور پر جائزہ لینے میں مصروف تھا گڑبڑا کر ان دونوں کو سوالیہ نظروں سے گھورنے لگا۔

''اچھا تو یہ ہیں جناب عزت ماب ارسل، موسل صاحب، ہوں...... ارے عینی آپی، یہ تو بالکل بھی نہیں بدلے، ویسے کے ویسے ہی ہیں جل ککڑ اور......''

''عینی کون ہیں یہ محترمہ؟ آج سے پہلے تو انہیں کبھی نہیں دیکھا؟'' اس گیندے کے پھول، کے منہ سے اپنے لئے جل ککڑ کا خطاب ہی مجھے آگ لگانے کے لئے تو کافی تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ میری رگوں میں خون کی جگہ لاوا بہنے لگا تھا، گرم گرم غصے کا ابلتا، کھولتا لاوا، مگر میں خود پر کنٹرول کرنے پر مجبور تھا کہ مجھے ان محترمہ کا حدود اربع ابھی معلوم نہ تھا، اس لئے صبر کے بڑے بڑے کڑوے کسیلے گھونٹ بھرتے ہوئے میں نے عینی سے بڑی معصومیت سے پوچھا، لیکن اس کے جواب سے پہلے ہی وہ ایک قدم آگے بڑھی اور مسلسل ایک ہاتھ سے پراندہ جھلاتی، دوسرا ہاتھ کولہے پر جمائے، میری آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے مسکراتی ہوئی بولی۔

''اوہو، تو یہ بات ہے، یہ حضرت تو لگتا ہے واقعی فارغ البال ہونے کے ساتھ ساتھ فارغ العقل بھی ہوتے جا رہے ہیں، یعنی کہ یہ واقعی اپنے تابناک ماضی کو کسی طاق میں رکھ کر بھول چکے ہیں، یا ابھی بھی میرے سامنے جم کر کھڑے ہونے کی تاب نہیں رکھتے، عینی، کیا یہ ابھی بھی کھیل کا میدان ویسے ہی درمیان میں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں، جیسے برسوں پہلے بھاگ جاتے تھے۔''

''ایں؟ یہ کیا؟'' ابھی تو میں اس کے فارغ البال (کہ میرے بھی آج کل کے نوجوانوں کی طرح بال گر گر کر بے حال ہو چکے تھے اور میرے سر کی دھرتی بنجر ہوتی جا رہی تھی) اور فارغ العقل کہلائے جانے پر ہی پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ اس کے اگلے جملے نے میرے سامنے ماضی کے کئی مناظر لا کھڑے کیے، میں حیرت کے مارے منہ اور آنکھیں بیک وقت کھولے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''یہ...... یہ...... صنم رشید میمن۔''

''جی...... میں...... صنم...... وہ ہی صنم جو آپ کو دیکھ کر واقعی صنم (بت) میں ڈھل جاتی تھی اور آپ...... آپ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے، جل ککڑے، بھگوڑے کہیں کے۔'' اک ادا سے لٹک مٹک کر کہتی، وہ میری حیرتوں اور حواسوں پر مزید بجلیاں گرا رہی تھی، کہاں وہ گندی مندی، الجھے الجھے بالوں والی ہونق صورت بھتنی چڑیل اور کہاں یہ بااعتماد، سانولی سلونی، درمیانے قد، مناسب سراپے والی صنم میمن، اب کہ میرا حواس باختہ ہونا لازم تھا اور میں واقعی حواس باختہ ہو بھی گیا۔

''کیوں؟ یاد آیا کچھ کہ ابھی بھی کچھ باقی ہے یاد کروانے کو۔'' اک ادا سے موتیوں گھنگھروؤں والا پراندہ میرے سینے پر مار کر اس نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔

''کک...... کیا...... کیا یاد کروں؟ اور کیا یاد کروانا چاہتی ہیں آپ مجھے؟'' اس کی اس حرکت پر میں مزید بوکھلاہٹ کے ساتھ ساتھ ہکلاہٹ کا بھی شکار ہو گیا۔

''ارے...... وہ ہی۔''

اور اس ''وہ ہی'' کے بعد اس نے بیچارے مومن خان مومن صاحب کی روح اور ان کے

کلام پر ستم کے پہاڑ توڑتے ہوئے، ان کی مشہور زمانہ غزل بالکل اقبال صاحب کی ''لب پہ آتی ہے دعا'' کے اسٹائل میں گنگنانے کی کوشش فرمائی تو مجھے اپنے ساتھ ساتھ اس کے فاطر العقل ہونے کا بھی بھرپور گمان ہونے لگا۔

اس پر عینی کی قلقل کرتی ہنسی، جو وہ اردگرد کے ماحول اور افراد کی وجہ سے دوپٹہ منہ میں ٹھونس کر روکنے کی کوشش میں بے حال ہوئی جا رہی تھی، میرے دماغ کا میٹر ایکدم پھر گھوما اور گمان غالب تھا کہ میں بچپن کی طرح ہی جما کر دو ہاتھ اس زردے کی پلیٹ کے کان کے نیچے دھر بھی دیتا، کہ حمنی مجھے بازو سے پکڑ، کھینچتی ہوئی وہاں سے لے گئی، پیچھے عینی کے ساتھ ساتھ اس کے قہقہے بھی میرے تعاقب میں بھاگتے چلے آ رہے تھے۔

یہ تھا میرا عرصہ دراز کے بعد اس بھتنی سے پہلا باضابطہ ٹاکرا، اب صورت حال یہ تھی کہ میں جدھر بھی جاتا، وہ کالی بلی میرا راستہ کاٹنے کو سامنے ہی کھڑی تھی، مہمانوں کے ہجوم اور ڈھیروں ڈھیر کاموں کے باوجود مجھے بارہا ایسا لگا جیسے میں کسی کی نظروں کے حصار میں ہوں، میری پشت کسی کی سلگتی نگاہوں کی تپش سے جھلس اٹھتی اور...... اور میں اس جلن سے گھبرا کر گھورنے والے کو کھوجتا ہی رہ جاتا، مگر کوئی بھی سرا ہاتھ نہ آتا، وہ شادی کے تمام فنکشنز میں تو وہ میسنی بنی آگے آگے نظر آتی ہی تھی، مگر باقی کا سارا وقت بھی اس کے ڈیرے ہمارے گھر ہی تنبے، بڑی آپا کی عینی حمنی، چھوٹی آپا کی ارفع اور بڑے بھیا کی ماہم کے ساتھ اس کی خوب گاڑھی چھنتی تھی، بلکہ مجھے تو اب جا کر علم ہوا تھا کہ وہ اب بھی اماں اور چھوٹی آپا کی ویسی ہی لاڈلی تھی جیسی کہ بچپن میں ہوا کرتی تھی، چھوٹی آپا کے گلے کا ہار بنی ان سے ڈھیروں ڈھیر باتیں کرتی، اماں کی خدمتیں، ابا کو ان کی پسند کی ادرک والی چائے کے مسکے لگاتی، بڑی بھابھی اور بڑی آپا بھاگ بھاگ کر کام کرتی اور ماڑہ بھابھی قاریہ بھابھی کے ساتھ مل کر نت نئی ڈشز ٹرائی کرتی، بس جب بھی دیکھو ادھر ادھر ڈولتی پائی جاتی، بھئی ظاہر ہے اسے کون سا رکشہ، ٹیکسی کروا کر آنا پڑتا تھا، دیوار سے دیوار ملی تھی اور چھت سے چھت، جب دل چاہا چھت سے ٹپک پڑی اور جب دل کیا دروازے کے راستے آن دھمکتی، شاید اسے روکنے ٹوکنے والا کوئی تھا ہی نہیں۔

میرا تو پہلے ہی زیادہ وقت گھر سے باہر گزرتا تھا، میں ماس کمیونیکیشن کا اسٹوڈنٹ تھا اور میری پوری دلچسپی اور لگن، ڈائیرکشن، پروڈکشن میں تھی اور اب تو میں اپنے دوست کے والد کے پروڈکشن ہاؤس کے ساتھ منسلک بھی ہو چکا تھا، اب میرا زیادہ تر وقت واقعی لائٹ، کیمرہ، ایکشن، کرتے ہی گزرتا تھا، گو کہ شروع شروع میں ابا میرے اس شوق سے سخت نالاں تھے، وہ برملا بھری محفل میں مجھے ناچا اور مراثی کا خطاب بھی دے ڈالتے، مگر میں جانتا تھا کہ یہ شعبہ ہی ایسا ہے کہ اس میں پہلے پہل سب کی مخالفت مول لینی ہی پڑتی ہے، اس فیلڈ میں نام کمانے عزت بنانے اور پھر مقام پانے کے لئے پتھروں کی راہوں پر بچھے کانٹوں پر ننگے پاؤں چلنا پڑتا ہے، اسی لئے میں نے ابا کی باتوں کو کبھی دل پر لیا ہی نہیں، نہ کبھی پلٹ کر انہیں جواب دیا اور نہ ہی کبھی خفگی یا ناراضگی کا اظہار کیا، ہاں اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ میں نے کبھی اس راہ کو چھوڑنے کا ارادہ بھی نہیں کیا، یعنی کہ اگر ابا خفا تھے تو میں بھی پرامید تھا کہ کبھی نہ کبھی تو انہیں منا ہی لوں گا اور انہیں اپنے شوق کے حق میں قائل

کر کے ہی رہوں گا، بالکل ایسے ہی جیسے انس بھائی اور مونس بھائی نے انہیں قائل کر ہی لیا تھا گراؤنڈ فلور پر بنے ہال کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ماربل اور لیدر گڈز کی مشین لگانے کے لئے۔

اور اب لگ رہا تھا کہ واقعی میں گھر والوں کو قائل کرنے میں، انہیں منانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا، کیونکہ بھائی کی شادی میں کی گئی میری ایونٹ مینجمنٹ میری ڈائریکشن میں، اوپر تلے بنے اور سپرہٹ ہونے والے دو ڈرامہ سیریلز، ٹاک شوز اور مارننگ شوز، سب نے مل جل کر میرا مورال کسی حد تک بلند کر دیا تھا، وہ سب اب سمجھ چکے تھے کہ میں شاید اسی فیلڈ میں نام روشن کرنے کے لئے اماں ابا کو آخری عمر میں انہیں عطا کیا گیا تھا، مگر نہیں، مجھ سمیت کسی کو بھی شاید اس کا علم نہ تھا کہ میں کس شعبے میں نام روشن کرنے کے لئے دنیا میں وارد ہوا تھا۔

☆☆☆

پروانسگ نکل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
تتلی تتلی لہراتے ہیں
پھولوں کی امید لئے
اک دن خوشبو ہو جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے

جی...... امجد اسلام امجد صاحب نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے، واقعی، محبت کا جذبہ جب کسی دل میں گھر کرتا ہے تو بس، پھر...... ''عشق نے کہیں کا نہ چھوڑا، آدمی ہم بھی ورنہ بہت کام کے تھے۔'' گنگناتا پھرتا ہے اور فروری تو نہیں کہ اس واردات قلبی کا شکار ہونے والے کسی خاص رنگ، خاص نسل، خاص عمر اور خاص مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہوں، جی نہیں، ایسا تو ہرگز بھی نہیں ہوتا ناں اور یہ تو میں نہیں جانتی کہ محترم کیوپڈ صاحب نے میرے معصوم اور نادان دل کو ہی ''نشانہ عشق'' کیوں بنایا اور کب بتایا، اس کے بارے میں، میں کچھ وثوق سے نہیں کہہ سکتی، مگر ہاں، مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ بچپن میں جیسے ہی گلی میں بچوں کے کھیلنے اور دوڑنے بھاگنے کی آواز میرے کانوں میں پڑتی، میں نہ چاہتے ہوئے بھی خود بخود ہی باہر کی سمت چل پڑتی، یہ دیکھے بغیر کہ میرا حلیہ کیا ہے، میرے پاؤں میں جوتا ہے کہ نہیں، بال بندھے ہیں یا جھاڑ جھنکار کی مانند بکھرے ہوئے ہیں، میں تو بس جیسے نیند کی کیفیت میں چلتی ہوئی گلی میں جا نکلتی اور ہوش تو اس وقت آتا جب سامنے کھڑے، بارے غصے کے لال بھبوکا چہرہ لئے ارسل کے ہاتھوں پٹ چکی ہوتی۔

اور ایسا تو ہمیشہ ہی ہوتا تھا کہ جتنا وہ مجھے جھٹکتا، اتنا ہی میں اس سے لپٹ لپٹ جاتی، جتنے مجھے دھکے مار مار کر اپنے سامنے ہٹانے کی کوشش کرتا، اسی قدر میں اس سے مار کھا کھا کر اس کی ہی پناہ میں جانا چاہتی، جانے کیوں اور پھر روتے روتے میرے منہ سے صرف اماں اماں، ہی نکلتا، حالانکہ ہم سب بھائی بہن تو اپنی والدہ کو امی جان کہتے تھے، مگر میں تب تک اماں، اماں کی دہائی دیتی رہتی، جب تک ارسل کی اماں اور آپا آ کر مجھے اس سے بچا نہ لیتیں اور یہ تو روز کا ہی تماشہ تھا، روز میں اس کے ہاتھوں پٹتی اور روز ہی وہ میری وجہ سے اپنی آپا کے ہاتھوں ذلیل ہوتا، حالانکہ میں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتی تھی، مگر...... ہر روز ہی خود بخود ہی یہ سب ہوتا چلا جاتا اور پھر وہ مجھ سے کترانے لگا، جہاں میری جھلک بھی دکھائی دے جاتی، وہ سر پر پاؤں رکھ کر اس طرح دور بھاگتا جیسے بھوت دیکھ لیا ہو، ویسے تو اس نے محبت بھتنی اور چڑیل، جیسے عظیم الشان

القابات سے نواز ہی رکھا تھا، مگر اب تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں اسے واقعی چڑیل ہی لگنے لگی تھی، اس کے اس طرح کھیل چھوڑ کر بھاگنے اور راستہ بدل لینے کی وجہ سے میرے نازک دل پر بڑا گہرا اثر پڑا اور پھر ایک دن مجھے میری باجی اور امی سے بھی اچھی خاصی ڈانٹ پڑی، بلکہ بڑے بھیا نے تو غصے میں آکر مجھے دو ہاتھ بھی جما دیئے، بات ہی کچھ ایسی تھی، اس دن محلے کے تمام لڑکے حسب معمول کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے اور میں، روز کی طرح اندھی بنی چلتی ہوئی سیدھی ارسل کے سامنے جا کھڑی ہوئی، اس نے بڑے غصے سے دانت کچکچا کر میری طرف دیکھا اور پھر بلا زور سے میرے پیروں میں پھینک کر واک آؤٹ کر گیا اور میں بھیگی پلکیں لیے، اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی، تب ہی عینی اور احمر آگے بڑھے اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے میرے گھر کے دروازے تک چھوڑ گئے، اتنے میں اسے کسی دوسری گلی سے پکڑ کر لایا گیا اور پھر قبل اس کے کہ ان کا کھیل پھر شروع ہو پاتا، جانے ان لڑکوں میں سے کسی نے اسے کیا کہا کہ ایکدم اس کے بھائی اور بھتیجے اس پر چڑھ دوڑے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ غدر مچا گلی میں کہ الاامان الحفیظ، گرد کے اڑتے بادل تھے، اور ہو ہا کی آوازیں، وہ لوگ خود کو بروسلی کے جانشین ثابت کرنے پر تلے، ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر وار کر رہے تھے، اتنا بے ہنگم شور اور چیخ چہاڑ سن کر اندر سے ابو اور ارسل کے گھر سے حسن بھائی دوڑتے ہوئے آئے اور بمشکل ان کو چھڑایا، تحقیقات کرنے پر فرد جرم میرے نام نکلی، ابو تو شاید درگزر کر ہی گئے کہ ابھی میری عمر ہی کیا تھی اور وہ ارسل بھی کون سا کہیں کا شہزادہ گلفام تھا کہ پریاں اور لڑکیاں اس کی ایک جھلک دیکھ کر ہی ڈھیر ہو جاتیں، یہ تو میرے ہی سر میں خدا جانے کیسا سودا آن سمایا تھا کہ اس سوکھے سڑے کالے لمبے بینگن جیسے ارسل موسل کو دیکھ کر بت ہی بن جاتی، جانے کیوں؟

''ناک کٹوا کر رکھ دی اس لڑکی نے ہماری سارے محلے میں، میں ٹانگ برابر چھوکرے جو میری ایک جھلک دیکھ کر راستہ بدل لیتے تھے، آج کیسے تن فن کر اور اچھل اچھل کر میرے ہی سامنے میری ہی بہن کی شان میں قصیدہ گوئی فرما رہے تھے اور میں...... اس کی وجہ سے، صرف اس کی بے وقوفی کی وجہ سے ان کی ٹکے ٹکے کی باتیں سننے پر مجبور ہو گیا، چپ چاپ کھڑا، ان کی بک بک سنے گیا اور یہ...... یہ میسنی گھنی اب کس طرح منہ اٹھائے، آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہی ہے، جیسے میں اس کی نہیں کسی اور کی بات کر رہا ہوں، بے وقوف، نالائق کہیں کی۔'' جلال بھائی کا غصہ لحہ بہ لحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا اور میں واقعی ہونقوں کی طرح منہ کھولے انہیں غصے کے مارے کف اڑاتا دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ ''انہیں کیا ہوا؟''

''باجی! میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا، پھر بھیا مجھ سے کیوں خفا ہیں، مجھے کیوں ڈانٹے جا رہے ہیں بھلا، میں تو کب سے آپ کے سامنے بیٹھی ہوم ورک کر رہی ہوں اپنا اور بھیا نے آتے ہی مجھے ڈانٹنا ہی شروع کر دیا؟'' بھیا سے نظر بچا کر میں نے پاس بیٹھی باجی کے کان میں گھس کر ہولے سے پوچھا تو جواب میں انہوں نے ایک زبردست گھوری کے ساتھ ساتھ ایک زوردار دھموکے سے بھی نواز ڈالا۔

''بس امی جان، بہت ہو گیا، آج سے صنم کا گھر سے نکلنا بند، اسے اسکول چھوڑنے اور لینے میں خود جاؤں گا، دیکھتا ہوں اب یہ کیسے رکتی ہے کسی جگہ، جہاں یہ رکی وہیں اسے زندہ گاڑھ کر واپس آ جاؤں گا، سمجھا دیں اسے اپنی زبان

میں۔" میرے ساتھ ساتھ سب کو کڑی نگاہوں سے گھورتے، زبردست انداز سے وارننگ دیتے، بھیا ابو کے پاس نیچے کارخانے میں چلے گئے اور پیچھے رہ گئیں امی اور باجی اور ان کے نرغے میں پھنسی میں، معصوم اور مظلوم سی صنم رشید میمن اور پھر تھوڑا عرصہ تو بھیا کی نگرانی کا سلسلہ بہت اچھے طریقے سے جاری رہا، مگر کب تک، دنیا میں اور بھی کام تھے بھیا کو، اس صنم کی نگرانی کے سوا، سو آہستہ آہستہ ان کے غصے کے ساتھ ساتھ حفاظت کا جذبہ بھی کم ہوتا گیا اور پھر جیسے ہی میری طرف سے ایک دو واقعات مزید رونما ہوئے، مجھے کالا پانی کی سزا سنا دی گئی۔

جی ہاں کالا پانی، حیدر آباد میرے لئے کالا پانی جیسا ہی تھا، جہاں مجھے ماموں، ممانی کی بیٹی بنا کر بھجوا دیا گیا اور میں معصوم کسی سے کچھ کہہ بھی نہ پائی کہ میرا تو کوئی قصور بھی نہ تھا، یہ ستم تو مجھ معصوم پر محبت کے شہنشاہ نے ڈھایا تھا، کیوپڈ کے ظالم تیر کا نشانہ میرے دل ناتواں کو اس طرح گھائل کر گیا کہ پھر نہ یہ دل کسی کام کا رہا اور نہ ہی میں۔

☆☆☆

ہزاروں دکھ پڑیں سہنا محبت مر نہیں سکتی
ہے تم سے بس یہی کہنا محبت مر نہیں سکتی
پرانے رابطوں کو پھر نئے وعدوں کی خواہش ہے
ذرا اک بار تو کہنا محبت مر نہیں سکتی

میں نے کامیابیوں کی طرف سفر شروع کر دیا تھا اور یہ سفر میرے اپنوں کی دعاؤں کے ساتھ بہت تیزی سے جاری تھا، اپنی ان کامیابیوں سے میں خود بے حد خوش تھا اور کیوں نہ ہوتا، آخر کار میں نے اپنی اماں اور ابا کے دل سے سارے واہمے دور کر ہی دیے تھے، خاص طور سے ان کا یہ وہم کہ میں شوبز کی چکا چوند میں گم ہو کر کہیں انہیں بھول ہی نہ جاؤں، کہیں اتنا مشہور اور مغرور ہی نہ ہو جاؤں کہ ان سے اپنے تعلق پر، اپنے متوسط طبقے کا فرد ہونے پر شرمندگی محسوس کرتے ہوئے انہیں Disown ہی نہ کر دوں، حالانکہ مجھے تو ہمیشہ سے ہی ابا کا فیورٹ شعر اپنی پوری جزئیات اور گہرائی کے ساتھ یاد رہا، کیونکہ بہت چھوٹی عمر میں ہی انہوں نے یہ خیال جیسے ہمارے ذہنوں میں اچھی طرح بٹھا دیا تھا۔

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
جنہیں پڑھ کر بچے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

تو پھر بھلا میں کیسے بھٹک سکتا تھا، مگر کیا کریں، میں نے بتایا ناں کہ میں ان کی آخری عمر کی آخری اولاد تھا، سو ان کا دل میرے لئے کچھ زیادہ ہی دھڑکتا تھا اور جناب دل تو آج کل میرا بھی دھڑک دھڑک جا رہا تھا، مگر نئی لے پر، اپنے ہی گھر میں ایک خاص قسم کے استحقاق کے ساتھ اسے چلتا پھرتا، بلکہ ہر ایک کے ساتھ بہت خاص اپنا پن لئے گھلتا ملتا دیکھ کر حیران رہ جاتا اور اس پر اس کا آتے جاتے مجھے کوئی نہ کوئی چبھتی ہوئی تیکھی بات لگا جانا کہ میں اندر ہی اندر جل بھن کر رہ جاتا اور وہ مزے سے اماں آپا یا بھابی سے گپیں لڑانے میں مگن ہو جاتی۔

"ارفع! یہ صنم آج کل کچھ زیادہ ہی ادھر نہیں پائی جانے لگی، کیا اس کے گھر والوں نے اسے نکال باہر کیا ہے، جو یہ لوگوں کے گھروں اور گھر والوں پر قبضہ جمانے کے چکر میں پھرتی رہتی ہے، چڑیل کہیں کی۔" چھوٹی آپا کی ارفع کے ہاتھ سے چائے کا مگ پکڑتے ہوئے میں سامنے کھڑی صنم کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا تو ارفع کے جواب سے پہلے ہی ادھر سے جوابی گولا داغ دیا گیا۔

"ارفی! اپنے ماموں سے کہہ دو، اگر ان سے میرا اور اماں کا پیار دیکھا نہیں جاتا تو اپنا بوریا بستر بھی اپنے پروڈکشن ہاؤس میں لے جائیں، کیونکہ میرے گھر والے مجھے نکالیں یا نہ نکالیں میں تو ان کے سینے پر مونگ دلنے کے لیے انہیں ہمیشہ یہیں نظر آؤں گی، چلتی پھرتی، کھاتی پیتی، ہنستی ہنساتی اور باتیں بھگارتی، چاہے ان کا کلیجہ جلے یا یہ خود جل جل کر کوئلہ بنیں۔" فاریہ بھابھی کی بھی ماویہ کو جلاتے ہوئے اس نے مزے سے کہا تو میں واقعی جل بھن گیا۔

"ارفع! یہ چڑیل، بھتنی، پہلے تو کبھی نظر نہیں آئی، مونی بھائی کی شادی میں جانے کہاں سے ٹپک پڑی اور میری پرسکون زندگی میں زلزلے لے آئی، پہلے کیا اس کے ابو اور بھائیوں نے اسے زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا جو اب آزاد ہوئی ہے تو لگتا ہے جیسے صدیوں بعد کسی چڑیل کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہو، شریف انسانوں کو تنگ کرنے ان کا خون چوسنے کے لیے۔" میں غصے میں جلا بھنا تو ہوا ہی تھا، نہ جانے کیا کیا کہتا چلا گیا اور اپنے جوش خطابت میں یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ اس کا سانولا سلونا رنگ کیسے پھیکا پڑ گیا تھا، اس کی چھوٹی چھوٹی کاجل بھری آنکھیں اس وقت ایسے تالاب کا منظر پیش کر رہی تھیں، جو پانیوں سے لبالب بھرا ہوا اور اس کے کنارے اگی گھاس جل جل کر سیاہ پڑ چکی ہو، وہ اپنے باریک کٹاؤ والے لبوں پر ظلم کرتی انہیں بری طرح کچلتی ایکدم جھٹکے سے اٹھی اور میرے نزدیک سے گزرتی ہوئی تیزی سے لاؤنج کا دروازہ پار کرتی سیڑھیاں اتر گئی، ہاں البتہ جاتے جاتے ہاتھ مار کر، میرے ہاتھ میں پکڑا گرم گرم بھاپ اڑاتی چائے سے بھرا فل سائز مگ میرے ہی اوپر الٹانا نہیں بھولی تھی۔

میں جو بڑے مزے سے زندگی میں پہلی بار اسے واک آؤٹ کرتے دیکھ کر اپنے دل میں بڑی کمینی سی خوشی پھیلتے محسوس کر رہا تھا، اس افتاد پر ایکدم جلبلا کر اٹھا تھا اور میرے اس طرح ایکدم اٹھتے ہی اچھل کود مچانے کی وجہ سے کچھ چائے بھمگ پاس کھڑی ارفع کے پاؤں پر بھی جا پڑی، اب کہ میرے ساتھ ساتھ وہ بھی اچھل رہی تھی، میں تو صرف اپنے کپڑے جھاڑنے اور خود کو اس جلن سے بچانے کی کوشش میں بندر بن گیا تھا، مگر بے چاری ارفع خواہ مخواہ ہی لپیٹے میں آ گئی، وہ تو باقاعدہ رو بھی رہی تھی اور مجھے کوس بھی رہی تھی کہ میری وجہ سے اس کے پاؤں پر چوٹ بھی لگ گئی تھی اور اس کا فیورٹ مگ بھی دو ٹکڑوں میں ٹوٹا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے دن رات کی محنت سے بڑھائے گئے، ہاتھوں پیروں کے ناخنوں میں سے پاؤں کے انگوٹھے کا ناخن بھی دولخت ہو گیا اور سب سے بڑھ کر اس کی نئی نئی دوست صنم بھی روٹھ کر جا چکی تھی، یعنی کہ میرے کھاتے میں ایک ساتھ ہی کئی کئی جرم آن پڑے تھے اور میں بے چارہ مایہ ناز ڈائریکٹر پروڈیوسر اپنے آدھے جلے جسم کے ساتھ، اب اماں، بڑی بھابھی اور آپا کی ڈانٹ کھا کھا کر جان بھی جلا رہا تھا۔

"تمہیں ضرورت کیا تھی، ارسل صنم کو کچھ بھی کہنے کی، کیا چڑ ہے تمہیں یار اس بے چاری سے، اتنی سیدھی سی تو ہے۔" (جی ہاں، جلیبی جیسی سیدھی) میں دل میں بڑبڑایا۔

"تم بچپن کی باتیں بھول نہیں سکتے یار، وہ زمانہ تو کب کا گزر گیا، اب نہ تم بچے ہو اور نہ ہی وہ بھتنی، میرا مطلب ہے بچی، دونوں بڑے ہو چکے ہو یار، تو پھر اپنے کام سے کام رکھا کرو ناں، ضرورت کیا ہے تمہیں ایک دوسرے سے الجھنے کی ایویں، فضول میں، اس کا دل بھی دکھایا، اماں کو

بھی ناراض کیا، ارفع کو بھی رلایا اور پھر سب سے بڑھ کر خود کو بھی جلایا، بھلا ملا کیا تمہیں یہ سب کر کے، بتاؤ ذرا۔" انس بھائی میرے زخموں پر مرہم لگاتے ہوئے ساتھ ساتھ بولتے بھی جا رہے تھے اور میں برے برے منہ بناتا چپ چاپ انہیں سنے جا رہا تھا۔

"تو اور کیا، سمجھائیں اسے انس، کم از کم مجھے تو اس سے اس طرح کی کسی بھی بیوقوفی کی قطعی توقع نہ تھی۔" مارہ بھابھی نے میری طرف پانی اور پین کلر بڑھاتے ہوئے خفگی بھرے انداز میں کہا تو میں بے بسی سے ان کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"اب ایسے کیا دیکھ رہے ہو، ٹھیک کہہ رہی ہے مارہ، کمال ہے، اتنا کچھ کہہ گئے تم گھر آئی مہمان کو، نہ اماں کا لحاظ کیا اور نہ ہی کسی اور کا اور اب اتنے برے برے منہ بنا کر ہمیں کیا دیکھ رہے ہو، جیسے سارا قصور ہمارا ہی ہو، چھوڑ و یار کیا رکھا ہے لڑائی جھگڑے میں، چھوڑ دو ان لڑکیوں کو اپنے حال میں، وہ چاہے صنم ہو، ارفع ہو یا ماہم، عینی ہو یا حمنی، تم بس ان کے معاملات میں ٹانگ مت اڑانا اب، سمجھے۔" انس بھائی نے شرارت سے کہا تو بھابھی کے ساتھ میں بھی مسکرا دیا، میں نے ایک بار پھر صنم نامی کالی بلی سے بچ بچا کر رہنے کا پکا ارادہ کر لیا اور اس پر کافی حد تک عمل پیرا بھی رہا، مگر وہ بھی صنم تھی، کیسے بھلا باز رہتی میرا راستہ کاٹنے سے۔

☆☆☆

میری آنکھوں کے سمندر میں جلن کیسی ہے
آج بھی دل کو تڑپنے کی لگن کیسی ہے
برف کے روپ میں ڈھل جائیں گے رشتے سارے
مجھ سے پوچھو کہ محبت کی اگن کیسی ہے
مجھے معصوم سی لڑکی پہ ترس آتا ہے
اسے دیکھو محبت میں مگن کیسی ہے

میری محبت نے مجھے اس سے زیادہ دن دور رہنے نہیں دیا، جس قدر غصہ کھا کر اور جتنی ذلت اٹھانے کے بعد میں اس روز وہاں سے نکلی، سب کے ساتھ ساتھ مجھے خود بھی پورا یقین تھا کہ شاید اب میں دوبارہ کبھی ادھر کا رخ نہ کروں، مگر کیا کرتی، اس دل کا کہ جس پر میرا اختیار شروع سے ہی نہ ہونے کے برابر تھا، وہ جو کسی نے کہا کہ۔

کروں گا کیا جو محبت میں ہو گیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

تو اسی محبت نے مجھے بہت جلد پسپا کر دیا، غصہ تو شام تک ہی کہیں منہ چھپا کر جا سویا تھا اور انسلٹ کا احساس تو اس کی کسک تو محبت کی کسک نے پچھاڑ ڈالا اور پھر جیسے ہی مارہ بھابھی، عینی اور چھوٹی آپا مجھ سے ملنے آئیں درپردہ مجھے منانے آئیں تو میں سب کچھ بھول بھال ان سے ایسے ملی جیسے ڈار سے بچھڑی کونج اور جب آپا کی زبانی ارفع ارفع کی چوٹ اور اس ستم گر کے جھلس جانے کا علم ہوا تو اس قدر بے چین ہوئی کہ اسی وقت ان کے ہمراہ ارفع کی عیادت کے بہانے اس دشمن جان کا دیدار کرنے جا پہنچی، مگر وہ ظالم تو ویسے کا ویسا ہی تھا، ایک بار پھر بچپن کی طرح میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، مگر وہ بچپن تھا، تب تو میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

مگر اب...... اب میں بھگوڑے کو کیسے بھاگنے دیتی، نبیل تو اسے ڈالنی ہی تھی اور میں نے ایسا ہی کیا، وہ جو انگریزی کا مشہور مقولہ ہے In love undwad every thing is fair) محبت اور جنگ میں سب جائز ہے، تو میں بھی اس محبت کی جنگ کو جیتنے کے لئے اس وادی پر خار میں کود پڑی، ساری کشتیاں جلا کر والی کیفیت اپنے اوپر طاری کیے، میں نے

سردھڑک کی بازی لگادی، مجھے اب ہر حالت
میں ارسل اور اس کی محبت کو جیتنا ہی تھا اور اس
کے لئے مجھے سب سے پہلے اس کی اماں اور ابا کو
اپنی مٹھی میں کرنا تھا، کیونکہ میں اچھی طرح سے
جانتی تھی کہ ارسل اگر دنیا میں کسی کے سامنے کھڑا
ہونے سے گھبراتا تھا تو وہ اس کے ابا تھے اور اگر
کسی کی بات کبھی بھول کر بھی نہیں ٹال پاتا تھا تو
وہ اس کی اماں تھیں اور سچ کہوں تو اس کی اماں
اتنی سویٹ، اتنی محبت کرنے والی تھیں کہ ان کا دل
جیتنے میں مجھے چنداں مشکل نہیں ہوئی تھی اور
رہے ابا جی تو وہ بھی ایسے ہی تھے، بہت پیار
کرنے والے پیارے انسان، سو میں اس مشن پر
چل نکلی اور بہت جلد میں اس میں کامیاب بھی ہو
گئی، کیونکہ اماں اور ابا تو پہلے ہی میرے ہمنوا تھے
اور جب ارسل نے اپنے تئیں میری انسلٹ
کر کے مجھے گھر سے نکالا تھا تو تب سے میں ان
کی نظر میں اور زیادہ اچھی اور معصوم ہو گئی تھی، لہٰذا
وہ اب مجھ سے پہلے سے زیادہ محبت کا اظہار
کرتے تھے، ان کے ساتھ ساتھ میں نے گھر کے
ہر فرد کو اپنی میٹھی میٹھی باتوں اور محبتوں کے جال
میں خوب اچھی طرح پھانس لیا سوائے بڑی آپا،
بڑی بھابھی اور خود اس ارسل موسل کے۔

مگر کب تک...... کب تک وہ مجھ سے بچ
سکتا تھا، میں نے آہستہ آہستہ اس کے گرد اپنا
دائرہ تنگ کرنا شروع کر دیا، نامحسوس انداز میں
اس کے کئی طرح کام اس طرح اپنے ذمے لئے
کہ کسی کو شک بھی نہ ہوا اور کسی نے اعتراض بھی
کیا، مثلاً اس کے کپڑے اگر دھلنے یا استری
کرنے والے پڑے نظر آ جاتے تو بھابھیوں کا
ہاتھ بٹانے کے بہانے نہ صرف دھو کر بلکہ استری
کر کے اس کی الماری میں رکھ دیتی، اس کی پسند
کے کھانے بھابھی سے سیکھنے کے بہانے سے
بناتی اور پھر اسے جتا کر کھلا کر سب کے سامنے
زبردستی اس سے تعریف بھی کرواتی اور وہ بے
چارہ اماں آپا اور بھابھی کی ڈانٹ سے بچنے کے
لئے اچھی ہے، ٹھیک ہے، مزے کا بنا ہے، جیسے
رسمی فقرے بول کر جان چھڑوانے کی کوشش کرتا،
مگر یہ صنم کا شکنجہ تھا، صنم میمن کا، وہ پنجابی منڈہ
بھلا کیسے نکل پاتا میرے کسے شکنجے سے، لہٰذا
آہستہ آہستہ میں اسے قابو کرنے میں کامیاب ہو
ہی گئی۔

☆☆☆

ہم نے تمہارے نام کی تتلی دبوچ لی
سب رنگ کائنات کے مٹھی میں آ گئے

''ارسل! اور کتنا عرصہ انتظار کرنا ہوگا ہمیں؟
آخر کب لاؤ گے تم اپنے گھر والوں کو ہماری
طرف فائنل بات کرنے کے لئے، اب تو اس خود
ساختہ منگنی کو بھی انجام پائے ایک عرصہ ہو چکا اور
تمہیں پھر بتا رہی ہوں میں، ابو اور بڑے بھیا پر
آج کل پھر میری شادی کا جنون سوار ہو چلا ہے
اور پھر چچا کریم بھی اپنے بیٹے تابش کے لئے
بہت اصرار کر رہے ہیں، پھر یہ نہ ہو کہ خاندان
والوں کے پرزور اصرار کے سامنے ابو مجبور ہو
جائیں اور انہیں کوئی مشکل فیصلہ کرنا پڑ جائے،
اسی لئے کہہ رہی ہوں ابھی بھی وقت ہے، اچھی
طرح سے سوچ لو، پھر نہ کہنا صنم بے وفا ہو گئی۔''
کلفٹن کے نسبتاً نیم تاریک گوشے میں میرے
سامنے بیٹھی وہ تفاخرانہ ادا سے سر جھٹکی کہہ رہی تھی
اور میں اس کے عشوہ وغزہ میں بری طرح الجھا
وارفتگی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''بولو ناں ارسل! کیا جواب دوں میں امی
اور باجی کو، وہ روز میری جان کھاتی ہیں کہ دل دیا
بھی تو کس گھونچو کو، عشق کیا بھی تو کس مٹی کے
مادھو سے کہ جسے اپنے حق کے لئے بھی آواز اٹھانی

نہیں آتی، اب میں کیا کہوں انہیں، تم بتاؤ؟''

''بس تھوڑا انتظار اور صنم، مجھے چند دن اور دے دو پلیز، دیکھو بھائی تو سارے ہی میرے ساتھ ہیں، رہ گئیں بھابھیاں تو جب بھائیوں کو کوئی اعتراض نہیں ہمارے رشتے پر تو بھابھیاں بھی کتنی دیر منہ پھلا پائیں گی بھلا، اصل مسئلہ تو دونوں آپاؤں کا ہے، جانے کیوں وہ مان ہی نہیں رہیں، ایسے ایسے اعتراض اور ایسے ایسے جواز ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتی ہیں کہ میں تو میں بے چارے بھائی بھی لاجواب ہو کر رہ جاتے ہیں، کاش اماں اور ابا یوں میری نیا بیچ منجدھار ڈولتی چھوڑ، اتنی جلدی ملک عدم نہ سدھارتے، سچ کہتا ہوں اگر اماں زندہ ہوتی ناں تو کب کے ہمارے سہرے کے پھول کھل چکے ہوتے، مگر افسوس نہ ان کی قسمت میں اپنے چھوٹے کی خوشی دیکھنی لکھی تھی اور نہ ہی ان کے چھوٹے کے نصیب، میں انہیں اپنی ہنسی بستی گھر ہستی کا سکھ دکھانا لکھا تھا، اب تو بس انتظار ہے کہ آپا اور بڑی بھابھی کسی طرح مان جائیں تو یہ بیل بھی بخیر و عافیت منڈھے چڑھے، بس اس وقت تک تم کسی نہ کسی طرح اپنے گھر والوں کو ٹالو پلیز۔'' میں نے وہ ہی پرانا رونا پھر سے اس کے سامنے رویا تو وہ بھی حسب معمول چڑ گئی۔

''دیکھو ارسل! تمہارے ان پرانے گھسے پٹے بہانوں سے کام چلنے والا نہیں ہے اب تو تمہیں کوئی ٹھوس قدم اٹھانا ہی پڑے گا، میں تمہیں بتا چکی ہوں ابو اور بھیا اب مزید انتظار کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں، پہلے ہی تمہاری آپاؤں اور بھابھیوں کی لگائی آگ بجھنے میں نہیں آرہی، اوپر سے وہ الو کا پٹھا تابش ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہے اور تم...... تم ہو کہ تمہیں کوئی فرق ہی نہیں پڑتا، مہینے میں دو چار بار بہانے سے ڈیٹ مار کے ہی بڑے طرم خان بنے پھرتے ہو، میں تمہیں بتا رہی ہوں لے گیا ناں جس دن وہ ڈولی میری، کرتے رہنا پھر کرسیاں سیدھی میرے باراتیوں کی دس ساٹھ کے ہیرو کی طرح اور آہیں بھرتے آنسو پونچھتے باراتیوں کو کولڈ ڈرنک پلاتے پھرنا اونہہ۔'' اس نے ایک بار پھر آگ لگانے والے انداز میں کہا تو میں واقعی سر سے پاؤں تک سلگ کر رہ گیا، یہ میری اس سے کوئی پہلی ملاقات نہیں تھی، ہم نے تو کراچی کا کوئی گوشہ نہ چھوڑا تھا جہاں اپنی محبت کی نشانیاں اور ثبوت ثبت نہ کیے تھے اور اسی طرح کی ایک خفیہ ملاقات میں احمر فواد (میرے بھتیجے) ارفع اور ماہم نے کامیاب چھاپہ مار کر ہمیں بقول آپا رنگے ہاتھوں رنگ رلیاں مناتے پکڑا تھا، اب یہ ان کی اینٹی سی آئی اے تھی یا پھر اس کے پیچھے کسی نادیدہ قوت کا ہاتھ ملوث تھا، کچھ کہا نہیں جا سکتا، مگر اس کامیاب ترین چھاپے نے ہمارے رومانس کے غبارے سے ہوا ضرور نکال دی تھی، احمر نے تو اسی وقت فون کر کے آپا بھابھی کے ساتھ ساتھ محسن بھائی اور انس بھائی کو بھی موقع واردات پر بلا لیا تھا اور وہ بھی اتنے ویلے اور گرم جوش کہ دیکھتے ہی دیکھتے جائے واردات پر آن پہنچے۔

بس جی پھر کیا تھا، وہ تمام خدائی فوجدار ہمیں اپنے گھیرے میں لئے جیسے تیسے گھر پہنچے اور پھر جو عدالت لگائی گئی جس طرح فرد جرم ہمارے نام نکلی اور جیسے ہم دونوں کو قابل گردن زنی قرار دیتے ہوئے سخت سے سخت ترین سزا ہمیشہ کی جدائی سنائی گئی، اس نے کم از کم مجھ پر اس مصرعے کا مطلب بہت اچھی طرح واضح کر دیا۔

رنگ بدلتا ہے آسمان کیسے کیسے، میں تو واقعی سب کو رنگ بدلتا دیکھ کر دنگ ہی رہ گیا تھا، کہاں تو صنم سب کی چہیتی، لاڈلی، معصوم، بہت اچھی اور

نیک بچی تھی اور کہاں اب وہ ایکدم سے چالاک
تھی، میسنی، جادوگرنی اور جانے کیا کیا ہوگئی،
اماں بے چاری تو دبے دبے لفظوں میں ہماری
طرف داری کرتی رہیں کہ میں اگر ان کا لاڈلہ تھا
تو صنم بھی ان کی بہت لاڈلی تھی، جسے انہوں نے
گودوں کھلایا تھا، ان کو شاید اس رشتے سے اس
قدر اختلاف نہ تھا جتنا کہ باقی سب کو تھا، میری
پیاری اماں کو بہرحال میری خوشی سب سے زیادہ
عزیز تھی، مگر باقی سب تو جیسے ہمارے خلاف محاذ
ہی کھول کر بیٹھ گئے۔

مگر ان سب کے سامنے بھی ہم تھے، ہم
ارسل علیم اور صنم رشید میمن، جانے وہ کیسی ضد تھی
جس نے میرا دماغ بالکل ہی گھما کر رکھ دیا، کہ
نے وہ انتہائی قدم اٹھالیا جس کے بارے میں کم
از کم میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا، مگر آپاؤں
بھابیوں کی طرف سے بار بار اس طرح کی
رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، مجھے بار بار اس طرح
ذلیل کیا گیا کہ میں زچ ہو کر رہ گیا، اس روز بھی
ہم دونوں چھپ چھپا کر طارق روڈ پر اپنے پسند
کے فوڈ کارنر میں بیٹھے لنچ اڑا رہے تھے کہ ماریہ
بھابھی اور چھوٹی آپا کے ساتھ عینی اور ارفع بھی
اسی ریسٹورنٹ میں آ دھمکیں، اب وہ اتفاقاً وہاں
آئی تھیں یا پھر ان کی وہی سپر سی آئی اے تھی کہ
ہمیں ایک بار پھر رنگے ہاتھوں پکڑ لیا انہوں نے،
اور ہم تو ابھی ان کے چھاپے سے ہی سنبھل نہیں
پائے تھے کہ صنم کی باجی اور بھابھی بھی شاپنگ
بیگز کا ڈھیر اٹھائے ادھر ہی آنکلیں، ان چھ عدد
خوفناک تیور لیے ہمیں بری طرح سے گھورتی
خواتین نے واقعی ہمارے اوسان خطا کر ڈالے
تھے، مگر یہ تو ابھی ابتدا تھی، اصل طوفان تو گھر جا
کر اٹھا تھا۔

"اماں! سمجھائیں اسے، اور کتنی ذلت
کروائے گا یہ ہماری، ارے اس کی ان حرکتوں کا
کیا اثر پڑ رہا ہے ہمارے بچوں پر، اسے تو اس کا
بھی خیال نہیں رہا، ابا ٹھیک ہی کہتے تھے، یہ شوبز
کی فیلڈ ہے ہی ایسی، سب کے سب مادر پدر
آزاد ہی ہو جاتے ہیں، کوئی شرم حیا باقی نہیں
رہے اسے، دیدوں کا پانی مر گیا ہے اس ارسل
موسل کا، غضب خدا کا سارے زمانے میں اسے
وہ بھتنی، چڑیل، میمن زادی ملی تھی عشق لڑانے
کو، ارے اماں میں کہہ رہی ہوں سنبھال لیں
اسے ابھی بھی ورنہ خاندان بھر میں رہی سہی عزت
بھی خاک میں ملا دے گا یہ چھوٹا کھوٹا آپ کا۔"

آپا کا غصہ تھا کہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، گھر
آتے کے ساتھ ہی پہلے تو انہوں نے خوب جی بھر
کے میری خاطر کی، پھر ان کی توپوں کا رخ صنم کی
طرف ہو گیا، غائبانہ طور پر اسے برا بھلا کہنے کے
بعد بھی جی نہ بھرا تو وہ خم ٹھونکتی اس کے گھر لڑنے جا
پہنچی، ادھر سے بھی خوب جوابی حملے کیے گئے اور
بات بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھی کہ باہر تک آنے
لگا، یہ حالات دیکھ کر میں اور انس بھائی بیچ بچاؤ
کروانے بھاگم بھاگ وہاں پہنچے، مگر وہاں کے
حالات دیکھ کر حقیقتاً میرا دماغ ہی الٹ گیا،
بھابھی اور آپا بڑھ بڑھ کر ان پر حملے کر رہی تھیں
اور صنم ایک طرف کھڑی مجرموں کی طرح سر
جھکائے صرف روئے جا رہی تھی۔

"آپا، بھیا کان کھول کر سن لیں، آپ
میری بات، میں شادی کروں گا تو صرف اور
صرف صنم کے ساتھ، وہ جیسی بھی ہے میری محبت
ہے، مجھے نہ تو اس کی ذات سے کوئی مطلب ہے
اور نہ ہی برادری سے، دنیا کی کوئی طاقت مجھے
میری محبت سے جدا نہیں کر سکتی، سنا آپ نے
اس لیے برائے مہربانی یہ تماشہ بند کریں اور
جائیں یہاں سے یہ شریف لوگوں کا گھر ہے

کوئی بازار کا چوک نہیں کہ آپ اس طرح، یاد رکھیے یہ میرا ہونے والا سسرال ہے یہ اور مجھے ان کی عزت کا بھی اتنا ہی خیال ہے جتنا کہ آپ لوگوں کا۔" میں نے ایکدم غصے سے اونچا اونچا بولتے ہوئے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ انگوٹھی نکالی جو چند گھنٹے پہلے ہی میں نے طارق روڈ سے خریدی تھی، صنم کی پسند کی اور اس کی چند روز بعد آنے والی سالگرہ پر اسے گفٹ دینے کے لئے، مگر اب حالات ایسے ہو چکے تھے کہ سالگرہ کا انتظار کون کرتا، میں نے وہ نفیس اور خوبصورت سی گولڈ رنگ وہیں سب کے سامنے روتی بلکتی صنم کا ہاتھ پکڑ کر اس کی انگلی میں پہنا دی اور اس کے سارے حقوق اپنے تئیں اپنے نام محفوظ کر لئے، میرے اس عمل نے میری دونوں آپاؤں کے پیروں تلے سے زمین ہی کھینچ لی تھی، وہ ایکدم گرنے کے سے انداز میں قریب پڑے صوفے پر ڈھیر ہو گئیں، جبکہ انس بھائی تسلی اور ہمت دینے والے انداز میں میرا شانہ تھپتھپانے لگے، باقی سب لوگوں پر تو میرے اس اقدام کا جو اثر ہوا سو ہوا، مگر اماں تو بالکل خاموش ہی ہو گئیں، میں جانتا تھا کہ میں نے شاید ان کے دل کو دھچکا پہنچایا ہے، میری اماں واقعی مجھ سے بے تحاشا محبت کرتی تھیں۔

"میں تجھ سے ناراض نہیں ہوں چھوٹے، مجھے صنم بھی اسی طرح پیاری ہے جس طرح تم، مگر کیا کروں تمہاری بہنوں اور بھائیوں کا بھائی تو تمہارے پھر بھی مان جائیں گے مگر تمہاری آپا، انہوں نے تو تمہارے ابا جی کو بھی ملا لیا ہے، مجھے بڑی فکر ہو رہی ہے بیٹا، میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی، جانے میں تمہاری خوشی دیکھ بھی پاؤں گی یا نہیں؟" میں نے اماں سے لپٹ کر معافی مانگی تو وہ میرا ماتھا چوم کر دلاسا مجھے ہی دلاسے دینے

لگیں، بلڈ پریشر اور شوگر کا مرض انہیں دن بدن گھلائے جا رہا تھا اور پھر اماں کا خوف کچھ اس طرح سچ ثابت ہوا کہ میں بالکل ہی ٹوٹ کر رہ گیا، اماں کا ایک رات بلڈ پریشر شوٹ کر جانے کے باعث بے ہوش ہو گئیں، انہیں بے ہوشی کے عالم میں فوراً ہاسپٹل لے جایا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکیں اور ابھی تو ہم اس صدمے سے ہی پوری طرح سنبھل نہیں پائے تھے کہ ابا بھی ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اماں کے پیچھے پیچھے چل دیئے، ساری زندگی اماں ابا کے نقش پا پر چلتی آئیں تھیں، مگر آخر وقت میں وہ ان پر سبقت لے گئیں اور اب ابا کو بھی ان کے پیچھے پیچھے جاتا دیکھ کر ہم سراسیمہ ہی ہو گئے، یہ دونوں صدمات ہماری پوری زندگیوں کو الٹ پلٹ کر گئے، اماں نے ٹھیک ہی کہا تھا ان کی آنکھ بند ہوتے ہی میری طرف کھلنے والی خوشیوں کے سارے در بھی شاید خود بخود بند ہو گئے تھے، گھر والوں نے واقع طور پر مجھے ان کی موت کا ذمہ دار قرار دے دیا تھا اور پھر مجھ پر اس یک طرفہ منگنی کو توڑنے کے لئے پوری طرح سے دباؤ ڈالا جانے لگا، مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا، سو میں اپنے فیصلے پر بدستور ڈٹا رہا۔

☆☆☆

آسان نہیں ٹوٹے ہوئے دل کا جوڑنا
پچھتاؤ کے خوابوں کی بستی اجاڑ کر

میرے دن رات اب اس کی یادوں کے سہارے گزرنے لگے، میں نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا کہ مجھے اس کے بغیر رہنا پڑے گا، میں نے تو اپنے سارے پتے بڑی احتیاط، بڑی مہارت کے ساتھ کھیلے تھے، میں تو اسے اپنے سحر میں پوری طرح جکڑ چکی تھی، لاکھ مخالفتوں، لاکھ دشواریوں اور سب کی نہیں نہیں کی

گردان کے باوجود مجھے پورا یقین تھا کہ ارسل میرا ہو کر ہی رہے گا اور پھر میرے اس یقین کو مستحکم بنانے کے لئے وہ اپنی اکلوتی خالہ کو بھی گواہ بنا کر لے آیا۔

ارسل کی ایک ہی خالہ تھیں اور وہ لاہور میں رہتی تھیں، خالہ کے بیٹے کی شادی میں سب گھر والوں کے ساتھ وہ بھی لاہور گیا، وہاں اس نے خالہ سے میرا ذکر جانے کن الفاظ میں کیا اور ہمارے ملن کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو کس پیرائے میں بیان کیا کہ اپنے بیٹے کی شادی سے فارغ ہوتے ہی خالہ نے ٹکٹ کٹائی اور کراچی آ گئیں، ارسل نے مجھے ان کی آمد اور اس آمد کے مقاصد ہی بتائے میں نروس ہو گئی، کیونکہ اس کے گھر والوں کی مخالفت اور ناراضگی تو میں پہلے ہی سہہ رہی تھی اور اب اگر خالہ جان بھی مجھے ریجکٹ کر دیتیں تو؟ اور اس خدشے نے میرے دن کا سکون اور راتوں کی نیند چرالی، امی جان اور بھابھی تو جیسے ہی خالہ جان کی آمد کا علم ہوا انہوں نے میری خوشی کی خاطر خالہ جان سمیت سب گھر والوں کو ڈنر پر انوائیٹ کر لیا اور سچ کہوں تو اب میرے ساتھ ساتھ امی اور بھابھیاں بھی کنفیوز ہو رہی تھیں، میرا چونکہ ارسل کے گھر شروع سے بہت آنا جانا تھا تو خالہ کے ہاتھ کے بنے مزیدار پکوان میں نے بھی بہت کھائے تھے اور اماں بطور خاص امی جان کو بھی بھجوایا کرتی تھیں (جب بھی خالہ آتیں) اب میری خاطر امی نے ان لوگوں کو کھانے پر بلا تو لیا، وہ میرے لئے بہت خوبصورت اور قیمتی تحائف لائی تھیں، وہ بڑی محبت سے مجھ سے ملیں، ان کے رویئے سے جھلکتا خلوص اور محبت صاف بتا رہا تھا کہ وہ اماں کی ہی بہن تھیں، میں ان سے مل کر خوش بھی تھی اور بہت مطمئن بھی، ڈھیروں تحائف، پھل، پھول، مٹھائی سب مل کر مجھے احساس دلا رہے تھے کہ یہ سب سوغاتیں میرے سسرال سے صرف اور صرف میرے لئے آئی ہیں، خالہ نے ہمارے ہر خدشے کو غلط ثابت کرتے ہوئے ہمارے رشتے پر قبولیت کی مہر ثبت کر دی، سب ٹھیک چل رہا تھا ہم ان دنوں ہواؤں میں اڑ رہے تھے، خوش رنگ تتلیاں بنے خوشیوں کے کھلے پھولوں پر دیوانہ وار رقص کرتے، اپنے آنے والے کل اور گزرے کل کو بھلائے بس اپنے حال میں مست، کہ ہمیں پورا یقین تھا کہ ہمیں ایک ہونے سے اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکے گی، مگر خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں اور دیوانوں کے خواب بھی کبھی سچ ہوئے ہیں بھلا۔

وہ بھی ایک خوبصورت شام تھی، خالہ ہماری جھولی میں ڈھیروں خوشیاں ڈال کر واپس جا چکی تھیں، میں روز کی طرح اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ارسل کی راہ دیکھ رہی تھی، یہ میرا روز کا معمول تھا، اس کے صبح آفس جانے کے وقت اور شام کو واپسی کے وقت میں اپنی کھڑکی میں کھڑے ہو کر اسے دیکھا کرتی تھی، ارسل اپنے ٹائم پر آ گیا، گھر کے سامنے گاڑی روکی، مسکراتا ہوا باہر نکلا اور روز کی طرح مجھے ہاتھ ہلا کر وش کرتا ہوا گھر کے اندر چلا گیا، میں وہیں کھڑی اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی کہ اچانک ایک غیر مانوس سا شور ادھر سے اٹھتا محسوس ہوا، پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے محسن بھائی، انس بھائی، ارسل اور بھابھی سخت پریشانی کے عالم میں افتاں وخیزاں گھر سے باہر نکلتے نظر آئے، پھر میرے سامنے وہ اسی پریشانی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے اور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر گاڑی بھگا لے گئے، میں اس منظر کو دیکھ کر ایکدم گھبرا گئی اور ساری احتیاطی تدابیر فراموش کرتی ہوئی سراسیمہ دوڑتی ان کے گھر چلی

گئی، گھر میں صرف فاریہ بھابھی اور بچے تھے اور بھابھی بھی بہت پریشانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔

''کیا ہوا بھابھی! سب خیریت تو ہے ناں، یہ سب لوگ کہاں گئے ہیں اس قدر پریشانی کے عالم میں؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے بھابھی سے پوچھا تو انہوں نے مجھ پر ایک افسردہ سی نظر ڈال کر سر جھکا لیا۔

''بھابھی پلیز، کچھ تو بتائیں، مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔''

''چھوٹی آپا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، سب انہیں ہاسپٹل لے گئے ہیں، ان کی کنڈیشن ٹھیک نہیں ہے، تم بھی دعا کرو صنم، اب کچھ غلط نہ ہو ورنہ بہت برا ہوگا، بھائی جان (آپ کے شوہر) بھی یہاں نہیں ہیں، تم دعا کرو صنم، آپا ٹھیک ہو جائیں۔'' فاریہ بھابھی نے میرے استفسار پر جو خبر مجھے سنائی تھی وہ مجھ پر بجلی بن کر گری تھی، آپا کا ہارٹ اٹیک؟ مطلب ہمارے ملن کی راہ میں ایک اور رکاوٹ، ایک بار پھر انتظار اور وہ بھی جانے کتنا لمبا، میرے کان سائیں سائیں کرنے لگے، میں بمشکل خود کو سنبھالے وہاں سے اٹھی اور اپنے آنسو، سسکیاں روکتی ہوئی اپنے گھر آ گئی۔

جانے کیوں اس خبر نے مجھے بری طرح دہلا دیا تھا، میرا دل اندر ہی اندر مجھے کچھ غلط بہت ہی غلط ہو جانے کی گواہی دے رہا تھا، میں جلے پیر کی بلی کی طرح اندر باہر پھر رہی تھی اور ارسل تھا کہ میرا فون اٹھا رہا تھا اور نہ ہی کسی ایس ایم ایس کا جواب دے رہا تھا، یوں تو آپا کے ہاسپٹلائز ہونے کی خبر سنتے ہی ابو، امی، بھیا، بھابھی سب ان کی عیادت کو چلے گئے تھے اور بھابھی نے مجھے فون کر کے بتا بھی دیا تھا کہ آپا اب خطرے سے باہر تھیں، مگر میرا وجدان مجھے کچھ اور ہی کہانیاں سنا رہا تھا، میری جب تک ارسل سے بات نہ ہو جاتی مجھے چین ملنا تھا اور نہ ہی قرار آنا تھا اور یہ بات خود وہ بھی جانتا تھا، مگر اس کے باوجود نہ تو اس نے مجھے فون کیا اور نہ ہی کوئی ایس ایم ایس۔

☆☆☆

''صنم! میں تم سے معذرت چاہتا ہوں، ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا، میں اب اس سے زیادہ اور اس رشتے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، میری طرف سے تم آزاد ہو جہاں چاہو جس کے ساتھ چاہو شادی کر لو، مگر اب میں مزید اپنے پیاروں کو تکلیف نہیں دے سکتا، اب اس سے زیادہ مجھ میں ہمت نہیں ہے ان کا دکھ، ان کی تکلیف دیکھنے کے لئے، تو مجھے معاف کر دیں، میری طرف سے یہ منگنی ختم سمجھیں۔'' اور آخر کار میرے تمام تر خدشات اپنے بدترین روپ میں سامنے آ ہی گئے۔

آپا کے ہاسپٹل سے گھر آنے کے بعد بھی ارسل سے میرا کوئی رابطہ نہ ہو پایا تھا، میں دو چار بار امی، بھابھی کے ساتھ آپا کی خبر گیری کے لئے بھی جا چکی تھی اور مجھے امید تھی کہ شاید ارسل بھی وہاں ہو، مگر وہ مجھے وہاں بھی نہ ملا اور نہ اسے میں اس کے گھر میں دیکھا تھا، وہ تو جیسے اس روز کے بعد سے غائب ہی ہو چکا تھا اور اب پورے مہینے بعد آ کر اس نے جیسے ہمارے سروں پر بم ہی پھوڑ ڈالا تھا، جس طرح سب کے سامنے بغیر ڈرے، بنا جھجکے مجھے انگوٹھی پہنا کر اپنا پابند کر گیا تھا، اسی طرح سب کے سامنے بلا خوف و خطر مجھے آزاد بھی کر گیا، اس کا یوں میرے گھر آنا، میرے گھر والوں کے سامنے ٹھکرانا، میرے باپ اور بھائیوں کے منہ پر جوتا مارنے کے مترادف ہی تھا اور انہیں ارسل کا اس طرح انکار کرنا لگا بھی تازیانے کی طرح ہی تھا، مگر پھر میری حالت دیکھ کر صبر کے گھونٹ بھر کر رہ گئے، بھیا فوری طور پر

محسن بھائی کے پاس گئے، مگر ان کے اپنے مسئلے مسائل تھے بڑی بھابھی، نندوں دیوروں کے ساتھ لڑ جھگڑ کر علیحدہ ہو چکی تھیں اور محسن بھائی ان کی وجہ سے سب سے کٹ سے گئے تھے، انہوں نے بھیا کی کسی بھی قسم کی مدد کرنے سے معذرت کر لی، کیونکہ ان کے خیال میں یہ ارسل کا اپنا ذاتی فیصلہ تھا اور وہ اپنے فیصلوں میں بااختیار بھی تھا اور خود مختار بھی، بھیا وہاں سے ایک طرح سے لاجواب ہی ہو کر آئے تھے اور پھر ان سب کا زور صرف مجھ پر ہی چلا، ان سب کی خفگی، ناراضگی حتیٰ کہ تشدد بھی مجھے ہی سہنا پڑا، امی اور باجی نے تو ٹھیک ٹھاک ٹھکائی کی تھی میری اور ابو تو اس قدر ناراض تھے کہ میری شکل دیکھنے سے بھی گئے۔

''کان کھول کر سن لو سب لوگ، جب تک اس کو بیاہ کر اس گھر سے دفع نہیں کر دیتے، یہ منحوس میرے سامنے نہ آئے۔'' اسی طرح کی پابندیاں بھائیوں کی طرف سے بھی لگ گئیں، اٹھتے بیٹھتے سب حسب توفیق طعنوں، تشنوں سے نوازنے لگے اور میں رہ رہ کر اپنی محبت کے لاشے کو اپنے ہی کاندھوں پر اٹھائے سسک سسک کر جینے اور سلگ سلگ کر مرنے پر مجبور ہو گئی۔

☆☆☆

''امی جان! آپ بالکل پریشان نہ ہوں، سب انتظامات مکمل ہیں، ابو کی چچا جان سے بات ہو گئی ہے، اگلے جمعے کو وہ لوگ آ جائیں گے، عصر کے بعد صنم کا نکاح ہے، ہم بھی اس ارسل موسل کو بتا دیں گے کہ ہم بھی کسی سے کم نہیں ہیں، ہماری بہن کے لئے ابھی بھی ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ ہماری اپنی برادری میں موجود ہے یہ تو اس کی ضد نے ہمیں مجبور کر دیا، ورنہ تھا کیا اس گھامڑ، کھڑوس میں، نہ عقل نہ شکل، کاٹھ کا الو، بے وقوف گدھا کہیں کا، مرد ہو کر بھائی بہنوں سے ایسے ڈرتا ہے جیسے ان کا زر خرید غلام ہو، ارے یہ تو ہماری لڑکی کے دماغ میں خناس سما گیا جو ہم مجبور ہو گئے، ورنہ ایسے ایسوں کو تو ہم اپنی سیڑھی بھی نہ چڑھنے دیں، بس آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں، اس جمعے کو اس کا نکاح ہو جائے گا، رخصتی تابش کے اگلے سال پاکستان آنے پر کر دیں گے، اچھا ہے ناں، وہ نکاح کے کاغذات ساتھ لے جائے گا اور صنم کا ویزہ لگوا کر لیتا آئے گا، تاکہ رخصتی کے بعد یہ بھی اس کے ساتھ ہی چلی جائے۔'' بھیا نے امی جان کو سارا پروگرام تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا، گو وہ بات تو امی اور باجی سے کر رہے تھے مگر میں جانتی تھی کہ در پردہ مجھے ہی سنایا جا رہا تھا، میرے دل میں درد کا جہاں آباد تھا، مگر یہ بھی سچ تھا کہ اپنے سے زیادہ اپنے گھر والوں کی ہونے والی ذلت اور رسوائی نے مجھے توڑ کر رکھ دیا تھا، میں تو اس کی دھتکار اور ٹھوکروں کی بچپن سے ہی عادی تھی، مگر اس بار اس نے میرے باپ، بھائیوں کی بے عزتی کی تھی، اپنے پیاروں کی تکلیف کا باعث مجھے اور میرے پیاروں کو ٹھہرایا تھا، سو اب مجھے اپنی سوئی ہوئی انا کو جگانا ہی پڑا تھا۔

اور پھر وہ جمعہ بھی آ گیا، میری بہنوں اور بھابھیوں نے بہت دن پہلے سے ڈھولک رکھ لی تھی، میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا، میں تو تدبیریں کر کر ہار گئی تھی، اس لئے اب خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا تھا اور چپ چاپ جس طرح گھر والے کہتے گئے، میں کرتی چلی گئی، خاندان کے علاوہ محلے میں سے بھی کافی لوگ مدعو تھے، جیسے ہی میں نے نکاح نامے پر سائن کیے، میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا، میں امی کے گلے لگ کر کچھ اس طرح ٹوٹ کر روئی کہ وہاں موجود ہر فرد کی آنکھ نم ہو گئی، حالانکہ ابھی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

تو صرف نکاح ہوا تھا، مگر مجھے لگ رہا تھا جیسے میرے جسم سے جان ہی نکل گئی ہو اور اب صرف خالی بت رہ گیا تھا، صنم نامی بت۔

☆☆☆

درد سے ہم رہ رہ کر الجھتے ہیں
کس مصیبت میں کوئی ڈال گیا
درد اٹھا کچھ اس طرح صنم
دل کی سب حسرتیں نکال گیا

میری دیوانگی انتہاؤں کو چھو رہی تھی، آپا کی اچانک در آنے والی بیماری نے مجھے اس قدر خوفزدہ اور حواس باختہ کر دیا کہ میں بالکل ڈھے کر رہ گیا، اب گھر میں کوئی بھی مجھے کچھ نہیں کہتا تھا، شوبز میں میرا ایک نام تھا، ایک مقام ایک پہچان بن چکی تھی، گھر سے باہر میں کتنا ہی معزز، کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جاتا، مگر گھر کے اندر میں ابھی تک وہ ہی چھوٹو تھا، بھائیوں اور بہنوں کا وہ چھوٹو جن کے مان توڑنے کی نہ کبھی پہلے مجھ میں ہمت ہوئی تھی اور نہ ہی اب ہو رہی تھی، اسی لئے ان کے مان کو توڑنے سے کہیں زیادہ آسان مجھے اپنا دل توڑنا لگا، سو ایک دن ہمت کرتے ہوئے میں نے اپنے دل پر پاؤں رکھا اور اس سے اپنا ہر رشتہ، ہر ناطہ توڑ لیا، میرے اس اقدام کے بعد ایک بار پھر طوفان اٹھ کھڑا ہوا، بالکل ویسا ہی جیسے کہ میرے اچانک منگنی کے فیصلے پر اٹھا تھا مگر اس بار یہ طوفان صنم کے گھر والوں نے اٹھایا تھا، اس کے بھائی میرے خون کے پیاسے ہو رہے تھے، اگر میں غلطی سے بھی ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو شاید وہ مجھے مار ہی ڈالتے مگر میری قسمت کہ میں آپا کی بیماری میں الجھا، ان کے ارد گرد ہی چکرا تا رہ گیا۔

اور پھر صنم کے بھائیوں نے اپنی رہی سہی عزت بچانے کے لئے صنم کا نکاح کر دیا، اسی تابش کے ساتھ جس کو وہ الو کا پٹھا کہتی تھی، جیسے ہی مجھے اس کے نکاح کی خبر ملی میرے اندر سناٹے پھیل گئے، میں جیسے اندر سے بالکل خالی ہو گیا، ویران کھنڈر کی طرح، میرے دل کا سکون تو پہلے ہی رخصت ہو چکا تھا، اب تو لگتا تھا حواس بھی ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے، میں میںٹلی اس قدر ڈسٹرب رہنے لگا کہ میری توجہ اپنے کام پر بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی اور میرے پروفیشن میں تو حاضر دماغی اور ذہانت ہی تو سب کچھ تھی، میرے ہاتھ سے کئی اہم پروجیکٹس نکل گئے، پروڈیوسر میری پاگل اور عشق کے ڈسے ہوئے تو نہ تھے کہ اپنا پیسہ برباد کرتے، میری ذہنی حالت اتنی ابتر ہو گئی کہ مجھے کام ملنا بند ہی ہو گیا، میرے کولیگز، میرے ورکرز، میرے دوست ایک ایک کر کے سب مجھ سے دور ہوئے جا رہے تھے، کوئی مجھ پر ترس کھاتا تو کوئی غصہ۔

مگر میں پاگل نہیں تھا، میں تو اپنے ضمیر کا قیدی تھا، دن رات ضمیر کے کوڑے کھاتا، اسی سے نظریں چراتا زندگی کے ایام کاٹ رہا تھا، میری حالت اس سارے عرصے میں اتنی خراب ہو چکی تھی کہ اب میرے اپنے میرے پیارے مجھے دیکھ کر روتے بھائی نے تو مجھے خوب ڈانٹا بھی تھا کہ میں نے اپنے دل کی سنے بغیر کیوں اتنا بڑا فیصلہ کیا، کیوں اپنی زندگی کے ساتھ اتنا بڑا کھیل کھیل گیا، مگر میں انہیں کیا جواب دیتا، میری تو بچپن سے ہی عادت تھی، کھیل درمیان میں ہی ادھورا چھوڑ کر بھاگ جانے کی، تو بھلا اب کیسے اس محبت کے کھیل کو پورا کر سکتا تھا، بھاگنا تو مجھے تھا ہی، مگر میری اس بھاگ دوڑ نے رشید چچا کے گھر والوں کی دوڑیں بھی لگوا دی تھیں، پہلے میری تلاش میں اور پھر صنم کے لئے رشتہ ڈھونڈنے کے چکر میں اور پھر جیسے ہی مجھے اس نکاح کی خبر ملی، میری دیوانگی عروج پر جا پہنچی، میں نے اپنا گھر

چھوڑ کر مستقل آپا کی طرف ہی ڈیرے ڈال لئے۔

ہم اس لمبے چوڑے گھر میں شب کو تنہا ہوتے ہیں
دیکھ کسی دن آمل ہم سے ہم کو تم سے کام ہے چاند

میرے سیل پر آنے والا یہ برقی پیغام صنم کے نمبر سے آیا تھا، ایک عرصے کے بعد اس کے نمبر سے آنے والے اس میسج نے مجھے چونکا دیا، میں تو ابھی تک اپنے حواسوں میں نہیں آیا تھا، اس کے نکاح کو چھ ماہ سے زیادہ ہو چکے تھے، اس دوران دونوں طرف گہری بھید بھری خاموشی چھائی رہی تھی، نہ تو اس نے کبھی رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی میں اپنے اندر اتنی ہمت کر پایا تھا، پھر آپا اور بھابیاں بھی میرے لئے رشتے ڈھونڈتی پھر رہی تھیں، بلکہ پچھلے چند ماہ سے تو وہ اور زیادہ متحرک ہو چکی تھیں، مگر میری طرف سے ہر بار انکار سن کر تلملا جاتیں۔

''ارے یہ اسی صنم چڑیل نے کوئی جادو ٹونہ کروایا ہے ہمارے چھوٹے پر، جو اسے اس کلو کے سوا اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتی۔'' مگر اٹھتے بیٹھتے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی پھرتیں، میں انہیں یہ بات کیسے سمجھاتا کہ یہ کوئی جادو ٹونہ نہیں، یہ عشق تھا اور عشق کبھی آسان نہیں ہوتا، یہ آگ کا دریا، تیر کر پار کرنا صرف عشق کے بس کا ہی کام ہے اور آج ایک عرصے بعد ملنے والے اس برقی پیغام نے میری ساری سوئی ہوئی حسیات بیدار کر دی تھیں، میں نے فوراً اس کے نمبر پر کال ملائی۔

''صنم! کیسی ہو تم، جواب کیوں نہیں دے رہی، کچھ تو بولو صنم، بات کرو مجھ سے، پلیز صنم۔'' اس کی ہیلو کے جواب میں، میں نے بے تابی کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا، مگر ادھر سے سوائے سسکیوں کے اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی اور اس کی یہ سسکیاں میرے دل پر تیر کی طرح لگ رہی تھیں، میں خود کو شدید اذیت میں محسوس کر رہا تھا۔

''صنم پلیز، اس طرح رو نہیں، بات کرو میرے ساتھ، گالیاں دو مجھے، کوسنے، بددعائیں دو، مگر خدا کے لئے مجھے اس طرح چپ کی مار مت مارو، مجھے اپنے آنسوؤں کے سمندر میں نہ ڈبوؤ صنم پلیز، کچھ تو بولو یار ایک بار، ایک بار آواز تو سنا دو اپنی، ترس گیا ہوں تمہاری آواز سننے کے لئے، تمہاری صورت دیکھنے کے لئے، خدا کے لئے، اتنی ظالم مت بنو، صنم پلیز۔'' میں خود بھی سسک اٹھا تھا، مگر اس نے کوئی بھی جواب دیئے بغیر فون بند کر دیا، میں نے بے تابی سے کال بیک کی، مگر اس نے پھر کاٹ دی، مگر میں ہمت ہارنے والا نہ تھا، بار بار کوشش کرتا رہا، آخر کار اس نے فون اٹھا ہی لیا۔

''کیوں تنگ کر رہے ہو تم مجھے، اب کیا رہ گیا ہے باقی، سب کچھ تو ختم ہو گیا، ختم کر دیا تم نے سب کچھ، اپنی جذباتیت کے ہاتھوں، آگ لگا دی میرے ارمانوں کے گلشن میں جھلسا کر رکھ دیئے خواب سارے، بکھر گئے ارمان میرے اور پھر بھی تمہیں چین نہیں، اب بھلا کیا چاہتے ہو مجھ سے، میں تو راکھ کا ڈھیر ہوں اب، اب کیا ملے گا بھلا تمہیں اس ڈھیر سے، جاؤ ارسل علیم جاؤ اب اپنی زندگی کو خوشگوار بناؤ، جسے چاہو جیسے چاہو، جس کے ساتھ چاہے مرضی شادی کر لو، میری طرف سے تم بالکل آزاد ہو، اب نہ مجھے کوئی بات سننی ہے اور نہ ہی تمہاری باتوں میں آنا ہے۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''صنم! میں مانتا ہوں کہ غلطی میری ہے، مگر میں کیا کروں یار، تم جانتی ہو ناں بچپن سے مجھے، میں تو شروع سے ہی ایسا ہوں، ایک بار بس ایک بار معاف کر دو، وعدہ کرتا ہوں اب کبھی تمہارا دل

نہیں دکھاؤں گا، پکا وعدہ یار، ایک بار اپنے ارسل کو معاف کردو، سچ رانی بنا کر رکھوں گا تمہیں، کبھی کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا، پلیز صنم۔"

"تم پاگل ہو گیا؟ اب کیسے بناؤ گے رانی، سب ختم ہو چکا ہے، میرا نکاح ہو چکا ہے ارسل نکاح، اب میں کسی اور کی بیوی ہوں اور اگلے چند مہینوں میں وہ آ کر مجھے لے جائے گا، کہا تھا ناں، کہا تھا ناں کہ بہت رو ؤ گے، بہت پچھتاؤ گے، جس دن کوئی اور میری ڈولی لے جائے گا، تم بس ہاتھ ہی ملتے رہ جاؤ گے اور اب تم دیکھ لینا، وہ لے جائے گا مجھے ہمیشہ کے لئے اور تم ادھر ہی بیٹھے رہنا مجنوں بن کر۔" وہ ایکدم میری بات کاٹ کر ہسٹریکل انداز سے چلائی تھی اور اس کی باتوں سے ٹپکتی بے بسی، لاچاری اور غصے نے مجھے بھی بے بس کر دیا اور پھر میں نے پوری قوت سے اپنا سیل فون دیوار میں دے مارا اور خود پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، لیکن اگر رونے سے سارے مسائل حل ہو جائیں اور بگڑی باتیں سنورنے لگیں تو پھر کیا ہی بات ہو، مگر رونے سے کبھی کسی مسئلے کا حل نکلا ہی نہیں، اس کے لئے تو عقل ہی لڑانی پڑتی ہے اور میں نے بھی جیسے تیسے عقل لڑائی، میری عقل نے جو مشورے مجھے دیئے اس کے مطابق میں ایک بار پھر صنم کی طرف دیوانہ وار لپکنے لگا، میرے بار بار فون کرنے پر بالآخر وہ پھر میرے ساتھ بات کرنے لگی، چند روز رو پیٹ کر ایک دوسرے سے لڑ بھڑ کر ہم پہلے جیسے ہو چکے تھے، اب ہم نے پھر سے ملنا شروع کر دیا، لیکن اب ہمیں بہت آسانی اور سہولت ہو گئی تھی، کیونکہ میرے گھر والے مجھے ہر قسم کے شک سے بری قرار دے چکے تھے اور اس پر بھی پہرہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا، وہ شاپنگ اور شادی کی تیاری کے بہانے آتی اور ہم غائب ہو جاتے۔

"ارسل! میں نے تمہارے بغیر یہ وقت جس طرح گزارا ہے ناں میں جانتی ہوں یا میرا خدا، مگر اب میں تم سے کہے دے رہی ہوں اب میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی، جو بھی ہو جائے، مجھے ہر حالت میں بس تمہارا ساتھ ہی چاہئے اور کسی کا نہیں اور دیکھو، اب میں تمہارے لئے صرف تمہاری خاطر ایک رسک لینے جا رہی ہوں، اب کی بار مجھے دھوکہ مت دینا، پلیز ارسل پلیز۔" اس روز بھی ہم اسی طرح چوری چھپے ملے تھے، میری بے تابیوں بے قراریوں کے جواب میں اس نے کچھ اس طرح بے قراری کا اظہار کیا کہ میں بھی دنگ رہ گیا۔

میرے بہت پوچھنے بہت اصرار کرنے پر بھی اس نے مجھے اس رسک کے بارے میں نہیں بتایا تھا، یہ الگ بات کہ میں دل ہی دل میں بے حد خوفزدہ بھی ہو رہی تھی کہ اب جانے یہ دیوانی لڑکی کیا گل کھلائے اور پھر جو گل بلکہ گلزار اس نے کھلائے، اس کے بارے میں تو میں نے کبھی کبھی نہیں سوچا تھا۔

☆☆☆

بیان ہر ایک سے ہجر و وصال کرتے ہو
کیوں اپنا شہر میں جینا محال کرتے ہو
بچھڑ کے بھی ملے ہیں بھلا چاہنے والے
کیوں اپنے آپ کو یونہی نڈھال کرتے ہو
سنا ہے وہ بھی تمہیں پوچھتا ہے ایسے ہی
تم اس کے بارے میں جیسے سوال کرتے ہو
وہ آشنائی اسے یاد ہی نہ ہو شاید
تم جس کے نام پے سب ماہ و سال کرتے ہو
بہت عزیز تھا وہ شاید اس لئے محسن
بچھڑنے والے کا اب تک ملال کرتے ہو

اس سے بچھڑنے اور کسی اور کی ہو جانے

کے باوجود، اس سے بچھڑنے کا ملال مجھے دم بدم مار رہا تھا، میں اندر سے ختم ہوئی جارہی تھی اور پھر شاید میں بالکل ہی ختم ہو جاتی کہ اس دشمن جان کی یاد نے اس قدر بے کل کیا کہ بے خودی کے عالم میں اس جانے پہچانے نمبر پر ٹیکسٹ کر بیٹھی، بس پھر مجھے یوں لگا جیسے میری روٹھی زندگی میری بچھڑی خوشیاں مجھے واپس مل گئی ہوں، میں ایک بار پھر اندھوں کی چلتی ہوئی اسی راہ کی طرف چل پڑی جس پر میرا دل میری انگلی پکڑ کر مجھے چلائے جارہا تھا، ارسل سے ایک بار پھر رابطے استوار کیا ہوئے میں ہر طرف سے بے گانہ ہوتی چلی گئی، انا، عزت، وقار سب دانتوں تلے انگلیاں دبائے حیرت بھری نگاہوں سے مجھے اور میری دیوانگی کو دیکھتے ہی رہ گئے، میں نے بہت سوچنے کے بعد ایک فیصلہ کیا اور اس پر عمل کرنے کا بھی پورا پورا پروگرام ترتیب دے ڈالا، مگر اس سے پہلے مجھے اس کا بھی پکا یقین کرنا تھا کہ وہ میرا ساتھ دے گا بھی یا نہیں، میں اسے ہمیشہ کے لئے پانے کی خاطر آخری داؤ کھیلنے جارہی تھی، اس میں مصیبت بھی ہو سکتی تھی اور مات بھی، اگر میرا داؤ کامیاب رہتا تو اس کے ملن کی صورت جیت میرا مقدر بنتی اور اگر وہ مجھے نہ ملتا تو موت کی صورت پھر مات تو تھی ہی اور میں نے ارسل سے ساتھ نبھانے کا پکا وعدہ لینے کے بعد پلان پر عملدرآمد شروع کر دیا۔

سب سے پہلے میں نے امی اور باجی کے سامنے رخصتی سے انکار کر کے ایک قسم کا دھماکہ کر ڈالا، امی تو مارے حیرت کے گنگ ہی رہ گئیں، مگر باجی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکیں، کیونکہ تابش چند روز تک واپس آنے والا تھا، میری رخصتی کی تاریخ طے ہو چکی تھی، گھر میں تیاریاں زور شور سے جاری تھیں اور ایسے میں میری طرف سے اس اعلان نے تو ہنگامہ کھڑا کرنا ہی تھا، مگر میں بھی اپنی ضد کی پکی تھی اور میری ضد سے تو سب ہی واقف تھے اور ایک طرح سے زچ بھی، حتیٰ کہ ابو اور بھیا بھی، ایک بار پھر گھر بھر میرے خلاف ہو چکا تھا، مگر مجھ پر کوئی چیز بھی اثر نہیں کر رہی تھی، امی کا رونا، نہ بہنوں، بھابھیوں کے واسطے اور نہ ہی بھیا کی مار، مجھ پر اب ہر چیز جیسے بے اثر ہو کر رہ گئی تھی، دن پر دن گزرتے جارہے تھے، گھر والے اپنے سارے حربے آزما چکے تھے، مگر میرے حوصلے ابھی بھی جوان تھے، میں اپنی ضد پر ہنوز اڑی ہوئی تھی اور پھر شادی سے ہفتہ بھر پہلے میں نے ترپ کا آخری پتا چلایا۔

''امی جان! آپ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہی ہیں میں نہیں رہ سکتی ارسل کے بغیر، آپ میری بات مان لیتی ناں بھی، میری جان چھڑوا دیتی ناں اس الو کے پٹھے تابش سے تو کیا تھا، میں نہیں رہ سکتی اس ڈفر کے ساتھ، وہ دو اور دو پانچ کرنے والا حسابی کتابی بندہ، میرے نازک جذبات اور احساسات کیا سمجھ پائے گا، میرا دل نہیں مانتا امی اس کے ساتھ کے لئے، میں اس گدھے کے ساتھ بھی خوش نہیں رہ پاؤں گی اور اس طرح گھٹ گھٹ کر مرنے سے کہیں بہتر ہے کہ میں ایک بار ہی مر جاؤں، پھر تو آپ کی عزت بھی رہ جائے گی اور بات بھی، ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا، میں نے اپنے دل کی خوشی کے لئے آپ کے دل کو تکلیف پہنچائی، مگر کیا کروں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔'' رات کے پچھلے پہر امی کے نام یہ بے ربط سی سطریں، بے ربط سے ہی انداز میں گھسیٹ کر میں نے اپنا آخری داؤ چل ہی دیا، امی کی ہی نیند کی گولیاں مناسب مقدار میں پھانک کر (ارے مجھے سچ مچ تھوڑی مرنا تھا) وہیں امی کے قدموں میں ہی ڈھیر ہو گئی اور میری توقع اور پلان کے عین

مطابق ای جیسے ہی فجر کے لئے اٹھیں مجھے اپنے قدموں میں آڑا ترچھا بے سدھ پڑا دیکھ کر گھبرا گئیں، ان کے شور اور واویلے کی وجہ سے گھر والے بھی اٹھ گئے اور ساری صورت حال جان کر پریشان ہو گئے، مجھے فوراً ہسپتال لے جایا گیا، بروقت طبی امداد مل جانے کی وجہ سے میری جان بھی بچ گئی اور میری طرف سے اٹھائے جانے والے اس انتہائی قدم کی وجہ سے تابش سے میری جان بھی چھوٹ گئی۔

میرے لکھے گئے آخری خط کو میری طرف سے آخری وارننگ سمجھتے ہوئے ان لوگوں کو جانے کیا کہا گیا کہ ادھر سے رخصتی کے مطالبے کی جگہ طلاق کے کاغذات موصول ہو گئے، میں شاید اس دنیا کی واحد لڑکی تھی جو داغ (طلاق کے لگنے سے اس طرح خوش تھی جیسے ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ لگ گئی ہو) میرے روم روم سے چھلکنے والی مسرت اور میرے بے ساختہ امڈنے والے قہقہے سب کو مارے حیرت کے گنگ کیے جا رہے تھے، مگر مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہ تھی، میں جو چاہتی تھی میں نے حاصل کر لیا تھا، ادھر تابش کے نام کا دم چھلا میرے نام سے ہٹا، ادھر ارسل ایک بار پھر میرے در پر سوالی بنا آن کھڑا ہوا، اس نے میرے گھر کے ایک ایک فرد سے معافی مانگی، ابو اور بھیا کے پاؤں میں گر کر میرا ہاتھ مانگا، اس کی حالت اور میری ضد اور خوشی کو دیکھتے ہوئے میرے گھر والے ایک بار پھر مان گئے اور مجھے پھر سے ارسل کے ساتھ منسوب کر دیا گیا، مگر اس کے گھر والے، اس کے گھر والے ابھی بھی وہیں کھڑے تھے جہاں پہلے روز کھڑے تھے، مگر مجھے اب کسی کی کوئی پرواہ نہیں تھی، کیونکہ میں جانتی تھی کہ دلہن وہی جو پیا من بھائے، اور میں نے اپنے پیا کے دل و دماغ پر اس طرح چھا چکی تھی کہ اب وہ میری آنکھ کے اشارے پر چلتا تھا، میرا اس کے ساتھ ہر لمحہ رابطہ رہتا، فون، ٹیکسٹ، کھڑکی، ہر وہ ذریعہ جس سے میں اسے باندھ سکتی تھی میری دسترس میں تھا اور پھر اس دسترس کو مزید مضبوط کرنے کے لئے میں اکثر اسے گھر بھی بلا لیتی، اس کی پسند کی ڈشز بنواتی، اس کے ناز اٹھاتی، مگر درپردہ اپنے ناز نخرے اس طرح اس سے اٹھواتی کہ خود اسے بھی خبر نہ ہو پاتی، میں اب اسے اپنے ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتی تھی، میری زندگی کا ایک ہی مقصد رہ گیا تھا، اس کے دل کے ساتھ ساتھ اس کے گھر پر بھی راج کرنا، اس کے گھر والے چاہیں یا نہ چاہیں مگر مجھے تو ارسل علیم کی زندگی میں شامل ہونا ہی تھا اور وہ بھی ڈنکے کی چوٹ پر اور مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دن جلد ہی آئے گا جب میرے سارے خواب ایک ایک کر کے ضرور پورے ہوں گے۔

☆☆☆

ہم تم سے ملے، پھر جدا ہو گئے
اور جدا ہو کہ، ہم دیکھو پھر مل گئے
اب ہو کے جدا، پھر ملیں نہ ملیں
تو کیوں نہ ایسا کریں
مل جائیں چلو ہم صدا کے لئے
ہم تم سے ملے!!!!

میرے دل جذبات کی ترجمانی کرنے والے ان بولوں کو سن کر وہ اک ادا سے مسکرائی تھی اور سیدھی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے دیکھتے ہوئی بولی۔

''اگر آپ سدا کے لئے مجھ سے ملنا چاہتے ہیں تو پھر اس کے لئے بھرپور اور کامیاب کوشش آپ کو ہی کرنا ہوگی، کیونکہ اپنی بازی تو میں کھیل چکی، اب آپ کی باری ہے، اب ہمت آپ نے دکھانی ہے، میں تو اپنی ہمت کے بل بوتے پر آپ

کے سامنے بیٹھی ہوں، پہلے کی طرح۔"

"تو...... میں کب کہہ رہا ہوں تمہیں کہ چلو میرے ساتھ، آج ہی کورٹ میرج کر لیتے ہیں ہم، میرے گھر والے تو شاید کبھی نہ مانیں، ابا بھی ایسے ہی چلے گئے اور اماں بھی اور اب بھی حالات تمہارے سامنے ہیں، پہلے بھی جیسے ہی میں نے شادی کے لئے دباؤ ڈالا تھا، آپا کو ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا اور بھیا کو ہائپر ٹینشن اور اسی ٹینشن کے عالم میں، ہم جدا ہو گئے اور سچ پوچھو تو اب بھی یہی عالم ہے، ایک کو مناتا ہوں تو دوسرا روٹھ جاتا ہے، عجیب گورکھ دھندے میں جان پھنسا بیٹھا ہوں، لیکن اگر تم میرا ساتھ دو اور کورٹ میرج کے لئے مان جاؤ تو......؟"

"نہیں ہر گز نہیں، ارسل صاحب آپ کو تو اب اپنے گھر والوں کو منا کر لانا ہی ہو گا، یہ اب میری ضد ہے، یاد ہے جب میں نے تمہیں کورٹ میرج کے لئے کہا تھا تو تمہیں کیسے آگ لگی تھی کیسے لیکچر سنایا تھا، تم نے مجھے اور کس طرح سینہ ٹھونک کر سنایا تھا مجھے کہ میں تمہیں بھگا کر نہیں لے جاؤں گا، ہمارے خاندان میں ایسے نہیں ہوتا، شادی کریں گے تو پوری عزت کے ساتھ اپنوں کی موجودگی میں، ان کی گواہی اور دعاؤں کے ساتھ لے جاؤں گا تمہیں، تو اب میں کیوں کروں یہ چھپ چھپا کر کورٹ میرج، تا کہ ساری عمر تمہارے گھر والے مجھے گھر سے بھاگی ہوئی کا طعنہ دیتے رہیں نہیں ہر گز نہیں؟" میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ مجھے کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ نہ صنم میں کیا کروں، ان سب کو مناتے مناتے تو میرے سارے بال جھڑ گئے، اب بچے کھچے سفید ہو جائیں گے، مگر وہ نہیں مانیں گے، میں جانتا ہوں اچھی طرح یار وہ سب......؟"

"تو......؟ اس سے کیا فرق پڑتا ہے، کوئی ناراض ہے یا نہیں، تمہیں کون سا پوری جج اٹھا کر لانی ہے، کون کہتا ہے تمہیں ایک ایک کے ترلے کرو، زندگی ہماری ہے، اس پر حق بھی ہمارا اپنا ہی ہے اور اس کے ساتھ جو بھی کریں اچھا برا اس بات کا حق بھی ہمیں ہے اور رہی بات کسی کو ساتھ لانے کی تو نکاح نامے پر دستخط کرنے کے لئے تو صرف دو گواہوں کی ہی ضرورت ہوتی ہے ناں اور بقول تمہارے محسن بھائی تو تمہارے حامی ہیں ہی ناں، پھر کچھ دوست بھی ہیں تمہارے اور وہ احمر، فواد اور مومن بھی تو ہیں، تو جب اتنے سارے گواہان ہیں تمہارے پاس تو پھر اور کس کا انتظار ہے تمہیں اور کتنا ذلیل کرواؤ گے میرے ابو اور بھائیوں کو خاندان برادری میں، آج تو فائنل تاریخ بتا ہی دو مجھے تم، کب آ رہے ہو ابو سے فائنل بات کرنے کے لئے۔" میری بات پھر تیزی سے کاٹتے ہوئے اس نے مجھے اس طرح گھرا کہ میں لاجواب ہو کر رہ گیا۔

☆☆☆

"ارسل علیم صاحب! صنم رشید میمن کو بعوض 50 لاکھ سکہ رائج الوقت حق مہر آپ کے نکاح میں دیا جاتا ہے، کیا آپ کو قبول ہے؟" قاضی صاحب کے الفاظ مجھے کچھ سمجھ میں آئے کچھ نہیں، مگر میں نے میکانکی انداز میں سر ہلانے کے ساتھ ساتھ وہ جہاں جہاں سائن کرنے کو کہتے رہے کرتا چلا گیا، میرے حواس میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے، میں چاہنے اور بہت کوشش کے باوجود سوائے محسن بھائی کی فیملی کے اور کسی کو ساتھ نہ لا پایا تھا اور محسن بھائی بھی اس لئے کہ وہ ابا کی وفات سے پہلے ہی الگ گھر میں شفٹ ہو گئے تھے، میں نے اپنے گلٹ کے ہاتھوں مجبور ہو کر

اور کسی سے ذکر ہی نہیں کیا تھا، کیونکہ صنم نے بھی تو صرف محسن بھائی کا نام لیا تھا، سو میں نے صرف انہی کو اعتماد میں لیا اور اپنے چند دوستوں کو باراتی بنا کر لے گیا، یہ جانے بغیر کہ میرے باقی بھائیوں اور بہنوں کے دلوں پر کیا گزرے گی، ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ میں نے تمام رسومات انجام دیں اور پھر بھابھی کے کہنے پر کھانے کے بعد رخصتی کر دی گئی اور یہ وقت مجھ پر بہت کڑا تھا، صنم کا تو مجھے پتا نہیں کیونکہ اس کے تاثرات سے کچھ بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا، مگر میرے قدم تو من بھاری ہو رہے تھے، میری نگاہوں کے سامنے سے اپنا بچپن، اماں، ابا، بہن بھائی سب فلم کی ریل کی طرح گزر رہے تھے، میں بوجھل دل اور جھکے سر کے ساتھ اپنی دلہن کا ہاتھ تھامے اپنے گھر، اپنی جنت کی دہلیز پر کھڑا رہ گیا، کہ بھیا، بھابھی ہمیں دروازے تک چھوڑ کر اپنے گھر چلے گئے تھے۔

اب مجھے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ یہ کیسی شادی ہے، یہ کس طرح کی دیوانگی، کس طرح کا دل کا معاملہ تھا کہ جس نے ہر طرح کے سود و زیاں سے بے پروا کر کے مجھے اس موڑ پر لا کھڑا کیا، جہاں آگے کنواں پیچھے کھائی والی سچویشن تھی، مجھے اپنے بھائیوں کی شادیاں یاد آ رہی تھیں، جس طرح بھائیوں کا پرجوش استقبال کیا گیا، جس جوش سے ساری رسمیں نبھائی گئی اور جس مان سے نئی بہوؤں کو خوش آمدید کہا گیا، مجھے رہ رہ کر یاد آ رہا تھا اور میرے آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے، میں نے روتے ہوئے اپنے گھر کی دہلیز پار کی اور صنم کو ساتھ لئے اوپر آ گیا۔

لاؤنج کے دروازے پر قدم رکھتے ہی ایک اور دل چیر دینے والا منظر میرا منتظر تھا، انس بھائی سامنے ہی اسٹول پر چڑھ کر پردہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے تا کہ ہم انہیں اپنا منہ دکھائے بغیر اپنے پورشن میں چلے جائیں، دوسری طرف مونی بھائی، بھابھیاں، آپا میں اور ان کے بچے افسردہ بیٹھے آنسو بہا رہے تھے، جیسے کسی کی میت سامنے پڑی ہو اور میت تو واقع رکھی تھی ان کے سامنے، اس مان، اس محبت اور اس آبرو کی میت جس کی چادر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تار تار کرتا ہوا، اپنے من کی من مانی کر چکا تھا، انہیں اس طرح روتے دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹ گیا میں اور زور زور سے رونے لگا، مجھے اس طرح روتے دیکھ کر سب روتے چلے گئے۔

''چھوٹے، ہم محسن بھائی اور بڑی بھابھی کو تو لے گئے ساتھ مگر ہم بھی تو تمہارے کچھ لگتے تھے ناں، اگر ہم سے بھی ذکر کر لیتے ہمیں بھی اتنا مان دے دیتے تو......'' انس بھائی میرے گلے لگے روتے ہوئے بولے تو مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

''بھائی، بھابھی، آپا ہمیں معاف کر دیں، ہم سے بہت بڑی غلطی ہو گئی، ہم واقعی جذبات میں اندھے ہو گئے، اس لئے صرف اور صرف اپنے ہی دل کی سنی اور اسی دل نے ہمیں کسی کے سامنے نظر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا، آپ ہماری خطاؤں کو معاف کر دیں اور ہمیں اپنے دل میں تھوڑی جگہ دے دیں، میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ سب کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی، پلیز ایک بار ہمیں معاف کر دیں۔'' مجھے تو ان سے معافی مانگنی ہی تھی مگر بھائی کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی صنم نے ان سب سے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے معافی مانگی، تو میرے کھلے دل والے بھائیوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، ان کی طرف سے معافی ملتے ہی ہمیں آپاؤں

سمیت سب نے بھی معاف کر دیا، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا۔

☆☆☆

تو جناب اب آپ کو یقین آیا کہ میں جو خود کو محبت کے شجر پر بیٹھا الو تصور کر رہا ہوں تو بالکل درست ہی تو کر رہا ہوں، اس دل اور دل میں چھپے محبت کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر میں ڈبکیاں کھاتے میرا وہ حال ہوا کہ اب تو بالکل ہی بے حال ہو گیا ہوں اور وہ محبت کی فاختہ، وہ محبت کی صنم نامی بلبل، اب تو خونخوار عقاب کا روپ دھار چکی ہے۔

صنم جب تک محبوبہ تھی، میرے حواسوں پر نشے کی طرح چھائی، مجھے اپنے اردگرد دوڑائے پھرتی ہے اور اب جبکہ وہ خیر سے بیوی بن چکی ہے، میرے بچے کی ماں بن چکی ہے تو آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں، میری دوڑ کا کیا عالم ہو گا بھلا، وہ جو کہتے ہیں ناں ملا کی دوڑ مسجد تک، اسی طرح میری دوڑ صرف اس صنم نامی کالی بلی تک ہی تھی اور شاید ساری عمر ہی رہے گی، محبت کا بھوت تو شاید کب کا سر سے اتر چکا کہ عملی زندگی میں آ کر آٹے دال کا بھاؤ تو خوب پتا چلا ہی تھا اور بہت سے پردے نگاہوں کے سامنے سے ہٹتے گئے، جو اس نامراد دل نے میری آنکھوں کے سامنے تان رکھے تھے کہ اب میں صرف جھپٹا ہی سکتا ہوں، اڑنے کی نہ تو ہمت ہے اور نہ ہی طاقت کہ پیروں میں تو حسیب کی صورت بیڑی پڑی رہی تھی، حق مہر، اس بھاری رقم کی صورت میرے ہاتھ ہمیشہ کے لئے بندھ چکے تھے اور میں چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکا تھا، سوائے برداشت کرنے کے، اب اس کے سوا چارہ کوئی نہیں ہے کیونکہ اب تو یہ حال ہے کہ۔

وصال یار سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مگر یہ عشق کا مرض اس قدر بڑھ جائے گا کبھی سوچا نہ تھا، اگر بھول کر بھی اس کے مضمرات کے بارے میں سوچ لیا ہوتا کہ شاید آج میں بھی اپنے بھائیوں بہنوں اور نارمل انسانوں کی طرح زندگی گزار رہا ہوتا، عام سادہ اور پرسکون، مگر شاید یہ سکون اطمینان میرے نصیب میں تھا ہی نہیں، اس لئے تو اس دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس دلربا کے اشاروں پر آج تک بندروں کی طرح ناچ رہا ہوں، مگر گلہ کس سے کروں کہ یہ ڈگڈگی تو میری اپنی پسند کی ہوئی ہے اور اس کی تال پر دیوانہ وار رقص کرنا ہی میرا مقدر ہے، کہ یہ دل کا معاملہ ہے، میرے اس دل کا جس کی انگلی تھامے میں اس دلربا کے کسے شکنجے میں خود اپنی خوشی سے جکڑا جا چکا ہوں، جواب بھی مجھے کھیل ادھورا چھوڑ کر میدان سے بھاگنے نہیں دے گی۔

اور اب آپ سب کو یقین آ گیا ناں کہ میں ہی وہ الو ہوں محبت کے شجر پر لٹکا محبت کا راگ الاپتا حال سے بے حال ہوا جا رہا ہوں، اب تو آپ مان گئے ناں کہ میں ٹھیک کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

نازک آبگینے

قرۃ العین خرم ہاشمی

"بھائی آپ اندر نہیں آئیں گے؟" حرا نے کار کا دروازہ بند کرنے سے پہلے جھک کر پوچھا تھا، فیضان نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا اور شرارتاً بولا۔

"صبح صبح سیماں مامی کی جلی کٹی باتیں سن کر میں اپنا ویک اینڈ نہیں خراب کرنا چاہتا، اسی لئے میں بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں، اب میری پیاری بہن سمجھ تو گئی ہوگی میرا ضروری کام۔" حرا نے ہنس کر اثبات میں سر ہلایا تھا اور اسے خدا حافظ کہتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ گئی، چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی سلام کرتے ہوئے گیٹ کھول دیا تھا، پرانا ملازم تھا اس لئے عفان علوی کے سارے گھرانے سے واقف تھا۔

سردیوں کی خوبصورت صبح ابھی بھی ہلکی ہلکی دھند میں لپٹی ہوئی تھی، حرا بڑے سے پورچ پہ پر اعتماد قدموں سے چلتی لان کے پاس آ کر رک گئی، کچھ دیر کھڑی خاموشی سے سبزے کو دیکھتی وہ لان کی خوبصورتی اور نفاست کو سراہتی بے نیازی سے سر جھٹکتی اندر کی طرف مڑی تھی۔

عفان ماموں کا گھر بہت خوبصورت اور عالیشان تھا، کچھ سیماں مامی کو اعلیٰ سے اعلیٰ چیز خریدنے اور گھر سجانے کا بھی بہت شوق تھا، حرا متلاشی نظروں سے دیکھتی ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی تو اسے سیماں ممانی کی آواز ڈائننگ روم سے آئی تو اسی طرف چل پڑی، سیماں مامی ناشتے سے لطف اندوز ہوتی ہوئیں، ماسی کو مختلف ہدایات دے رہی تھیں، حرا نے اندر آ کر سلام کیا تو وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں، جو شان بے نیازی سے کھڑی تھی، سیماں مامی نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا تھا اور غور سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

خوبصورت سے گرم سوٹ میں ملبوس، سلکی بالوں کی اونچی سی پونی بنائے، کانوں میں نفیس سے ٹاپس اور گلے میں باریک سی چین جو اس کی صراحی دار گردن پہ بہت جچ رہی تھی، سب سے اہم چیز اس کی کالی کالی کشادہ آنکھوں میں ذہانت کی چمک بہت واضح تھی، اس کی شخصیت کا اعتماد اور آنکھوں کی مخصوص چمک سامنے والے کو ضرور متاثر کر دیتی تھی۔

"اتنی دیر کر دی آنے میں؟ خیر آؤ بیٹھو، ناشتہ کر لو۔" سیماں مامی نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

"نہیں شکریہ مامی! ناشتہ تو میں سب کے ساتھ کر کے ہی آئی ہوں، دراصل ہمارے گھر میں سب فجر کی اذان کے وقت ہی اٹھ جاتے ہیں، میں تو کب سے انتظار کر رہی تھی کہ نو بجے تو میں آپ کی طرف جاؤں، یہاں سب جلدی نہیں اٹھتے ہیں ناں، اسی لئے۔" حرا نے وہاں سے نکلتے ہوئے کہا تھا، سیماں سر جھٹک کر ذہن میں پھر سے ان تمام ضروری کاموں کو ترتیب سے یاد کرنے لگیں جو حرا نے سرانجام دیئے تھے، جس کے لئے سیماں نے اسے بلایا تھا، اپنی اکلوتی نند زینب سے لاکھ اختلافات کے باوجود وہ دل سے تسلیم کرتی تھیں کہ قابلیت، سلیقے اور طریقے میں ان کے تینوں بچے سب سے آگے تھے، مگر ان کی خودساختہ ضد اور انا یہ بات برملا تسلیم کرنے سے بار بار روکتے تھے۔

☆☆☆

"کیسی ہیں نانو امی!" حرا نے زور سے ان کے گلے سے لگتے ہوئے بہت لاڈ سے کہا تھا۔

"چل پرے ہٹ، بوڑھی ہڈیوں میں اب اتنا دم خم نہیں کہ پیار کے ایسے مظاہرے برداشت کر سکیں، ویسے آج اپنی بوڑھی نانو کا خیال کیسے آ گیا تمہیں۔" نانو امی جو نیم دراز تسبیح پڑھ رہی

تھیں، اپنی لاڈلی نواسی کو دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھیں تھیں، پیار سے اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں تھیں، حرا نے سہارا دے کر کمر کے پیچھے گاؤ تکیے رکھ کر انہیں بٹھایا اور خود ان کی گود میں سر رکھ کر دونوں بازو ان کی کمر کے گرد لپیٹ دیئے۔

"بس نانو یونیورسٹی کی ٹف روٹین اور فائنل ایگزام کی ٹینشن، مگر آپ نہیں جانتی آج میں ایک خفیہ پروگرام کے تحت ہی آئی ہوں۔" حرا نے تفصیل سے بتاتے ہوئے آخر میں شرارتاً کہا تھا۔

"اچھا کیا ہے وہ خفیہ پلاننگ؟" نانو امی نے بھی دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"آپ کے اغواء کی پلاننگ ہے ہماری، فیضان بھائی، میں نے اور نور نے مل کر یہ پلان کیا ہے، کہ موسم سرما کی ان چھٹیوں میں آپ کو اپنے گھر لے کر جائیں گے اور آج شام ہی اس پلان پہ عمل درآمد کرنا ہے، بس آپ تیار ہو جائیں اپنے اغواء کے لئے۔" حرا نے مزاحیہ سے انداز میں کہا تھا۔

"میں شوق سے اغواء ہونے کو تیار ہوں مگر میرا بیٹا ایسا نہیں ہونے دے گا، عفان میرے بغیر نہیں رہ سکتا ہے، اسی لئے مجھے کہیں جانے بھی نہیں دیتا ہے۔" نانو امی نے بہت محبت سے اپنے بیٹے کا ذکر کیا تھا۔

"نانو امی! یہ غلط بات ہے عفان ماموں اگر آپ کے اکلوتے بیٹے ہیں تو میری ماں بھی آپ کی اکلوتی بیٹی ہیں، مگر یہاں بھی بیٹی پہ بیٹے کی محبت کو فوقیت دی جا رہی ہے۔" حرا نے نیوز چینل کی طرح رائی کا پہاڑ بناتے ہوئے کہا تو نانو امی نے ہلکی سی چپت اس کے سر پہ لگائی تھی۔

"بہت تیز ہو گئی ہو تم، بھلا یہاں دونوں میں تقابل کہاں سے آ گیا، بیٹیاں تو ماں کی ہمدرد، ان کا پرتو ہوتیں ہیں، بیٹی اور ماں کا رشتہ ایک دوست جیسا ہوتا ہے، جو باتیں آپ کسی سے کہہ نہیں سکتے یا دوسرے لوگ سمجھ نہیں سکتے، اسے کہنے سننے اور بیان کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر خوبصورت اور سچا رشتہ کوئی نہیں ہوتا۔" نانو امی نے نرمی سے کہا تھا۔

"چلیں مان لیتے ہیں آپ کی بات کو مگر آپ کی بہو کافی خوش ہوں گی، آپ کے اس اغواء سے۔" حرا نے سر اٹھا کر شرارت سے چمکتی آنکھوں سے کہا تھا۔

"خبردار جو میری بہو کے لئے کچھ الٹا سیدھا کہا تو، مزاج کی تھوڑی تیز ضرور ہے مگر دل کی بہت اچھی بھی ہے، اتنا خیال رکھتی ہے میرا، ہر چیز بستر پہ بیٹھے بیٹھے، وقت پہ مل جاتی ہے اور بھلا کیا چاہیے۔" نانو امی نے ہمیشہ کی طرح مثبت پہلو بیان کیے تھے۔

"سب کچھ مل جاتا ہے بس وقت ہی نہیں دے پاتے ہیں یہ سب آپ کو، ویسے آپ کا حوصلہ اور ظرف ہی ہے کہ پھر بھی آپ سب اچھا اچھا دیکھتی اور کہتی رہتی ہیں۔" حرا نے ہلکے پھلکے انداز میں ان کی تنہائی اور اکیلے پن کی طرف اشارہ کیا تھا، نانو امی سمجھ کر مسکرا دیں تھیں۔

"ایسا نہیں ہے، ہر بندہ مختلف فطرت اور مزاج کا ہوتا ہے اور اگر زندگی میں اپنی ضد اور انا سے آگے رشتوں کو رکھا اور سمجھا جائے تو سمجھوتے کے بہت سے راستے نکل آتے ہیں، زندگی میں سب کو کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کے لئے سمجھوتہ ضرور کرنا پڑتا ہے، اب اگر یہ سمجھوتہ اپنی خوشی سے کر لیا جائے تو کیا بہتر نہیں ہے؟" نانو امی کی بات حرا نے خاموشی سے سنی تھی، نانو اماں کو کوئی سننے والا ملا تو وہ خاموش ہونا ہی بھول گئیں تھیں، حرا کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرتی وہ ماضی کے

ورق پلٹنے لگی تھیں، ہر بار کی طرح حرا آج بھی بہت توجہ اور دلچسپی سے انہیں بولتے ہوئے سن رہی تھی۔

''سیماں کی امی فاطمہ اور میں بہت گہری اور قریبی دوستیں تھیں، ساری زندگی ایک دوسرے سے دور رہنے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے ہمیشہ رابطے میں رہے تھے، اسی لئے جب ہمارے بچے جوان ہوئے تو ہم نے اس دوستی کو رشتے داری میں بدلنے کا فیصلہ کرلیا تھا، سیماں، تین بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن تھی، بچپن سے بہت نازو میں پلی بڑھی، مگر شرافت اور حیاء میں اپنی ماں کا پرتو تھی، اسی لئے ماں باپ نے اس کے جیون ساتھی کے لئے جسے بھی چنا، سیماں نے سعادت مندی سے سر جھکا دیا اور یوں وہ میری بہو بن کر میرے آنگن میں اتر آئی۔'' نانو امی نے ہلکی سے مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں تو عفان ماموں بھی تو لاکھوں میں ایک ہیں، ان لوگوں کو بھی سیماں مامی کے لئے اس سے بہتر کوئی اور نہیں ملنا تھا۔'' حرا نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا، اس سے پہلے کہ نانو امی کچھ کہتیں، سیماں مامی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں تھیں۔

''حرا میں پوچھنا بھول گئی تھی، تم آئی کس کے ساتھ ہو، بھائی صاحب کے ساتھ آئی تھی تو انہیں اندر لے کر آتی، اچھا نہیں لگتا وہ بغیر چائے پئے چلے گئے ہیں۔'' سیماں مامی نے پاس آ کر کہا تھا، وہ بہت مہمان نواز تھیں، اسی وقت ملازمہ چائے کی ٹرالی لئے کمرے میں داخل ہوئی تھی، حرا گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

''سیماں مامی آپ نے تکلف کیا ہے، میں ناشتہ کر کے آئی تھی۔'' حرا نے اوپر سے نیچے تک مختلف لوازمات سے سجی چائے کی ٹرالی کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

''زیادہ فارمل بننے کی ضرورت نہیں ہے، ابھی بہت سے کام کرنے ہیں تم نے، جس کے لئے توانائی بھی چاہیے، جلدی سے چائے پیو اور کچن میں آ جاؤ، میں انتظار کر رہی ہوں، اب بھائی صاحب چائے پیئے بغیر چلے گئے ہیں، میں تمہاری امی سے ضرور شکوہ کروں گی، بھلا یہ بھی کیا بات ہوئی کہ......'' سیماں مامی تیزی سے بولتیں دروازے کی طرف پلٹی تھیں، جب حرا نے آہستگی سے کہا تھا۔

''مجھے فیضان بھائی چھوڑ کر گئے ہیں۔'' سیماں مامی نے پلٹ کر اسے تیز نظروں سے گھورا تھا، مگر حرا فوراً ہی چائے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''فیضان اندر آ کر سلام تو کر سکتا تھا ناں۔'' سیماں مامی نے سنجیدگی سے کہا اور دروازے کھول کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

''شکر ہے، بچت ہوگئی۔'' حرا نے ہنستے ہوئے کہا تھا، نانو امی نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''اور آپ کہتی ہیں کہ بہت آسان ہے سمجھوتہ کر لینا۔'' حرا نے شرارت سے نانو امی کو چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔

''آسان تو تمہیں برداشت کرنا بھی نہیں ہے، بہت تیز ہوگئی ہو تم، تمہاری ماں کے کان کھینچوں گی، کہ بیٹی کو بہت بگاڑ دیا ہے۔'' نانو امی نے اطمینان سے کہا تھا، حرا نے احتجاجاً چائے کا کپ رکھا اور کمرے سے واک آؤٹ کر گئیں۔

نانو امی نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور پاس پڑا چائے کا کپ اٹھا کر چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگیں تھیں۔

☆☆☆

"ہیلو شاہین آپی! کیا ہو رہا ہے؟" حرا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"پارلر جانے کی تیاری، تم سناؤ سب خیریت ہے؟" شاہین آپی نے اپنے خوبصورت اور سلکی بالوں میں برش کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں پوچھا تھا، شاہین آپی سے چھوٹی عائزہ تھی جو تقریباً حرا کی ہم عمر تھی اور ان سے چھوٹا حسن تھا، جو کالج کے پہلے سال میں تھا، آج شاہین کی تاریخ فائنل ہوئی تھی اور اس کے سسرال والوں کی گرینڈ دعوت تھی، شاہین آپی اپنی تیاریوں میں مصروف تھیں، عائزہ ہمیشہ سے نازک مزاج اور نخریلی تھی، اسی لئے مدد اور سپورٹ کرنے کے خیال سے سیماں نے حرا کو بلا لیا تھا۔

حرا بہت سمجھدار، سلیقہ منداور پھرتی سے کام کرتی تھی، سیماں کے پاس یوں تو نوکروں کی فوج تھی مگر ان کو سپروائز کرنے کے لئے بھی کسی کی ضرورت تھی، کچھ آج ان کے ہاتھ پاؤں بھی پھول رہے تھے، کیونکہ شاہین کے سسرال والے بہت رکھ رکھاؤ والے اور روایتی لوگ تھے۔

پہلے تو سیماں نے سوچا تھا کہ کسی فائیو سٹار ہوٹل میں بلوا کر یا کھانا ریڈی میڈ منگوا لیں، مگر (ساس) ثریا بیگم نے اس خیال کو مسترد کر دیا تھا کہ وہ لوگ شاید اس بات کو پسند نہ کریں۔

اور ویسے بھی روایتی اور خاندانی لوگ ان باتوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں کہ خاتون خانہ نے اپنے سلیقہ کے جوہر کس طرح دکھائے ہیں، گھر کے کچن اور کھانے کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہوتی ہے۔

اسی لئے سب کچھ گھر میں ہی بن رہا تھا، سیماں ممانی کی کوکنگ اچھی تھی، اس لئے انہیں اس کی فکر نہیں تھی، ہاتھ بٹانے کے لئے بہت سے نوکر بھی ساتھ لگے ہوئے تھے۔

"شاہین تم عائزہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور جلدی کرو، ڈرائیور نے تمہیں پارلر چھوڑ کر اور بھی کام کرنے ہیں۔" اسی وقت سیماں نے اندر آ کر کہا تھا۔

"عائزہ کہاں ہے مما؟" شاہین آپی نے اپنا ہینڈ بیگ چیک کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ ناشتہ کر رہی ہے، تم بھی آ جاؤ، ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

سیماں مامی کہتے ہوئے واپس چلی گئیں، کچھ دیر بعد شاہین اور حرا بھی باتیں کرتے ہوئے ڈائننگ روم میں پہنچ گئیں، عائزہ نے ایک نظر حرا پر ڈالی تھی اور دوبارہ سے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

حرا جانتی تھی کہ عائزہ کا مزاج اپنی ماں جیسا ہی ہے، تیکھا اور نخریلا سا، اس لئے اس کی بھی عائزہ سے نہیں بنتی تھی۔

"آ جاؤ حرا تم بھی ناشتہ کر لو۔" شاہین آپی نے حرا کو واپس پلٹتے دیکھ کر کہا تھا۔

"شاہین آپی! میں نے کچھ دیر پہلے ہی چائے پی ہے، اب ذرا میں کچن میں جھانک لوں، سیماں مامی انتظار کر رہی ہوں گی۔" حرا نے مسکراتے ہوئے کہا اور بڑے اور خوبصورت سے کچن میں پہنچ کر اس نے گہری سانس لی تھی، جہاں مختلف چیزیں بکھریں، اس کی توجہ کی منتظر تھیں۔

حرا کو کچن میں آتا دیکھ کر سیماں مامی نے پرسکون ہو کر اپنے کام پر توجہ مرکوز کی تھی، وہ چھوٹی سی لڑکی، اس وقت ان کی سب سے بڑی ڈھارس اور امید تھی۔

☆☆☆

سیماں کا مزاج شروع سے بہت تیز اور نخریلا سا تھا، اسی لئے اس کی کبھی بھی اپنی اکلوتی نند زینب سے نہیں بنی تھی، جو مزاج میں سادہ اور پرسکون ندی کی مانند تھیں۔

زینب نے ساری زندگی بچتیں کر کے اور صبر شکر سے گزاری تھی، اس کا چھوٹا سا، پرسکون گھر اس کی جنت تھا، پھر تینوں بچے بھی فرمانبردار اور قابلیت اور ذہانت میں سب سے آگے تھے۔

ان کی شخصیت اتنی مضبوط اور مکمل تھی کہ اس پر زمانے کی چھاپ یا کسی چمک دمک کا اثر نہیں ہوتا تھا۔

ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ ایسے خام ہیرے کی طرح ہوتا ہے جسے تراشنا اور خوبصورت بنانا، ان ہاتھوں کی مہارت پر ہوتا ہے، جو اس کی تربیت کرتے ہیں، اس تربیت کی تجربہ گاہ سے نکلنے کے بعد دنیا کے بازار میں پتا چلتا ہے کہ وہ ہیرا سچ میں کتنا بیش قیمت اور نایاب ہے۔

تربیت جتنی اچھی اور مضبوط ہوگی وہ شخص یا فرد اتنا ہی اپنی اچھی عادتوں اور کردار کے باعث دوسروں میں منفرد اور نایاب ہوگا۔

عفان اور سیماں کے گھر دولت کی کمی نہیں تھی مگر ان لوگوں نے اپنے بچوں کو وہ تربیت اور اقدار نہیں دیئے تھے جو انہیں سب میں منفرد اور الگ بناتے ہوں۔

اسی وجہ سے سیماں کی اپنی دلی خواہش تھی کہ عائزہ کا رشتہ، زینب فیضان کے لئے مانگ لیں، فیضان کی عادتیں اور اس کی قابلیت کے سب ہی قائل تھے، مگر فیضان نے اس سے پہلے ہی اپنی پھپھو کی اکلوتی اور ڈاکٹر بیٹی روحی کو شریک سفر کے طور پر پسند کر لیا تھا، اس کی منگنی نے سیماں کو کافی ٹھیس پہنچائی تھی، مگر وہ چپ کی چپ رہ گئیں تھیں۔

مگر وہ جانتی تھیں کہ عائزہ کا جو مزاج ہے، وہ آسانی سے غیر لوگوں میں ایڈجسٹ نہیں کر پائے گی، مگر قسمت کے فیصلے کے آگے وہ مجبور تھیں، مگر یہ ملال ان کے دل سے جاتا نہیں تھا۔

☆☆☆

سلاد کی بڑی بڑی ڈشز بہت خوبصورتی اور مہارت سے سجا کر جب وہ سامنے لائی تو سیماں مامی نے ستائش بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا، رشین سیلڈ وہ پہلے ہی بنا کر فریج میں رکھ چکی تھی، بہت سے کام نمٹ چکے تھے۔

اب سب سے اہم کام باقی رہ گیا تھا، اس خاص موقع پر سیماں مامی اپنی سب سے نازک اور مہنگی کراکری نکالی تھی اور یہ کام وہ نوکری سے ہرگز نہیں لینا چاہتی تھیں جو برتن دھوتے اور سنبھالتے وقت جلدی میں بے احتیاطی کر جاتے ہیں۔

حرا سیماں مامی کی ہدایت کے مطابق بہت دھیان اور آرام سے ساری کراکری نکال رہی تھی، جب باتوں ہی باتوں میں شاہین کی شادی سے ذکر چلتا چلتا فیضان کی شادی تک جا پہنچا۔

حرا خوشی اور مگن سے انداز میں فیضان اور روحی کا ذکر کر رہی تھی، یہ دیکھے بغیر کہ سیماں مامی کی تیوریاں چڑھ چکی تھیں۔

''دیکھ کر، تمہارا سارا دھیان باتوں کی طرف ہے، یہ کراکری بہت نازک اور قیمتی ہے۔'' سیماں مامی نے حرا کو ٹوکا تھا، حرا نے اطمینان سے جواب دیا۔

''سیماں مامی آپ فکر مت کریں، فیضان بھائی کی ہاں والے دن بہت سے لوگ ہمارے گھر آئے تھے، آپ کو تو یاد ہوگا ناں، آپ بھی وہاں موجود تھیں، اس دن بھی سب کام میں نے ہی کئے تھے۔'' حرا نے اس خوشگوار سی شام کو یاد

کرتے ہوئے کہا جب پھپھو کے گھر سے سب لوگ، فیضان بھائی کے ہاتھ پر رسم کے طور پر شگن رکھنے آئے تھے، اس دن نانو سمیت عفان ماموں کی ساری فیملی بھی وہاں موجود تھی۔

"ہاں یاد ہے اچھی طرح۔" سیماں مامی نے یکدم تڑخ کر کہا تھا۔

فیضان کا عائزہ سے رشتہ نہ ہونے کا دکھ ایک دم سے ابھر کر سامنے آ گیا تھا اور اسی کے زیر اثر ان کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

حرا نے مسکرا کر ان کے اترے چہرے کی طرف دیکھا تھا اور پلیٹیں اٹھا کر ڈائننگ روم کی طرف چل پڑی۔

"بدتمیز لڑکی!" سیماں مامی اس کی حرکت پر تلملا کر بولیں تھیں، وہ ہر بار بھول جاتی تھیں کہ حرا آج کی لڑکی ہے، جو عزت کرنا بھی جانتی ہے اور اپنا آپ منوانا بھی۔

☆☆☆

مہمان رات کو شادی کی تاریخ فائنل کر کے گئے تو بہت خوش تھے، کھانے سے لے کر انتظامات تک سب بہترین تھے، سیماں مامی کا موڈ بھی بہت خوشگوار ہو چکا تھا، شام سے پہلی ہلچل رات کو ختم ہو چکی تھی، سیماں مامی کی نازک کراکری، حرا نے خود بہت احتیاط سے دھوئی اور سنبھالی تھی، اب سب کانچ کے نازک برتنوں کو خشک کپڑے سے صاف کر کے ان کی جگہ پہ رکھنے کا کام وہ تیزی سے کر رہی تھی۔

اسی وقت کسی کام سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی نانو امی وہاں چلیں آئیں۔

"حرا بچے! تم نے کھانا کھایا، صبح سے کاموں میں لگی ہو اور......" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتیں ان کا پاؤں پھسلا اور سہارا لینے کی کوشش میں ان کا ہاتھ کانچ کی نازک ڈش کو لگا اور وہ فرش پہ گر کے ہزاروں ٹکڑوں میں بٹ گئی، نانو امی کا ہاتھ بھی کسی ٹکڑے سے زخمی ہو کر سرخ ہونے لگا تھا۔

"نانو امی!" حرا تیزی سے آگے بڑھی۔

"اف اماں! یہ کیا کیا آپ نے؟ کیا ضرورت تھی آپ کو کچن میں آنے کی؟ سب کچھ تو آپ کو بیٹھے بٹھائے مل جاتا ہے، نواسی کی محبت میں میرا کتنا نقصان کر دیا ہے آپ نے، یہ سیٹ میں فرانس سے کتنے چاہ سے مہنگے داموں لائی تھی۔" سیماں مامی تاسف اور غصے سے بول رہی تھیں، حرا نے نانو امی کو سہارا دے کر سیدھا کیا اور ان کے زخمی ہاتھ کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی تھی۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا سیماں مامی!" اس کے سرد لہجے پہ سیماں مامی نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

"میری ماں نے کبھی بیش قیمتی چیزیں نہ تو استعمال کی ہیں اور نہ ہی وہ ہمیں ان کی حفاظت کرنا سکھا سکیں ہیں مگر......" حرا نے ٹپ ٹپ گرتے خون کے قطروں کو ٹشو پیپر سے روکنا چاہا تھا۔

"مگر ہماری ماں نے ہمیں ان سب سے زیادہ نازک اور قیمتی دل کی حفاظت کرنا ضرور سکھایا ہے، ہم نے اپنے والدین سے ہی سیکھا ہے کہ انسانی جذبات و احساسات سے لبریز دل دنیا میں سب سے زیادہ بیش قیمت اور نایاب ہوتا ہے، جس کی حفاظت ہر کوئی نہیں کر سکتا ہے اور آج ان کی بات سچ ثابت ہو گئی ہے، چلیں نانو امی، میں آپ کے ہاتھ کی بینڈیج کر دوں۔" حرا واپسی کے لئے مڑی تو ٹھٹک کر رک گئی، اسے رکتے دیکھ کر سیماں مامی نے بھی چونک کر سامنے کی طرف دیکھا تھا، جہاں فیضان لب بھینچے کھڑا

تھا اور ان سب کے پیچھے عفان ماموں پتھریلے چہرے کے ساتھ کھڑے تھے۔

"حرا میں باہر انتظار کر رہا ہوں، نانو امی کو لے کر آ جاؤ، یہ کچھ دن ہمارے ساتھ رہیں گی۔" فیضان نے سنجیدگی سے کہا اور عفان ماموں کے پاس سے خاموشی سے گزر گیا، نانو امی نے اپنے بیٹے کے پاس سے گزرتے ہوئے نرمی سے ان کا ہاتھ تھاما اور التجائیہ لہجے میں کہا تھا۔

"عفان! اسے کچھ مت کہنا۔" عفان نے نم آنکھوں سے ماں کے بوڑھے چہرے کی طرف دیکھا تھا، ماں کے نرم لمس نے اس کے پتھر ہوئے جسم کو دوبارہ زندگی کی گرمی اور نرمی عطا کی تھی، حرا، نانو امی کو وہاں سے لے کر چلی گئی تھی۔

سیماں پریشان نظروں سے اپنے محبوب شوہر کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

اسی وقت عفان ماموں آگے بڑھے اور ایک سرد نگاہ سیماں مامی پر ڈالی اور پھر ایک دم سے ہی میز پہ پڑے سارے کانچ کے برتن غصے سے ہاتھ مار کر نیچے گرا دیئے، سیماں مامی خوفزدہ سی چیخ پڑی اور چند قدم پیچھے ہٹی۔

"اگر میری ماں نے مجھے نہ روکا ہوتا تو پتا نہیں میں کیا کر جاتا، مگر سیماں بیگم! ایک بات اچھی طرح یاد رکھنا، میرے لئے میری ماں سب سے زیادہ قیمتی اور مقدس ہے، جن کی بے ادبی اور دل آزاری میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا ہوں، آج تم نے ان معمولی چیزوں کے لئے میری ماں کا دل دکھایا ہے، کاش تم جان سکتی کہ تمہارے اس عمل نے میرے دل میں تمہاری جگہ کو کیسے کم کر دیا ہے، کاش تم جان سکتی۔" عفان ماموں نے رنجیدہ اور نم لہجے میں کہا تھا اور فوراً واپس مڑ گئے تھے۔

سیماں مامی ساکت کھڑی انہیں جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں، ان کے اطراف میں بکھرے کانچ، اب انہیں تکلیف نہیں دے رہے تھے، بلکہ ان کے اندر کہیں کسی کا ٹوٹا ہوا مان، اعتبار اور محبت سے بھرا دل کا چکنا چور ہونا بری طرح اذیت دے رہا تھا۔

اپنی تیز زبان اور تیکھے مزاج کی وجہ سے آج تک وہ دوسروں کے دلوں کو ہی ٹھیس پہنچاتی آئی تھیں، آج جب اپنے سینے میں دھڑکتا سانس لیتا دل نازک آبگینے کی طرح ٹوٹ کر کئی ٹکڑوں میں بٹا تو انہیں احساس ہوا کہ دل کتنی نازک اور بیش قیمت ہوتے ہیں۔

سیماں مامی نے اپنے چہرے پہ بہتے ہوئے آنسوؤں کو ہاتھ سے صاف کیا اور بکھرے کانچ کو اسی طرح چھوڑ کر کچن سے باہر نکل گئیں۔

وہ جان چکی تھیں کہ اگر انہیں اپنی جنت کو قائم رکھنا ہے تو ایک ہنر ضرور سیکھنا ہوگا۔

نازک آبگینوں کی حفاظت کا اور یہ ہنر نانو امی سے بہتر (جو ان کی ساس بھی تھیں اور ماں جیسی تھی) انہیں کون سکھا سکتا تھا۔

☆☆☆

اپنے کمرے کی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر عفان نے رات کے اس پہر پورچ میں رکی گاڑی کو حیرت سے دیکھا تھا، سیماں، نانو امی کا ہاتھ پکڑے کار سے اتر رہی تھی، عفان کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی، سیماں نے اپنی غلطی کو سدھارنے میں دیر نہیں کی تھی تو وہ بھلا اپنے دل میں اپنی محبوب بیوی سے کیسے خفگی رکھ سکتے تھے۔

جہاں محبت کا سایہ پھیل جائے وہاں نفرتوں کی دھوپ زیادہ دیر نہیں ٹھہر پاتی ہے۔

☆☆☆

تیرا ملنا خواب جیسا

روبینہ سعید

''عالی شاہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے سوچ لینا چاہیے کہ ہمارا اٹھایا گیا قدم کسی پر برے اثرات مرتب نہ کرے اور کیا اٹھایا گیا قدم ہمارے اپنے لئے بھی فائدہ مند ہے کہ نہیں جو تم کرنے جا رہی ہو وہ سب غلط ہے۔'' رومینہ اپنی دوست عالی شاہ کو مخاطب کرتے بولی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں محبت اتنی ظالم کیوں ہوتی ہے کہ نہ ملے تو ایسا لگتا ہے جیسے زندگی کے سارے رنگ ختم ہو گئے ہوں، مجھے یقین نہیں آ رہا کہ والدین جو اپنے بچوں کو ہر طرح کی آسائش دیتے ہیں ان کی زندگی کا اتنا فیصلہ اہم فیصلہ پوچھے بغیر کیسے کر لیتے ہیں۔'' وہ دکھ سے بولی۔

''یہی سوچو کہ والدین جو اپنے بچوں کو ہر آسائش دیتے ہیں انہیں پال پوس کر بڑا کرتے ہیں کیا ان کا اتنا حق نہیں بنتا کہ وہ اولاد کی شادی کا فیصلہ اپنی مرضی سے کر سکیں اور ویسے بھی والدین ہمیشہ اولاد کا بھلا ہی چاہتے ہیں۔'' اس کی بات کے جواب میں رومینہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا میں کیا کروں میں دلاور شاہ سے شادی کسی صورت نہیں کر سکتی تم ہی کچھ بتاؤ پلیز روحی اس مشکل وقت میں میری مدد کرو۔'' وہ التجاء آمیز لہجہ میں فون پر بات کرتے بولی۔

''علینہ جو تم کہتی اس میں کسی صورت میں تمہاری مدد نہیں کر سکتی میں نے دوست ہونے کے ناطے جو فرض تھا نبھایا تمہاری مرضی آگے تم اس فرض کو ایکسپیکٹ کرو یا نہ کرو، سوچ لینا عالی کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے کہ تم کچھ کھو تو نہیں رہی محبت کو پانے کے لئے، اللہ حافظ، قسمت نے ساتھ دیا تو تین دن بعد تیری مایوں پر ہی ملاقات ہو گی۔'' یہ کہہ کر رومینہ نے فون بند کر دیا اور عالی شاہ بے بسی سے ہو کر خاموش بہتے آنسوؤں سے رو رہی تھی۔

☆☆☆

شاہ ہاؤس میں سجاد شاہ اپنے دو بیٹوں اور دو بہوؤں سمیت رہائش پذیر تھے سجاد شاہ کا بڑا بیٹا فراز شاہ اور بہو سلمیٰ شاہ کی اولاد میں دلاور شاہ، بیشال شاہ، فیروز شاہ، دلاور شاہ ایل ایل بی آنرز، بیشال شاہ پرائیویٹ بی اے پاس فیروز شاہ ڈپلومہ کے لاسٹ ایئر میں، جبکہ فراز شاہ سے چھوٹا بھائی دلنواز شاہ اور مہناز شاہ ان کی اولاد میں مبین شاہ جو کہ دلاور شاہ کا ہم عمر ہے اور دونوں اکٹھے ہی زیر تعلیم رہے مبین شاہ ایل ایل بی آنرز اس سے چھوٹا مہران شاہ جو یو کے میں سی اے کرنے گیا تھا، بھائیوں سے چھوٹی علینہ شاہ یہ گھرانہ ہر لحاظ سے مکمل اور خوشحال تھا محبت امن وسکون سے بھرپور دکھ سکھ میں سانجھے اور ایک دوسرے سے منسلک سب ایک ساتھ خوشی سے رہتے، دلاور شاہ کی منگنی علینہ شاہ سے کر دی گئی اور بیشال کی مبین شاہ سے مہناز شاہ کے دو بیٹے افغان مہران کی انگیج منٹ پھپھو کی بیٹیوں ثانیہ اور تانیہ سے ہو چکی تھی۔

علینہ شاہ حویلی میں سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھیں ضدی مغرور نک چڑھی سی علینہ میں فراز شاہ اور دلنواز شاہ کی جان تھی وہ جو کہتی جھٹ سے پورا ہوتا جو چاہا پا لیا کبھی کوئی کمی کوئی دکھ نہ دیکھا ضد میں وہ سب سے آگے ہوتی خاندان کی کسی لڑکی کو کو ایجوکیشن میں پڑھنے کی اجازت نہ ملی مگر علینہ نے اپنی ضد

سے فراز شاہ اور دلنواز شاہ سے کو ایجوکیشن میں داخلہ کی اجازت لی بھائیوں کی تو وہ لاڈلی تھی وہ بھی اس کی ضدیں اور بچگانہ حرکتوں پر مسکرا دیتے مگر ایسے میں ایک شخص ایسا تھا جو اس کی ضدوں کو اوٹ پٹانگ حرکتوں کو سخت نگاہ سے دیکھتا مگر علینہ شاہ بھی ان نظروں کو خاطر میں نہ لاتی بلکہ جس کام پر وہ زیادہ غصہ کرتا وہ وہی کام زیادہ زور وشور سے کرتی اگر کبھی سختی سے اس سے ڈانٹ پڑتی تو گھر بھر کو شکایت لگاتی دلنواز شاہ اپنے بھتیجے کے کان کھینچتے تو وہ خوشی سے ہنس دیتی اور یہ بات مقابل کے دل میں علینہ شاہ کے لئے یا تو نفرت کا سبب بن جاتی یا پھر سختی وانتقام کا اور یہ شخصیت دلاور شاہ کی تھی دلاور شاہ نے منع کیا کہ یہ کو ایجوکیشن میں نہیں جائے گی لیکن علینہ نے ضدی پن سے کہا کہ وہ کو ایجوکیشن میں ہی جائے گی اور شہر میں پھپھو کے گھر رہنے کی بجائے ہوسٹل میں رہے گی اور اپنی ضد ومحبت سے اس نے سب سے منوا بھی لیا۔

☆☆☆

قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں وہ زیر تعلیم ایم اے انگلش کی ہونہار ترین سٹوڈنٹ تھی بے حد خوبصورت ذہین وفطین دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں سراہتا بلاشبہ وہ قدرت کا عظیم حسن شاہکار تھی۔

اسی یونیورسٹی میں زیر تعلیم زوریز خان نے علینہ کو دیکھا تو محبت جیسے جذبے سے آشنا ہونے سے خود کو روک نہ پایا زوریز خان کی پرکشش پرسنیلٹی پر یونیورسٹی کی ہر لڑکی فدا مگر زوریز خان کی نظروں کا مرکز صرف علینہ شاہ تھی۔

اور علینہ شاہ بھی ان نظروں کی تپش سے خود کو بچا نہ پائی اور گھر سے چلتے وقت جو ماں نے نصیحت کی تھی بھول گئی اور سب کچھ بھول کر زوریز خان کی محبت میں گم ہوگئی وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا اور دونوں کا لاسٹ ایئر آ پہنچا۔

☆☆☆

''زوریز اب کیا ہوگا گھر والوں کو بس میری پڑھائی ختم ہونے کا انتظار ہے پھر شادی کر دیں گے پلیز کچھ کرو اپنے پیرنٹس کو بھیجو بابا کے پاس۔'' دونوں لائبریری میں بیٹھے تھے علینہ پریشان سی آنے والے وقت کو سوچ کر ہی غمزدہ ہو رہی تھی۔

''عالی میں نے ماں سے بات کی ہے مگر کچھ حاصل نہ ہوا کیونکہ میرے تایا کی بیٹی اریشہ خاں میری منگ ہے میری دو بہنوں کی شادی میرے تایا گھر ہو چکی ہے اگر میں اریشہ کو چھوڑں گا تو وہ میری دونوں بہنوں کو طلاق سمیت واپس دہلیز پر پہنچا دیں گے میں خود بہت ڈسٹرب ہوں۔'' وہ نگاہ جھکائے بولا۔

''جب تمہیں پتہ تھا کہ ایسی مجبوریاں آپ کے پاؤں میں ہیں تو محبت ہی نہ کرتے بہت دھوکا دیا مجھے تو نے زوریز بہت برے ہو تم میرے گھر والے میری شادی میرے کزن سے کر دیں گے وہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا میں مر جاؤں گی مر جاؤں گی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''عالی تم خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ تمہارے گھر والے بھی مشکل سے مانیں گے تو ہمارے پاس ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے کورٹ میرج اسکے علاوہ اور کوئی امید نظر نہیں آ رہی تم اچھی طرح سوچ لو جو کہو گی وہی کروں گا۔''

''کورٹ میرج کا فائدہ'' سب کے

سامنے تو رشتے کا اقرار نہیں کرو گے نا کیوں کہ ڈر ہو گا کہ تمہاری بہنوں کو طلاق نہ ہو جائے اور میرے گھر والے مجھے جان سے مار دیں گے ایسی جرأت آج تک ہمارے خاندان میں نہ لڑکی نے کی ہے نہ کسی لڑکے نے، ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔" وہ اس کی بات کاٹتے بولی۔

"کیا میرے بغیر جی لوگی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

"اگر تم جی لو گے تو میں بھی جی لوں گی ہاں میں تنہا جی لوں گی مگر کسی اور سے شادی ہرگز نہیں کروں گی اگر گھر والوں نے ایسی کوشش کی تو زہر کھا لوں گی سمجھے تم۔" وہ غصے اور دکھ کی ملی جلی کیفیت سے بولی۔

"پاگل مت بنو میں اپنی طرف سے کوشش کر رہا ہوں مگر مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ اسے دیکھ کر محبت سے بولا۔

"جو کرنا چاہتے ہو جتنی جلدی ہو سکتا ہے کر لو کیونکہ کل بھیا آ رہے ہیں مجھے لینے پھپھو کے ہاں رہوں گی پیپرز تک پیپرز کے بعد واپس چلی جاؤں گی اس دوران تم کچھ کر لو میرے گھر والے ضرور مان جائیں گے کیونکہ سب مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔" وہ اٹھ کر جاتے بولی۔

آج وہ پورے دو ماہ سترہ دن بعد زوریز کے سامنے کھڑی تھی۔

"کل میں واپس جا رہی ہوں گاؤں اور اس یقین کے ساتھ جا رہی ہوں کہ زوریز مجھے ضرور لینے آئے گا۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

"عالی میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے مگر پھر وہی مجبوری میرے پاس ایک آئیڈیا ہے میرا دوست شہر یار اس کے پیرنٹس اس حوالے سے میری مدد کر سکتے ہیں وہ میرا رشتہ آپ کے گھر لے جا سکتے ہیں اور تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں عالی صرف زوریز کی ہو گی صرف زوریز کی محبت کی ہے میں نے تم سے تجھے خود سے علیحدہ کروں میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" وہ ناراض ناراض سی عالی کو دیکھتے بولا۔

☆☆☆

"عالی شہر سے جو مہمان آئے ہیں وہ کون ہیں؟" یشال اس کے کمرے میں اس کے پاس آ کر بیٹھتے بولی۔

"اچھا وہ میری دوست کے پیرنٹس ہیں کیوں کیا ہوا۔" وہ اندر سے خوفزدہ ہوتے بولی۔

"کچھ نہیں یقیناً بات کچھ خاص ہے جو سب اکٹھے بیٹھے ہیں اور تیری دوست کیوں نہیں آئی ساتھ۔" وہ اس کی بات کا جواب دیتے بولی۔

"پتہ نہیں ایسا مجھے تو اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ اس کے پیرنٹس آ رہے ہیں اب جب وہ جائیں گے تب ہی پتہ چلے گا۔" وہ جھوٹ بولتے ہوئے بولی۔

"اچھا ہو گا کوئی مسئلہ دیکھ تیرے بال کتنے روکھے روکھے لگ رہے ہیں کل صبح تیل کی مالش کروں گی اور اس پڑھائی نے تجھے کتنا کمزور کر دیا ہے شکر ہے کہ اب مزید ارادہ نہیں تیرا۔" وہ اس کی صحت کو دیکھتے ہوئے پیار سے بولی۔

☆☆☆

"آپ لوگ پہلی دفعہ ہمارے گھر آئے ہمیں خوشی ہوئی مہمانوں کی عزت و احترام اور مہمان نوازی ہماری خاندانی صفت ہے آپ

نے کہا کہ عالی کی دوست ہے آپ کی بیٹی اور آپ کی بیٹی کی خواہش ہے کہ وہ عالی کو اپنی بھابھی بنائے تو یہ اس کی اپنی دوست سے محبت ہے مگر عالی کی شادی خاندان میں طے ہو چکی ہے میرے بھتیجے دلاور شاہ سے اور ویسے بھی علاوہ خاندان ہم باہر رشتے نہیں کرتے آپ سے مل کر خوشی ہوئی آپ کا جب جی چاہے اس حویلی میں تشریف لے آئے مگر بیٹی کا رشتہ طے ہو چکا ہے انشاء اللہ عنقریب ہی شادی کی تقریبات شروع ہیں۔'' دلنواز شاہ مہمانوں کے آنے کی وجہ سن کر حیران سے ہوئے اور پھر خوش اسلوبی سے ان مہمانوں کی بات کی تہہ تک پہنچا دیا۔

☆☆☆

''عالی تمہارے گھر والوں نے انکار کر دیا ہے اب بتاؤ کہ میں کیا کروں اور ویسے بھی شہریار کے پیرنٹس اب نہیں آئیں گے ویسے بھی تمہاری شادی طے ہو چکی ہے دلاور شاہ سے اور تم ابھی تک خاموش ہو۔'' وہ غصے سے بولا۔

''زوریز میں کیا کروں کوئی بھی نہیں مان رہا بابا کہتے ہیں کہ جب خاندان میں رشتہ ہے تو باہر دینے کی ضرورت کیونکر ہوگی زوریز اب کیا ہوگا میں مر جاؤں گی مگر دلاور شاہ سے شادی ہرگز ہرگز نہیں کر سکتی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''ایک ہی راستہ بچا ہے پھر اور وہ ہے کورٹ میرج چھ دن تمہارے پاس ہیں سوچ لو چھ دن بعد تمہاری بارات ہے سوچ لو کہ دلاور شاہ کے سنگ رخصت ہونا ہے یا پھر زوریز خان کی بننا ہے جو بھی فیصلہ کرو مجھے فون کر کے بتا دینا اللہ حافظ۔'' اور عالی شاہ کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کرے اور یہی بے بسی سے اسے رلا رہی تھی۔

☆☆☆

''مہناز ہماری علینہ جب سے شہر سے آئی ہے خاموش خاموش سی ہے پہلے کیسے چہکتی تھی مگر اب مجھے لگتا ہے کہ پریشان پریشان سی ہے۔'' سلمٰی شاہ اپنی دیورانی علینہ کی ماں سے بولی۔

''اب وہ بڑی ہو گئی ہے اور شادی ہونے والی ہے یہ اس کی سنجیدگی تو ہونا پڑے گا نا پہلے تو میں ڈرتی تھی کہ یہ بچپن کی حدود سے کیسے نکلے گی بے جا لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا تھا مگر اب اس کی طبیعت میں سنجیدگی دیکھ کر اچھا لگا۔'' انہوں نے اس کی بات کا جواب دیا۔

''چلو اللہ خیر کرے پتہ نہیں کیوں دل کچھ دنوں سے گھبرا سا رہا ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''کیا میں زوریز کے علاوہ کسی اور سے شادی کر سکتی ہوں، نہیں نہیں میں دلاور شاہ سے شادی ہرگز نہیں کر سکتی، یہ محبت اتنی ظالم کیوں ہوتی ہے کہ اس کے بنا زندگی ادھوری لگتی ہے مجھے فیصلہ کرنا ہے اور وہ فیصلہ دلاور شاہ کے حق میں ہرگز نہیں مجھے زوریز کا ساتھ دینا ہے میں اس کے ساتھ کورٹ میرج کر لوں گی اور گھر والے یقیناً مجھے معاف کر دیں گے کیونکہ سب گھر والوں کو مجھ سے محبت اور دلاور شاہ پتہ نہیں کیوں مجھ سے شادی کر رہا ہے حالانکہ مجھے لگتا ہے کہ وہ مجھ سے سخت نفرت کرتا ہے زندگی پر میرا حق ہے اور بغیر محبت کے زندگی کچھ نہیں۔'' وہ اک فیصلہ پر پہنچتے ہی زوریز کا نمبر ڈائل کرنے لگی، وہ نہیں

جانتی تھی کہ سوچوں کی تلخی اگر محسوس نہ کی جائے تو پھر ایک تلخ حقیقت سامنے ضرور آ جاتی ہے۔

وہ اسے کال اٹینڈ کرتے ہی اپنے من کا فیصلہ سنا گئی پرسوں رات ٹھیک بارہ بجے شاہ ہاؤس کا اعتبار و مان توڑ کر جانے والی تھی، اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ اپنے لئے ایک سخت اور طویل زندگی خرید رہی ہے ہر شے درو دیوار اس کے اس فیصلے پر خوف سے سنسنان سے ہو گئے تھے خاموش خوف کی چادر میں لپٹے لپٹے۔

ٹھیک تین دن بعد علینہ دلنواز سے علینہ دلاور شاہ بن جائے گی تین دن بعد اس کی بارات تھی وہ اپنے کمرے سے نکل کر دلاور شاہ کے کمرے میں جائے گی سب خوشی خوشی شادی کی تیاریوں میں مگن مگر کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ علینہ کے اندر جو جنگ چل رہی ہے وہ خطرناک ہے مبین شاہ کی شادی مشال سے ہو رہی تھی اور یہ شادی اس کے چہرے پر ہزاروں رنگ بکھیرے ہوئے تھی دلاور شاہ جو علینہ کی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے خائف رہتا تھا جب علینہ شہر گئی تو اسے اس کی کمی شدت سے محسوس کی اسے خبر ہی نہ ہوئی کب وہ اس کے دل میں پناہ گزیں ہوئی اور وہ اس بات کی خبر ہونے پر خود ہی سے مسکرا دیا اور جب وہ اس کی بنتے جا رہی تھی تو وہ اس پر اپنے سارے رنگ عیاں کرنا چاہتا تھا مگر اسے اس وقت کا انتظار تھا جب وہ اس کی ہو جائے گی اور تین دن بعد ایسا ہونا تھا وہ یہ سوچ کر خوش ہوتا ہے سب اپنی اپنی خوشی میں چھوٹوں کی بڑوں سے نوک جھوک قہقہے چٹکلے ہر کوئی لطف اندوز ہو رہا تھا اگر کوئی علینہ سے بات کرتا تو وہ ہوں ہاں میں جواب دے دیتی یا پھر تھوڑا سا مسکرا دیتی۔

☆☆☆

مہناز بیگم اور سلمٰی شاہ کچن میں مصروف تھیں اور وہ بھی ادھر ہی چلی آئی۔

''ارے عالی بیٹی کچھ لینے آئی ہو ادھر آؤ کیا کھاؤ گی رنگت کتنی پیلی ہو گئی ہے کہا بھی تھا فراز سے کہ مت بھیجو شہر میں اسے شہر کی ہوا تو سخت ہوتی ہے کیسے میری بچی کی رنگت کملا گئی ہے۔'' وہ اسے اپنے ساتھ پیار سے لپٹاتے بولی۔

''ک...... ک ...... کچھ نہیں بڑی ماما آپ تو ایسے ہی وہ میں ٹھیک ہوں اور بس ایسے ہی ادھر آ گئی۔'' وہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ لاتی بولی۔

''مما ایک کپ چائے چاہیے۔'' وہ اپنی ماں کو دیکھتے بولی۔

''اچھا میں بنا کر لاتی ہوں تو چل اپنے کمرے میں وہیں لاتی ہوں اور سب کپڑے تو نے دیکھ لئے کہا بھی تھا مشال شہر جا رہی ہے تو بھی ساتھ چلی جا اپنی پسند سے لے آنا مگر پتہ نہیں تجھے کیا ہوا ہے خیر پھر بھی تیری پھپھو آج آ رہی ہے اگر جانا چاہو گی تو اس کے ساتھ شہر چلی جانا۔'' وہ اس کو دیکھتے بولی۔

''جی مما!'' وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

''کیا میں اتنے پیاروں کے بغیر رہ سکتی ہوں یا اللہ میں کیا کروں۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی سوچوں کو طویل کرتی اس کی مما چائے لئے کمرے میں آ گئی۔

''یہ لو عالی۔'' وہ اس کے پاس بیٹھتے بولیں۔

''عالی میں دیکھ رہی ہوں تو کچھ دنوں سے پریشان سی ہے اور مشال، سلمٰی تیرے بابا

سب پوچھ رہے ہیں کہ تو پہلے کی طرح ہنستی بولتی نہیں مگر میں نے سب کو کہا کہ اب شادی ہو رہی ہے بچی نہیں رہی جو پہلے کی طرح بچوں جیسی شرارتیں کرے مگر مجھے لگ رہا ہے کہ تو خوش نہیں نہ تو ڈریسز وغیرہ کو پسند کر رہی ہے اور یہ زیورات دیکھو لو سلمٰی نے دیے ہیں پسند کر لو جو سیٹ لینے ہیں لے لو باقی مشال کو دے دیں گے۔'' وہ اپنے ساتھ لائے ڈبے کھولتے بولیں۔

''کچھ نہیں مما بس ایسے ہی اور آپ پریشان مت ہوں مجھے ہر بیٹی کو دہلیز کی حفاظت کرنے کی توفیق دے تو پوچھتی ماں اس دعا کا مطلب تو ماں کہتی کہ بیٹی پرائی ہوتی ہے اور بڑی حفاظت سے رکھی جاتے والی کیونکہ اس کی ذرا سی غلطی سے قیدیوں تک خاندان طعن و تشنیع کا مرکز بنے رہتے ہیں اللہ ہر بیٹی کو عزت سے بابل کا آنگن پار کرنے کی توفیق دے دہلیز کو دکھ نہ دے بلکہ دہلیز محبت سے اس کے قدم چومے بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں اللہ کا انعام۔'' تو ان باتوں پر کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔

''اور تو، تو کیا کرنے جا رہی ہے اپنے بھائیوں کی محبت سے زیادہ عزیز کسی کی محبت ہو سکتی ہے تو کیا پیارے بابا کی لاڈ پیار کو تو بھول گئی اگر تو اس زعم پر یہ قدم اٹھا رہی ہے کہ تجھے معاف کر دیں گے تو یہ تیری بھول ہے شاہ خاندان عزت و غیرت کی خاطر قتل تک کر دیتے ہیں اور تم جو ان کی محبت کسی اور کو شریک کر رہی۔''

''کچھ نہیں ہوا۔'' وہ ماں کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے بولی۔

ممتاز بیگم نہیں جانتی تھی کہ ان کی بیٹی کے دل میں کیا ہے اور آج رات وہ ان سب کو چھوڑ کر جانے والی ہے وہ سمجھ رہی تھی کہ پیپرز اور پھر اتنی جلد شادی اس لئے وہ پریشان سی ہے۔

☆☆☆

''عالی شاہ تو کیا کرنے جا رہی ہے کیا یہ صلہ دے رہی ہے اپنے والدین کی توجہ اور محبت کا ارے تم کہتی ہو کہ والدین کیوں نہیں سوچتے کہ اولاد کا حق ہوتا ہے کہ وہ یہ راستہ اپنی مرضی سے اختیار کریں ارے یہ سوچو کہ وہ والدین جو اپنی اولاد کو ہر شے دیتے ہیں پیار محبت ہر سہولت کیا ان کا اتنا حق نہیں کہ وہ یہ راستہ اپنی اولاد کے لئے اپنی مرضی سے چن سکیں اور یقیناً وہ اپنی اولاد کی بہتری کا ہی سوچتے ہیں تو کیا کرنے جا رہی ہے کیا اپنے پیاروں کو اتنا بڑا دکھ دے گی وہ دعا بھول گئی جو تجھے ماں نے بچپن میں سکھائی تھی کہ اللہ کیسے معاف کر دیں گے تمہیں اور کیا اپنوں کے بغیر زندہ رہ پاؤ گی صرف ایک شخص کی محبت کے پیچھے تم اتنی محبتوں کو داغ دے کر جا رہی ہو جاؤ جاؤ جس جگہ بھی جاؤ گی اپنوں کی محبت نہیں ہو گی کبھی نہیں خدا تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا ہے اس بیٹی سے جو والدین کو دکھ دے جاتی ہے تو ہر وقت خوف میں زندگی گزارے گی کوئی اپنا پاس نہیں ہوگا گھر سے بھاگی لڑکی کو عزت نہیں ملتی ٹھوکریں ملتی ہیں محبت نہیں ملتی نفرت ملتی ہے تیرے بھائی بابا کیسے سامنا کریں گے لوگوں کی نظروں کا تو کون سا دکھ دے کر جا رہی ہے عالی شاہ ایسی بیٹیوں کو تو مر جانا چاہیے اونہہ اتنی محبت والدین کی بھائیوں کی وہ تم دکھائی دے رہی ہے اور ایک شخص کی محبت بھاری ہے جا عالی شاہ دیکھتی ہوں کیسے تو جیے

گی عزت اور گھر کے بغیر سنا نہیں کہ عزت اور گھر کے بغیر عورت نامکمل ہے محبت کے بغیر عورت جی سکتی ہے مگر عزت اور گھر کے بغیر نہیں گھر تو قائم بھائیوں سے ہوتا ہے والدین کی پیار بھری نظروں سے ہوتا اور عزت کے سائبان شوہر کے دم سے ہوتا ہے کیا یقین ہے کے زوریز خان تمہے بہت محبت دے گا ارے مرد کے بدلنے میں دیر نہیں لگتی سوچ عالی شاہ کہ کیا کرنے جارہی ہے تو۔" وہ اپنے اندر کی آوازوں سے گھبرا کر اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گئی لان میں سب چھوٹے بڑے محفل لگا کر بیٹھے تھے جبکہ مشال کو سب گھیرے ہوئے تھیں، کزنز وغیرہ اور وہ طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کر کے کمرے میں آ گئی تھی ساڑھے گیارہ کا ٹائم تھا وہ بیگ پر نظر ڈالتی جس میں

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

- اردو کی آخری کتاب .... ☆
- خمار گندم .... ☆
- دنیا گول ہے .... ☆
- آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆
- چلتے ہو تو چین کو چلیے .... ☆
- نگری نگری پھرا مسافر .... ☆
- خط انشا جی کے .... ☆

وہ اپنی ضرورت کی چیزیں تعلیمی اسناد وغیرہ رکھ چکی تھی اور اب صرف ایک آدھے گھنٹے میں پچھلا گیٹ پار کرنا تھا اس کے موبائل پر بار بار زوریز کے میسج آرہے تھے کہ وہ آ گیا ہے اور عالی شاہ کانپ رہی تھی در و دیوار کانپ رہے تھے وہ اپنے اندر کی آوازوں سے نظریں چرا رہی تھی اس نے ایک نظر پھر دیکھا سب ہنس رہے تھے مبین شاہ اور دلاور شاہ قہقہے لگا رہے تھے کزنز کی باتوں پر دوسری طرف خواتین کی محفل تھی سب مشال کو گھیرے ہوئے تھیں سب خوش تھے اس کے بابا مما بڑی ماما بڑے بابا بھیا سب مسکرا رہے تھے اور وہ کیا کرنے جارہی تھی اپنی سبھوں کو ساکت کرنے جارہی تھی اپنی آنکھوں کو آنسو دینے جارہی تھی بیٹی کو قابل نفرت قرار دینے جارہی تھی اس لمحے کو شدت سے اس نے دیکھا اور بیڈ پر گرتے ہی رونے لگی اور موبائل اٹھا کر اس نے زوریز کو میسج کر دیا کہ میں ہار گئی ہوں لوٹ جاؤ کبھی نہ واپس آنے کے لئے اور یہ میسج کرتے ہی اس نے موبائل دیوار میں دے مارا کیونکہ وہ اب کچھ پڑھنا سننا نہیں چاہتی تھی کہ وہ بیٹی ہو کر دہلیز کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی آج پھر اک بیٹی کی محبت جیت گئی وہ اپنے پیارے بابا کے بنا کیسے جیتی اور آج ایک بیٹی نے دوسری بنت حوا پر داغ لگنے سے خود کو روک دیا وہ سمجھ گئی کہ آج اس نے یہ قدم اٹھایا تو شاید شاہ ہاؤس میں کوئی بیٹی پیدا ہی نہ ہو اور اگر ہو بھی تو اس کے جرم کی سزا انہیں بھی ملے اور بہتے آنسوؤں میں زوریز خان کی محبت بھی بہہ گئی اسے لگا کہ یہ فیصلہ سب سے بہترین فیصلہ ہے اور ایک بیٹی بہن کا اعتبار قائم رکھنے کو یہ صحیح فیصلہ تھا۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس شخص نے نہ جہاد کیا، نہ کسی مجاہد کو سامان مہیا کیا اور نہ کسی مجاہد کی غیر حاضری میں اس کے گھر والوں کی اچھی طرح خبر گیری کی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت سے پہلے ہی کسی آفت میں بتلا کر دے گا۔''

1۔ ذاتی طور پر جنگ میں حصہ لینے کے علاوہ مجاہد کی مالی امداد یا مجاہد کے اہل خانہ کی خدمت اور خبر گیری بھی جہاد میں شرکت کے برابر ہے۔

2۔ اگر کوئی شخص جنگ میں شریک نہیں ہو سکتا تو اسے دوسرے دو کاموں میں ضرور شریک ہونا چاہیے اور نہ وہ ترک جہاد کا مجرم سمجھا جائے گا۔

3۔ بعض گناہوں کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

- یتیم وہ نہیں جو والدین کے سائے سے محروم ہو گیا ہو، یتیم وہ ہے جو اخلاق سے محروم ہو۔ (حضرت علیؓ)
- سب سے بہتر جہاد انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے بھی غصے کو پی جانا ہے۔ (حضرت امام جعفر صادقؒ)
- عقل مند وہ ہے جو کم بولے اور زیادہ سنے۔ (حضرت داؤدؑ)

سارا حیدر، ساہیوال

حضرت حسنؓ کی تواضع

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسنؓ اپنے گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں کچھ مساکین پر نظر پڑی جو گھر بار سے محروم ہونے کے باعث سر راہ بیٹھے ہوئے دال دلیہ کھا رہے تھے، حضرت امام حسنؓ جب قریب پہنچے تو انہوں نے سلام کیا، حضرت نے بھی سلام کا جواب دیا، پھر ان لوگوں سے کہا۔

''اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آیئے دو لقمے ہمارے ساتھ بھی تناول فرمایئے۔''

آپ نے فرمایا۔

''ضرور۔'' پھر آپؓ سواری سے اتر پڑے، ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور جو کچھ موجود تھا وہ کھا لیا، پھر سلام کیا سواری پر سوار ہوئے اور چلے گئے۔ (عوارف المعارف)

ساجدہ احمد، ملتان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مجھے (کسی کے گرے ہوئے) سو دینار ملے تھے، چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک سال تک ان کا اعلان کرو۔''

میں نے اعلان کیا تو کوئی اس رقم کو پہچان کر لینے والا نہ ملا، میں نے پھر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اس کا اعلان کرو۔''
میں پھر اعلان کرتا رہا لیکن مجھے کوئی اس رقم کو پہچان کر لینے والا نہ ملا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اس کی تھیلی، بندھن اور تعداد یاد رکھو، پھر ایک سال تک اعلان کرو، اگر کوئی اس کو پہچاننے والا آ گیا (تو ٹھیک) ورنہ وہ تمہارے (دوسرے) مال کی طرح (حلال مال) ہے۔''
(صفہ خورشید، لاہور)

☆ اگر کہیں شک بھی ہو جائے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ۔
☆ قائم ذات سے محبت کرو گے تو تم بھی قائم ہو جاؤ گے۔

عابدہ حیدر، بہاولنگر

لوح مزار

☆ اردو کے ممتاز شاعر حفیظ ہوشیار پوری کراچی میں اپی ای سی ایچ ایس کے قبرستان میں محو خواب ہیں ان کی لوح مزار پر ان ہی کا شعر تحریر ہے۔

سوئیں گے حشر تک کہ سبک دوش ہو گئے
بار امانت غم ہستی اتار کے

☆ نامور نقاد اور شاعر سلیم احمد کراچی کے پاپوش نگر کے قبرستان میں آسودہ خاک ہیں، ان کی قبر کے کتبے پر ان کا یہ شعر کندہ ہے۔

اک پتنگے نے یہ اپنے رقص آخر میں کہا
روشنی کے ساتھ رہیے روشنی بن جایئے

☆ اردو کے معروف اور صاحب طرز شاعر سراج الدین ظفر کراچی میں گورا قبرستان کے عقب میں مسلح افواج کے قبرستان میں دفن ہیں، ان کی لوح مزار پر ان کا یہ شعر رقم کیا گیا ہے۔

ظفر سے دور نہیں ہے کہ یہ گدائے الست
زمیں پہ سوئے تو اورنگ کہکشاں سے اٹھے

☆ استاد قمر جلالوی کا شمار اردو غزل کے چند نامور شعراء میں ہوتا ہے، وہ کلاسیکی رنگ میں شعر کہنے کے فن کے استاد تھے، ان کا ایسا ہی ایک شعر ان کی قبر کے کتبے پر بھی کندہ ہے، جو کراچی میں علی باغ کے قبرستان میں واقع ہے، وہ شعر یہ ہے۔

بات سے بات

☆ جس کا آغاز نہ ہو، اس کا انجام نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ ہر آغاز سے پہلے ہے اور ہر انجام کے بعد۔
☆ یتیم کا مال کھانے والا ہزار یتیم خانے بنائے، سکون نہیں پائے گا، پیٹ میں آگ ہو تو دل میں سکون کہاں؟ رزق حلال نہ ہو تو سکون قلب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
☆ اگر تم نے کسی معمولی سے معمولی انسان کو بلاوجہ کے ساتھ گناہ کرے، گناہ بیماری کی طرح اسے کہیں سے لاحق ہو جاتا ہے۔
☆ رشوت کے مال پر پلنے والی اولاد لازمی طور پر باغی ہو گی، بے ادب اور گستاخ ہو گی۔
☆ عبادت اس مقام پر نہیں پہنچا سکتی جہاں غریب کی خدمت پہنچاتی ہے۔
☆ اگر کیفیت اور یکسوئی نہ بھی میسر ہو تو نماز ادا کرنی چاہیے، نماز فرض ہے، کیفیت فرض نہیں۔
☆ ہم جس کو برداشت نہیں کرتے اس کو بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔

ابھی باقی ہیں پتوں پر جلے تنکوں کی تحریریں
یہ وہ تاریخ ہے بجلی گری تھی جب گلستاں پر
☆ اطہر نفیس جدید اردو غزل کے معروف شعراء میں شمار ہوتے ہیں، وہ کراچی میں سخی حسن کے قبرستان میں دفن ہیں، ان کی لوح مزار پر بھی ان ہی کا شعر تحریر ہے۔
وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا اب اس کا حال بتائیں کیا
کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں پھر سچا شعر سنائیں کیا
آصفہ نعیم، فورٹ عباس

سیاسی مفکرین

○ نیچر کا یہ قاعدہ ہے کہ جیسا قوم کا چال چلن ہوتا ہے، ویسی ہی اس کی حکومت ہوتی ہے۔ (سر سید احمد خان)
○ قومی ترقی، شخصی عزت، شخصی ایمان داری اور شخصی ہمدردی کا نتیجہ ہے۔ (سر سید احمد خان)
○ جب تک قومیں اپنی اصلاح کے بارے میں نہیں سوچتیں قدرت بھی انہیں درست نہیں کرتی۔ (علامہ محمد اقبالؒ)
○ حکومت کا سب سے پہلا فریضہ امن و امان برقرار رکھنا ہے۔ (قائداعظم محمد علی جناحؒ)
○ جو آج بکا ہے، وہ کل بھی بک سکتا ہے۔ (قائداعظم محمد علی جناحؒ)
○ ہماری بھلائی کا راستہ صرف اور صرف اسوہ حسنہ میں ہے۔ (قائداعظم محمد علی جناحؒ)
فریدہ اسلم، میاں چنوں

والیٹر نے کہا

○ بڑے آدمی پر بھی کوئی حکمرانی نہیں کرسکتا۔
○ تحمل انسانی فطرت کی سب سے بڑی خوبی ہے، ہم سب خطا کے پتلے ہیں اس لئے آیئے دوسرے شخص کی حماقت کو معاف کر دیں، یہی فطرت کا پہلا قانون ہے۔
○ اگر صرف سچائی پر مبنی اور کارآمد باتوں کو ہی کتابوں میں محفوظ کیا جاتا تو ہمارے عظیم الشان کتب خانے سکڑ اور سمٹ کر بہت چھوٹے ہو جاتے۔
○ خدا سے کس طرح محبت کی جائے؟ خدا سے محبت کیا چیز ہوتی ہے؟ ان سوالوں پر اتنے جھگڑے اٹھے ہیں کہ انسانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے نفرت کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔
○ آپ کو اس حقیقت کا شعور ہونا چاہیے کہ جب سے دنیا بنی ہے، وحشی نسلوں کو چھوڑ کر، اس پر کتابوں نے حکمرانی کی ہے۔
○ بری کتابوں میں اضافہ کرنے سے بہتر ہے کہ آپ خاموش رہیں۔
○ دریا اتنی تیزی سے سمندر کی طرف نہیں بہتے، جتنی تیزی سے انسان غلطی کی طرف لپکتا ہے۔
مہین آفریدی، ایبٹ آباد

قابل داد

ایک ٹریفک انسپکٹر نے لڑکی کو غلط ڈرائیونگ کرنے پر روک کر کہا۔
''میں آدھے گھنٹے سے آپ پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔''
''اوہ تھینک گاڈ!'' لڑکی نے پرسکون ہوتے ہوئے کہا۔
''میں تو سمجھی تھی کہ غلط ڈرائیونگ پر آپ میرا چالان کرنے والے ہیں۔''

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

نبین آفریدی ---- ایبٹ آباد

دیکھ لو دہلیز پہ آئے گی بہار
خشک پتوں سے یہ آنگن بھر چکا

....

موسم حبس ہے ایسا کہ میسر اب تو
شورش حلقہ احباب نہ تنہائی ہے
خود میں سمٹوں تو بکھرنے کی خلش ڈستی ہے
خود سے باہر بھی نہ شہرت ہے نہ رسوائی ہے

....

سناٹوں سے ہوئی ہو گی جب وحشت
بے ساختہ اس نے مجھ کو پکارا ہو گا
یاد کر کے مجھے نم ہوئی ہوں گی پلکیں
آنکھ میں کچھ پڑ گیا کہہ کے یہ ٹالا ہو گا

راحیلہ فیصل ---- سرگودھا

کبھی ہنسنے سے ڈرتے ہیں کبھی رویا نہیں کرتے
سحر سے پوچھ لو محسن کہ ہم سویا نہیں کرتے

....

حرف اپنے ہی معانی کی طرح ہوتا ہے
پیاس کا ذائقہ پانی کی طرح ہوتا ہے
تیرے جاتے ہی میں شکنوں سے نہ بھر جاؤں کہیں
کیوں جدا مجھ سے جدائی کی طرح ہوتا ہے

....

غم عاشقی تیرا شکریہ
میں کہاں کہاں سے گزر گیا

آمنہ خان ---- راولپنڈی

وہ فاصلہ تھا دعا اور مستجابی میں
کہ دھوپ مانگنے جاتے تو ابر آ جاتا
وہ مجھ کو چھوڑ کے بس آدمی کے پاس گیا
برابری کا بھی ہوتا تو صبر آ جاتا

....

میں نے روکا بھی نہیں اور وہ ٹھہرا بھی نہیں
حادثہ کیا تھا جسے دل سے بھلایا بھی نہیں
وہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا
تو نے منہ پھیر کے جس شخص کو دیکھا بھی نہیں

....

اور کچھ بھی نہیں ہوتا تو بھری بارش میں
تجھ سے بچھڑے ہوئے رستوں پہ سفر کرتا ہوں

....

ہم نے تمہارے بعد نہ رکھی کسی سے آس
اک تجربہ بہت تھا بڑے کام آ گیا

صابرہ سلطانہ ---- کراچی

کہاں سے آتی کرن زندگی کے زنداں میں
وہ گھر ملا ہے جس میں کوئی در ہی نہ تھا

....

میری صدا کو دبانا تو خیر ممکن ہے
مگر حیات کی للکار کون روکے گا
فصیل آتش و آہن بہت بلند سہی
بدلتے وقت کی رفتار کون روکے گا

....

مجھ سے گلے ہیں مجھ پہ بھروسا نہیں اسے
یہ سوچ کر ہم نے بھی تو ٹوکا نہیں اسے
ساغر یہ محبت نہیں اصول وفا ہے
ہم جان تو دیں گے مگر دھوکا نہیں اسے

حنا شاہین ---- حیدر آباد

اس نے بھی اظہار کی شدت میں چپ سادھے رکھی
میں نے بھی کچھ کہنے کی خواہش میں بات چھپا دی
اس وحشت میں ہنستے بستے جیون ڈھول ہوئے
اس نے اک دیوار اٹھا دی میں نے ایک گرا دی

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اڑ جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں
مجھے رو کے گا تو اسے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

....

للہ آپ مجھ سے محبت نہ کیجئے
دو روز ہی میں آپ کا چہرہ اتر گیا
پہلے تو زندگی کی تمنا تھی عشق میں
اب ڈھونڈتا ہوں کہ میرا قاتل کدھر گیا
سدرہ خانم ---- ملتان
وہ میرا مسئلہ حل کر گیا ہے
طبیعت میری بوجھل کر گیا ہے
میں جیسے اور ادھورا ہو گیا ہوں
مجھے وہ یوں مکمل کر گیا ہے

....

کبھی نہ ختم کیا میں نے روشنی کا محاذ
اگر چراغ بجھا دل جلا لیا میں نے
قتیل جس کی عداوت میں ایک پیار بھی تھا
اس آدمی کو گلے سے لگا لیا میں نے

....

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تفس کیجئے
نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجئے
وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اسے
جائیے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیجئے
آسیہ فرید ---- خانیوال
تو عالم ہے سمجھتا ہے کتابوں کی زباں
میر چہرہ بھی پڑھ میرے حالات بتا
بس ہو جائے مجھے تیری محبت حاصل
تو کوئی ایسی دعا ایسی مناجات بتا

....

سردیاں بارش ہوا چائے کا کپ
وہ مجھے یاد آ رہا ہو شام ہو
یا الٰہی ایسے لمحے سے بچا
وہ کبھی مجھ سے خفا ہو شام ہو

....

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا تیرا مکان ہے کچھ تو خیال کر
مریم انصاری ---- سکھر
نصیب گرد سفر تھی مگر ہم آبلہ پا
ٹھہر ٹھہر کے ہر اک ہم نفس کے ساتھ چلے

....

میری دیوانگی پہ اس قدر حیران ہوتے ہو
میرا نقصان تو دیکھو محبت گمشدہ میری

....

اس آخری نظر میں کیا کچھ نہ تھا فراز
جانے کا اس کے رنج مجھے عمر بھر رہا
عزہ فیصل ---- قصور
راز دل نہ سنانا کسی کو ساغر
دنیا میں سب ہم راز بدل جاتے ہیں
کسی کے بچھڑنے سے کوئی مر تو نہیں جاتا
ہاں مگر جینے کے انداز بدل جاتے ہیں

....

تمام شب جہاں جلتا ہے اداس دیا
ہوا کی راہ میں ایک ایسا گھر بھی آتا ہے
وہ مجھ کو ٹوٹ کے چاہے گا چھوڑ جائے گا
مجھے خبر تھی اسے یہ ہنر بھی آتا ہے

....

غم کے غبار میں ہیں ستارے اٹے ہوئے
خواہش کی کرچیوں میں ہیں چہرے بٹے ہوئے
اب کیا تلاش امن میں نکلیں کہ ہر طرف
مدت سے فاختاؤں کے ہیں پر کٹے ہوئے
نورانور ---- فیصل آباد
اس نے دیکھا ہی نہیں ورنہ یہ آنکھ
دل کے احوال کہا کرتی ہے
دیکھ تو آن کے چہرہ میرا
اک نظر بھی تری کیا کرتی ہے

....

میں دیے رہا تھا سہارے تو اک ہجوم میں تھا
جو گر پڑا تو سب ہی راستہ بدلنے لگے
بھگت لیا وہیں خمیازہ تنگ نظری کا
بدن بچانے لگے تھے کہ شہر جلنے لگے

....

کچھ ایسے بھی دوست میری نگاہ میں ہیں قتیل
کہ مجھ کو جس سے باز رکھیں خود اسی پہ مرتے ہیں
فاریہ سلیم ---- شر قپور
کیسی کیسی بے ثمر یادوں کے بالوں میں رہے
ہم بھی اپنی زندگی کیسے وبالوں میں رہے
اک نظر بندی کا عالم تھی نگر کی زندگی
قید میں رہتے تھے جب تک شہر والوں میں رہے

....

اپنی ہی آواز کو بے شک کان میں رکھنا
لیکن شہر کی خاموشی بھی دھیان میں رکھنا
کل تاریخ یقیناً خود کو دہرائے گی
آج کے اک اک منظر کو پہچان میں رکھنا

....

محبتوں کے ساحل پہ رفاقتوں کے دریا
کوئی ہرج تو نہیں ہے انہیں جس قدر سرا ہو
مگر اپنی چاہتوں سے مجھے ڈر سا لگ رہا ہے
کہ بچھڑ نہ جاؤ تم بھی مجھے اس قدر نہ چاہو
عمیرہ ریحان ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
میرے لفظوں سے نکل جائے اثر
کوئی خواہش جو تیرے بعد کروں

....

منا رہے ہیں سبھی لوگ آدمیت کا
اگرچہ لہجہ کسی کا بھی سوگوار نہیں

....

اجلے اجلے چہرے ہم سے بچھڑ گئے تو سوچتے ہیں
کتنے اچھے افسانے تھے کیسے برے انجام ہوئے
عالیہ بٹ ---- لاہور
میں کہ پرشور سمندر تھے میرے پاؤں میں
اب کے ڈوبا ہوں تو سوکھے ہوئے دریاؤں میں

دن کے ڈھلتے ہی اجڑ جاتی ہیں آنکھیں ایسے
جس طرح شام کو بازار کسی گاؤں میں

....

پھر آج عدم شام سے غمگین ہے طبیعت
پھر آج سر شام سے کچھ سوچ رہا ہوں

....

کیسے ممکن تھا کسی شخص کو اپنا کرتے
آئینہ لوگ تھے کیا لوگوں سے دھوکا کرتے
ہنستے پھرتے تھے سر بزم انا کی خاطر
ورنہ حالات تو ایسے تھے کہ رویا کرتے
فریحہ گیلانی ---- ادکاڑہ
چاند کیا جانے گا بھیگے آنچلوں کے بھید
چاند کیا سمجھے گا کھلی کھڑکیوں کے دکھ

....

سکوں محال ہے امجد وفا کے رستے میں
کبھی چراغ جلے ہیں ہوا کے رستے میں
سوائے درد محبت بجز غبار سفر
کوئی رفیق نہ پایا وفا کے رستے میں

....

میں بچپن کے کسی لمحے میں رک کر
کوئی جگنو پکڑنا چاہتی ہوں
جو بچپن میں ادھوری رہ گئی تھی
کہانی وہ سنانا چاہتی ہوں
صوبیہ توحید ---- گلشن راوی لاہور
ہمیں لاحق جو اک بے نام سا غم ہے عجب غم ہے
تبسم زیر لب ہے آنکھ پرنم ہے عجب غم ہے
بظاہر روشنی ہے زندگی ہے دلنوازی ہے
درون خانہ دل شور ماتم ہے عجب غم ہے

....

مجبوریاں کہیے کہ اس کو سادگی کہیے
جس نے کبھی ہنس کے بات کی ہم ساتھ ہولیے
تازہ رکھا ذہن میں کرب شکستگی
جب کچھ نہ بن سکا تو کہیں چھپ کے رولیے

☆☆☆

گردشیں لوٹ گئیں میری بلائیں لے کر
گھر سے جب نکلا تھا میں ماں کی دعائیں لے کر

....

جھولی میں کچھ نہیں تو اک آس ہی رہے
ایسی خبر سنا کہ دلوں کو زیاں نہ ہو
میری طرف نہ دیکھ مگر دیکھ لے ذرا
تحریر زخم زخم کہیں رائیگاں نہ ہو
مدیحہ تبسم ---- کوئٹہ
وہ ایک پل کی مسافت پہ تھا مگر مجھ میں
نہ جانے کس نے کہا تھا زمانہ پڑتا ہے
عجیب طرح سے اس نے بنائی ہے دنیا
کہیں کہیں تو یہاں دل لگانا پڑتا ہے

....

میں تو اڑنا بھول جاؤں زندگی بھر کے لئے
بھر گیا ہے دل مگر مجھ سے مرے صیاد کا

....

اس دل میں شوق دید زیادہ ہی ہو گیا
اس آنکھ میں مرے لئے انکار جب سے ہے
فرحت ساجد ---- کھاریاں
جس کی آواز میں سلوٹ ہو نگاہوں میں شکن
ایسی تصویر کے ٹکڑے نہیں جوڑا کرتے
جمع ہم ہوتے ہیں تقسیم بھی ہو جاتے ہیں
ہم تو تفریق کے ہندسے نہیں جوڑا کرتے

....

موسم تھا دلفریب ہوائیں تھیں من چلی
برسا تھا تیری یاد کا ساون گلی گلی
تم سے نہیں کہا تھا کہ شعلہ بدن ہیں لوگ
اب کیوں دکھ رہے ہو ہتھیلی جلی جلی

....

اگر پڑ جائے عادت آپ اپنے ساتھ رہنے کی
یہ ساتھ ایسا ہے جو انسان کو تنہا نہیں کرتا
عاصمہ راشد ---- راولپنڈی

سفر کے شوق میں چل تو پڑے ہو تم گھر سے
دکھوں کے گرد سے دامن نہ اپنا بھر لانا
عجب فضا ہے جہاں سانس لے رہے ہیں ہم
گھروں کو لوٹ کے آنا تو چشم تر لانا

....

مجھ کو تو وہی جان سے پیارا تھا جہاں میں
وہ شخص جسے مجھ سے عداوت بھی بہت تھی

....

نشتر چھپے ہوئے تھے رگ جاں کے آس پاس
وہ چارہ گر تھا اور مجھے ڈر اسی کا تھا
زاہدہ علی ---- کراچی
رہبروں کے ضمیر مجرم ہیں
ہر مسافر یہاں لٹیرا ہے
معبدوں کے چراغ گل کر دو
قلب انساں میں اندھیرا ہے

....

یہ بات خاص نہیں پتھروں کی بستی میں
نہ پوچھ ٹوٹ گیا دل کا آئینہ کیسے

....

چاہت میں ہم نے طور پرانے بدل دیئے
جذبہ ہر اک سنبھال کے خانے بدل دیئے
روکے کہاں رکے ہیں محبت کے قافلے
بس یوں ہوا کہ دل نے زمانے بدل دیئے
فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ
وعدہ خلافیوں سے کھلا مجھ پہ اس کا ظرف
تھا آدمی میں جس کو خدا مانتا رہا

....

ملا تو اور بھی تقسیم کر گیا مجھ کو
سمیٹنی تھیں جسے میری کرچیاں محسن

☆☆☆

بلقیس ہمی

ترمیم

عمر شریف ایک مرتبہ ایک ٹی وی آرٹسٹ کے گھر گئے تو باتوں باتوں میں بولے۔
''اس گلی میں تمہارے علاوہ کتنے بے ہودہ آدمی رہتے ہیں؟''
ٹی وی آرٹسٹ ذرا خفگی سے بولے۔
''آپ میری توہین کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''
''ہرگز نہیں۔'' عمر شریف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''اگر مجھے تمہاری توہین کرنا ہوتی تو میں یہ سوال یوں پوچھتا۔''
''اس گلی میں تم سمیت کتنے بے ہودہ آدمی رہتے ہیں۔''
راحیلہ فیصل، سرگودھا

دانت کا درد

استاد نے بچے سے پوچھا۔
''کل تم اسکول کیوں نہیں آئے؟''
''کل میرے دانت میں درد تھا۔'' لڑکے نے جواب دیا۔
''آج تو درد نہیں ہے؟'' استاد نے پوچھا۔
''معلوم نہیں سر!''
''کیا مطلب! تمہیں اپنے دانت کے درد کا علم نہیں ہے، اس کا مطلب ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' استاد نے کہا۔
بچہ بولا۔
''نہیں سر! دراصل میرا دانت کل ہی دندان ساز نے نکال کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔''
آمنہ خان، راولپنڈی

پیش بندی

جاوید نے شمع سے پوچھا۔
''اگر تمہیں مجھ سے محبت تھی تو تم نے میرے پہلی مرتبہ اظہار محبت کرنے پر ناراضی کیوں دکھائی تھی، تم نے تو مجھے بالکل ہی مسترد کر دیا تھا۔''
''میں دیکھنا چاہتی تھی کہ تم کیا ردعمل دکھاتے ہو۔'' شمع نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
''لیکن یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ میں تمہارے جواب پر مایوس یا ناراض ہو کر چلا جاتا اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آتا۔''
''ایسا نہیں ہو سکتا تھا، میں نے دروازے کو تالا لگا رکھا تھا۔'' شمع نے اطمینان سے جواب دیا۔
صابرہ سلطانہ، کراچی

تباہی

وہ شخص اپنی قوم پر تباہی لاتا ہے جو کبھی بیج نہیں بوتا، نہ کبھی تعمیری اینٹ اٹھا کر اینٹ پر رکھتا ہے اور نہ کوئی کپڑا بنتا ہے لیکن سیاست کو اپنا پیشہ بنا لیتا ہے۔
ہدایت

ایک صاحب جیسے ہی میوزیم میں داخل ہوئے محافظ نے انہیں روک لیا اور کہا۔

''ماچس یا لائٹر وغیرہ گارڈ روم میں چھوڑ جائیے۔''

''لیکن میرے پاس تو ماچس یا لائٹر نہیں ہے، میں سگریٹ نہیں پیتا۔'' ان صاحب نے جواب دیا۔

''تب پھر آپ اندر نہیں جا سکتے۔'' محافظ بولا۔

''ہمیں سختی سے ہدایت کی گئی ہے کہ سگریٹ یا لائٹر گارڈ روم میں چھوڑے بغیر کوئی شخص اندر داخل نہیں ہو سکتا۔''

حنا شاہین، حیدرآباد

آسان کام

دو ادھیڑ عمر کاہل اور کام چور آدمی پارک کی بینچ پر بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے، ایک بولا۔

''میں نے بائیس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی تہیہ کر لیا تھا کہ میں بہت دولت کماؤں گا اور ایک امیر کبیر آدمی بنوں گا۔''

''لیکن تم امیر کبیر تو نہیں بنے؟'' دوسرے نے قدرے حیرت سے کہا۔

''دراصل بائیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ دولت کمانے کے مقابلے میں خیالات تبدیل کر لینا زیادہ آسان کام ہے۔'' پہلے کاہل نے جواب دیا۔

سدرہ خانم، ملتان

قابل دید

ایک شیر جنگل میں سو رہا تھا کہ ایک بندر ادھر آ نکلا، جنگل کے بادشاہ کو سوتے دیکھ کر بندر کو شرارت سوجھی، وہ اسے ایک تھپڑ مار کر بھاگ گیا، اس پر شیر کی آنکھ کھل گئی اور وہ اس کے پیچھے بھاگا۔

بندر بھاگتا ہوا ایک پارک میں گھس گیا جہاں لوگ بینچوں پر بیٹھے اخبار پڑھنے میں مشغول تھے، بندر نے بھی ایک اخبار پکڑا اور ان کے درمیان میں بیٹھ گیا، اتنے میں شیر ہانپتا ہوا وہاں پہنچا، بندر کے پاس کھڑے ہو کر بولا۔

''تم نے یہاں کوئی بندر دیکھا ہے؟''

بندر اخبار کی اوٹ سے بولا۔

''تم اس بندر کے بارے میں تو نہیں پوچھ رہے ہو، جو شیر کو تھپڑ مار کر بھاگا ہے؟''

یہ سن کر شیر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اس نے گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا۔

''کیا یہ خبر اخبار میں شائع ہو گئی ہے؟''

آسیہ فرید، خانیوال

ہمت

''ارے بھائی! سنا تم نے، وہ اپنے محلے میں کریانہ کی دکان والے چاچا ہیں نا، ان کا بیٹا اپنے نکاح کے وقت مولوی صاحب کے سامنے سے اٹھ کر بھاگ گیا، تب سے اب تک اس کا پتا نہیں ہے۔''

''اوہ، میرا خیال ہے کہ عین وقت پر بے چارے کی ہمت جواب دے گئی۔''

''نہیں، یوں کہو کہ عین وقت پر اس نے ہمت کر لی۔''

مریم انصاری، سکھر

کتاب

ایک دفعہ ایک ملاقاتی دیر تک علامہ اقبال سے ان کے فکر و فن کے بارے میں گفتگو کرتا رہا پھر اچانک کہنے لگا۔

"علامہ صاحب! آپ نے ہزاروں کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، آپ کو سب سے زیادہ بلند پایہ کتاب کون سی لگی؟"

علامہ اقبال خاموشی سے اٹھ کر اندر چلے گئے، جب واپس آئے تو انہوں نے ایک کتاب اپنے مخاطب کے ہاتھ میں دے دی، ملاقاتی نے کتاب کھول کر دیکھی تو یہ قرآن پاک تھا، علامہ اقبال کہنے لگے۔

"میں نے اس کتاب سے زیادہ بلند پایہ اور کسی کتاب کو نہیں پایا۔"

عزہ فیصل، قصور

ماہر نفسیات

ایک شخص کا دعویٰ تھا کہ وہ ماہر نفسیات ہے اور لوگوں کے سر پر کو مڑے ٹٹول کر ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال سکتا ہے، ایک دن ایک دوست کے سر پر گومڑا ٹٹول کر اس نے کہا۔

"اس ابھار کو دیکھتے ہوئے آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ تمہیں بچوں سے بہت محبت ہے۔"

دوست نے مسکرا کر جواب دیا۔

"جی ہاں! آپ کا خیال درست ہے۔"

"یہ وہ جگہ ہے جہاں کل آپ کے بیٹے کی گیند آکر لگی تھی۔"

نور انور، فیصل آباد

روز قیامت

انور سدید نے کہیں لکھا کہ روز قیامت میرے اعمال کی پرسش ہوگی تو میں اپنی ساری کتابیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دوں گا کہ یہی میرا اعمال نامہ ہے۔

مشفق خواجہ نے اپنے کالم "سخن در سخن" میں اس فقرے پر گرہ لگائی۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ انور سدید خود اپنے لکھے پر پکڑے جائیں گے، انہیں غالب کی طرح یہ شکوہ نہیں ہوگا۔"

"پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق۔"

فاریہ سلیم، شرقپور

بارش

کراچی میں آکر نئے آباد ہونے والے ایک صاحب نے یہاں کے پرانے رہنے والے ایک صاحب سے کہا۔

"سنا ہے اس کراچی میں کافی عرصے تک بارش نہیں ہوتی۔"

"بارش......؟" ان صاحب نے حیرت سے دہرایا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"ارے صاحب! کیا بتائیں، ہمارے علاقے میں تو کئی ایسے مینڈک موجود ہیں جن کی عمریں پانچ پانچ سال سے اوپر ہو گئی ہیں اور انہیں ابھی تک تیرنا نہیں آیا۔"

عمیرہ ریحان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

عقلمندی

ایک پڑوسن دوسری کو بتا رہی تھی۔

"میں نے اپنے کتے سے زیادہ عقل مند کوئی دوسرا کتا نہیں دیکھا، روزانہ صبح کو یہ کتا گھر سے باہر نکل جاتا ہے اور میرے لئے تازہ اخبار لے آتا ہے۔"

پڑوسن نے کہا۔

"اس میں عقل مندی کی کون سی بات ہے، دنیا کا ہر کتا یہ کام انجام دے سکتا ہے۔"

"عقل مندی کی بات یہ ہے کہ وہ اخبار خرید کر نہیں لاتا بلکہ پڑوسیوں کے گھر سے اٹھا لاتا ہے۔"

☆☆☆

''ارشادات حضرت داتا گنج بخشؒ''

حضرت داتا علی ہجویریؒ نے فرمایا۔
''میں چار چیزوں کا علم حاصل کر کے باقی سے بے نیاز ہو گیا۔

ا۔ رزق کی مقدار متعین ہے اس لئے اضافہ کی طلب نہ رہی۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو میرے اوپر حق ہیں ان کی بجا آوری کو فرض سمجھ کر ان کی ادائیگی میں مشغول ہو گیا۔
۳۔ موت میرے تعاقب میں ہے، اس سے کسی صورت فرار ممکن نہیں، اس لئے اس سے ہر وقت ملنے کے لئے تیار رہتا ہوں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھتا ہے اس لئے اس سے شرم کرتے ہوئے ممنوعات سے ہر وقت بچتا رہتا ہوں۔

فوزیہ غزل، شیخوپورہ

مزدوری

ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر اصحاب کی ایک جماعت سے ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک صحابیؓ کے ہاتھ سے خون بہہ رہا ہے۔ آپ اس صحابیؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ہاتھ سے خون بہنے کی وجہ دریافت کی تو اس صحابیؓ نے عرض کیا۔
''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محنت مزدوری کرتا ہوں۔ آج بھی مزدوری کر رہا تھا کہ ہاتھ میں چوٹ لگ گئی جس کی وجہ سے میرے ہاتھ سے خون بہہ رہا ہے۔''
یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ نے فوراً اس صحابیؓ کا زخمی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ارشاد فرمایا۔
''یہی وہ ہاتھ ہے جس سے اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔''

نازیہ الیاس شیخ، سیالکوٹ

انمول موتی

- محبت جبر میں نہیں پنپ سکتی ہے۔ اسے آزاد فضا میں راس ہوتی ہیں۔ خواب دیکھنا اس کی فطرت ہے اور خوابوں پر کس نے باڑ لگائی ہے۔ کون زنجیر کر سکا ہے خوابوں کو۔
- جو عشق کی آگ میں جلنے کی مشق کرتے ہیں وہ باطل کے اندھیرے کی نفی کرتے ہیں۔
- کبھی کبھی محبت کی فقط ایک بوند ہی سیراب کر ڈالتی ہے۔
- محبت کے سفر میں اگر کوئی چیز آسمانی ہے تو وہ صرف محبت ہے۔
- محبت وحی کی طرح سیدھی دل میں اترتی ہے۔ اپنی پہچان آپ کرواتی ہے۔ اسے لفظوں کی ضرورت کہاں ہوتی ہے۔

شیبا صابر بٹ، اوکاڑہ

☆☆☆

''ایک تصحیح''

نومبر کے شمارے میں صباء جاوید کا افسانہ ''اک رشتہ معتبر'' شائع کیا گیا، جس پر کمپوزنگ کی غلطی سے رافعہ جاوید کا نام شائع ہو گیا جس کے لئے ہم معذرت خواہاں ہیں۔

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

عالیہ بٹ: کی ڈائری سے ایک غزل

لرزاں ہے تخت و تاج کیوں کچھ تو پتہ چلے
شورش زدہ سماج کیوں کچھ تو پتا چلے
پہلے ہی کمر خم تھی سو اب ٹوٹنے کو ہے
بھاری ہوا خراج کیوں کچھ تو پتا چلے
زرخیز ہے سرسبز ہے شاداب ہے وطن
مہنگا ہوا اناج کیوں کچھ تو پتا چلے
جن بام و در پہ کھیلتی تھیں مسکراہٹیں
اب وحشتوں کا راج کیوں کچھ تو پتا چلے
جھرنے وہی چشمے وہی بادل وہی باراں
دریا ہیں خشک آج کیوں کچھ تو پتا چلے
حزب اختلاف میں ہوتے ہیں مسیحا
حکومت میں سب بیراج کیوں کچھ تو پتا چلے
بھیک ہے خیرات ہے امداد ہے یا قرض
در پیش احتیاج کیوں کچھ تو پتا چلے
مفلس کی بے کسی کا کسی تھانے میں تابش
ہوتا نہیں اندراج کیوں کچھ تو پتا چلے

فریحہ گیلانی: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

وہ مجھ سے کام لے گا خامشی سے وار کر دے گا
تھما کر ہاتھ میں بیساکھیاں بے کار کر دے گا
مجھے تعمیر کرتا جا رہا ہے جذب و مستی میں
میں جب تعمیر ہو جاؤں گا پھر مسمار کر دے گا
میں خالی صحن کی صورت ہی رہ جاؤں گا قبضے میں
وہ میرے گرد بالآخر در و دیوار کر دے گا
ابھی تو لڑ رہا ہے جیت کی خاطر مگر اک دن
مجھے وہ پیش اپنے زعم کی دستار کر دے گا

صوبیہ توحید: کی ڈائری سے غزل

عجب پر لطف منظر دیکھتا رہتا ہوں بارش میں
بدن جلتا ہے اور میں بھیگتا رہتا ہوں بارش میں
صدائیں ڈوب جاتی ہیں ہوا کے شور میں اور میں
گلی کوچوں میں تنہا چیختا رہتا ہوں بارش میں
نئے موسم کی خوشبو سے چرا کر آنکھ پل دو پل
گئے موسم کی باتیں سوچتا رہتا ہوں بارش میں

درِ ثمن: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

ہمیں اب تک تیری کچھ نہ کہنے والی آنکھوں سے
شکوہ ہے
جو حسین خواب ان آنکھوں میں منظر کاڑھتے تھے
وہ جو سب تیرے لبوں کے پھول بنتے اور
ہمارے
دامن اظہار میں کھلتے
ہمیں ان مسکراتے چپ لبوں سے بھی شکایت
ہے
ہمارے شعر بن کر کھلکھلاتے تھے مگر کچھ بھی نہ کہتے
تھے
نہ جانے ایسے لمحوں میں تری سوچوں پہ کیا کیا
رنگ آتے تھے
تجھے ہم سے چھپانے کے بھی تو سب ہی ڈھنگ
آتے تھے
ہمیں تیری محبت سے بھی شکوہ ہے
سمندر جیسی گہری تھی
مگر آنکھوں کی چھاگلی سے چھلکتی تھی
جو ہم جیسے فقیروں کے دلوں پہ
اس طرح برسی کہ ہریالی نے گھر اور دشت کی
پہچان سے
بے گانہ کر کے رکھ دیا ہم کو
یہ دنیا صرف تیرے حسن کی تجسیم لگتی تھی
سو ہم بھی اور ہمارے خواب بھی آنکھیں بھی چہرہ
بھی

سب ہی کچھ تیری خاطر تھا
مگر تیری محبت نے
ہمیں اس چپ چھپتے کھیل میں جو دکھ دیے
اب تک انہیں تیری سراب آنکھوں سے
آئینہ مثال اک گفتگو کی آرزو ہے روبرو جاناں
ہمیں اب تک تیری کچھ بھی نہ کہنے والی آنکھوں
سے یہ شکوہ ہے

سارا حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم

راستے بدلنے سے
دل کہاں بدلتے ہیں
شہر کی فصیلوں کی
جس قدر بلندی ہو
بوئے گل نہیں رکتی
آنکھ موند لینے سے
جو بھی ہو آنکھوں میں
وہ کبھی نہیں چھپتی
ہاتھ کے کواڑوں سے
چاندنی نہیں رکتی
بے رحم ہواؤں سے
پیار کے چراغوں کی
روشنی نہیں بجھتی
ناروا تغافل کی
دل شکن اداؤں سے
جذبہ ہائے الفت کو
ماند کر نہیں سکتی
مجھ سے دور جانے کی
راہ ڈھونڈتی ہو کیوں
اپنی سمت آنے سے
مجھ کو روکتی ہو کیوں؟

ساجدہ احمد: کی ڈائری سے ایک غزل

اس کے قرب میں رہ کر ہری بھری ہوئی ہے
سہارے پیڑ کے یہ بیل جو کھڑی ہوئی ہے
ابھی سے چھوٹی ہوئی جا رہی ہیں دیواریں
ابھی تو بیٹی ذرا سی مری بڑی ہوئی ہے
بنا کے گھونسلہ چڑیا شجر کی ٹہنی پر
نجانے کس لئے اب آندھی سے ڈری ہوئی ہے
میں ہاتھ باندھے ہوئے لوٹ آئی ہوں گھر میں
کہ میرے پرس میں اک آرزو مری ہوئی ہے
ابھی تو پہلے سفر کی تھکن ہے پاؤں میں
کہ پھر سے جوتی پہ جوتی مری پڑی ہوئی ہے
اسے بچھڑنے کا مجھ سے کوئی ملال نہیں
ساجدہ اشک سے پھر آنکھ کیوں بھری ہوئی ہے

صفہ خورشید: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''زندگی سے ڈرتے ہو''

زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو، زندگی تو ہم بھی ہیں
آدمی سے ڈرتے ہو
آدمی تو تم بھی ہو، آدمی تو ہم بھی ہیں
آدمی زباں بھی ہے، آدمی بیاں بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے آہن سے آدمی ہے
وابستہ
آدمی کے دامن سے زندگی ہے وابستہ
اس سے تم نہیں ڈرتے
جو ابھی نہیں آئی، اس گھڑی سے ڈرتے ہو
اس گھڑی کی آمد کی آگہی سے ڈرتے ہو
پہلے بھی تو گزرے ہیں
دور نارسائی کے، بے ریا خدائی کے
پھر بھی یہ سمجھتے ہو، ہیچ آرزو مندی
یہ سب زباں بندی ہے، ہے رہ خداوندی
تم مگر یہ کیا جانو
لب اگر نہیں ہلتے، ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں، راہ کا نشان بن کر
نور کی زباں بن کر
ہاتھ بول اٹھتے ہیں، صبح کی اذاں بن کر
روشنی سے ڈرتے ہو
روشنی تو تم بھی ہو، روشنی تو ہم بھی ہیں
روشنی سے ڈرتے ہو

شہر کی فصیلوں پر
دیو کا جو سایہ تھا پاک ہو گیا آخر
رات کا لبادہ بھی
چاک ہو گیا آخر، خاک ہو گیا آخر
اژدہام انساں سے فرد کی نوا آئی
ذات کی صدا آئی
راہ شوق میں جیسے راہرو کا خوں لپکے
اک نیا جنون لپکے
آدمی چھلک اٹھے
آدمی ہنسے دیکھو، شہر پھر بسے دیکھو
تم ابھی سے ڈرتے ہو؟

عابدہ حیدر: کی ڈائری سے ایک غزل

اس قدر رات گئے کون ملاقاتی ہے
ایسا لگتا ہے کوئی یاد چلی آتی ہے
میں نے چاہا نہ کہا اور نہ کبھی خواہش کی
تیرے کوچے میں تیری آب و ہوا لاتی ہے
یہ ستارے تو یونہی ساتھ چلے آئے ہیں
ورنہ یہ چاند اکیلا مرا باراتی ہے
میں تو دشمن کے بچھڑنے پہ بھی رویا ہوں بہت
تو تو پھر یار ہے اور یار بھی جذباتی ہے
کس قدر گھاؤ ہیں معلوم نہیں ہے کہ ابھی
جسم سے روح کا رشتہ ہی مضافاتی ہے
ہائے کیا لوگ تھے پامال ہوئے میرے لئے
اور کہنے کو مرا سارا سفر ذاتی ہے
صفحہ دہر پہ فطرت نے لکھا ہے مرا نام
تم سمجھتے ہو کہ یہ فیصلہ لمحاتی ہے

آصفہ نعیم: کی ڈائری سے ایک نظم

گھاٹ گھاٹ کا پانی پینا
میری بھی تقدیر رہا ہے
تم نے بھی دنیا دیکھی ہے
پھر بھی ہم جب ملتے ہیں
بچوں جیسی معصومی سے باتیں کرتے ہیں
تم کہتی ہو
آج سے پہلے تیرے جیسا کوئی نہیں تھا
میں کہتا ہوں
میں نے تجھ کو ہر چہرے میں تلاش کیا تھا
تم کہتی ہو
میرا دل دوشیزہ نہ دھرتی جیسا ہے
میں کہتا ہوں
میں اس دوشیزہ دھرتی کی پہلی بارش
لیکن ہم پہ ہوا ہنستی ہے
پیار سے آ کے لپٹ جاتی ہے
اور کہتی ہے
میں بھی پہلی بار چلی ہوں

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے

کہتے ہیں کہ شام اور اداسی کا
تعلق گہرا ہوتا ہے
مگر یہ بات بھی طے ہے کہ
جب دل میں خوشیوں کے
پھول کھلتے ہیں
تو شام بھی ان
گلوں کے رنگوں سے
کچھ رنگ چرا کر
ان میں نہا کر
ڈھل کر حسین لگتی ہے
دل کو اچھی لگتی ہے
ہماری ان کہی باتوں سے
زیادہ خوب صورت ہیں
جنہیں کوئی نہیں سنتا
جو ہونٹوں تک نہیں آتیں
جو کانوں تک نہیں جاتیں
زبان کا کس چھولے تو
اندیشے لپکتے ہیں
ہماری ان کہی باتیں
محبت وفا کی راہ پہ چلتے ہوئے
بہت دکھ سہے ہیں میں نے
اس راہ پہ چلتے چلتے

یہ انسانوں نے اخلاقی بلندی ہی سے سیکھا ہے
نہیں احسان کرنا سر تا پا احسان ہونا ہے
زمیں سے اس قدر اچھی نہیں وابستگی میری
عدیم سے توڑ کر رشتہ مجھے امکان ہونا ہے

درثمن: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

''بلاوا''

چلو اس کوہ پر ہم بھی چڑھ جائیں
جہاں پر جا کے پھر کوئی واپس نہیں آتا
سنا ہے اک ندائے اجنبی بانہوں کو پھیلائے
جو آئے اس کا استقبال کرتی ہے
اسے تاریکیوں میں لے کر آخر ڈوب جاتی ہے
یہی وہ راستہ ہے جس جگہ سایہ نہیں جاتا
جہاں پر جا کے پھر کوئی بھی واپس نہیں آتا
جو سچ پوچھو تو ہم تم زندگی بھر ہارتے آئے
ہمیشہ بے یقینی کے خطرے سے کانپتے آئے
ہمیشہ خوف کے پیراہنوں سے اپنے پیکر ڈھانپتے آئے
ہمیشہ دوسروں کے سائے میں اک دوسرے کو چاہتے آئے
برا کیا ہے اگر اس کوہ کے دامن میں چھپ جائیں
جہاں پر جا کے پھر کوئی بھی واپس نہیں آتا
کہاں تک اپنے بوسیدہ بدن محفوظ رکھیں گے
کسی کے ناخنوں ہی کا مقدر جاگ لینے دو
کہاں تک سانس کی ڈوری سے رشتے جھوٹ کے باندھیں
کسی کے پنجہ بے درد ہی سے ٹوٹ جانے دو
پھر اس کے بعد تو بس اک سکوت مستقل ہوگا
نہ کوئی سرخرو ہوگا نہ کوئی منفعل ہوگا

آسیہ وحیدر: کی ڈائری سے ایک نظم

آخر چند دن دسمبر کے
ہر برس ہی گراں گزرتے ہیں
خواہشوں کے نگار خانے سے
کیسے کیسے گماں گزرتے ہیں
رفتگاں کے بکھرے سایوں کی
ایک محفل ہی دل میں سجتی ہے
کتنے نمبر پکارتے ہیں مجھے
جن سے مربوط بے نوا گھنٹی
اب فقط میرے دل میں بجتی ہے
کس کس پیارے پیارے
ناموں پر رینگتی بدنما سی لکیریں
میری آنکھوں میں پھیل جاتی ہیں
دوریاں دائرے بناتی ہیں
دھیان کی سیڑھیوں پر کیا کیا عکس
مشعلیں درد کی جلاتے ہیں
نام جو کٹ گئے ہیں ان کے حرف
ایسے کاغذ پر پھیل جاتے ہیں
حادثے کے مقام پر جیسے
خون سوکھے نشانوں پر
چاک سے لائنیں لگاتے ہیں
پھر دسمبر کے آخری دن
ہر برس کی طرح اب کے بھی
ڈائری ایک سوال کرتی ہے
کیا خبر اس کے آگے تک
میرے ان بے چراغ صفحوں سے
کتنے ہی نام کٹ گئے ہوں گے
کتنے نمبر بکھر کے رستوں میں
گرد ماضی سے اٹ گئے ہوں گے
خاک کے ڈھیروں کے دامن میں
کتنے طوفان سمٹ گئے ہوں گے

ہر دسمبر میں سوچتا ہوں
ایک دن اس طرح بھی ہونا ہے
رنگ کو روشنی میں رکھی ہوئی
ڈائری دوست دیکھتے ہوں گے

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

چکن جیلفریزی

اشیاء

چکن (بغیر ہڈی)	آدھا کلو
گرم مصالحہ	چوتھائی کھانے کا چمچ
ادرک پسا ہوا	آدھا کھانے کا چمچ
لہسن پسا ہوا	آدھا کھانے کا چمچ
کالی مرچ پسی ہوئی	آدھا کھانے کا چمچ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ
پیاز کٹی ہوئی	تین عدد
ٹماٹر کٹے ہوئے	تین عدد
ہری مرچ	تین عدد
شملہ مرچ ٹکڑوں میں کٹی ہوئی	ایک عدد
سنگر یلا سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچ
چلی سوس	ایک چائے کا چمچ

ترکیب

تیل گرم کرلیں اور مرغی کو اس میں فرائی کر لیں، براؤن ہو جانے پر مرغی کو نکال کر زائد تیل کاغذ میں جذب کرلیں، پھر کسی برتن میں ڈال کر ہلکی آنچ پر چولہے پر رکھ دیں پھر اس میں ادرک، لہسن، پیاز، ٹماٹر، شملہ مرچ ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں اس میں نمک، کالی مرچ اور ہلدی پاؤڈر بھی ملادیں اس کے بعد ٹماٹر پیسٹ، سرکہ اور سویا سوس اور چلی سوس شامل کرکے دس منٹ تک مزید پکائیں، چولہا بند کرنے کے بعد اوپر سے پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک دیں۔

لیجیے مزیدار چکن جیلفریزی تیار ہے۔ کھانے کی لذت بڑھانے کے لئے چلی سوس کا استعمال ضرور کریں۔

چکن اور براؤن اسپیگیٹھی

اشیاء

چکن بغیر ہڈی کے	آدھا کلو
چکن یخنی	تین کپ
پیاز	دو عدد کٹی ہوئی
ٹماٹر پیسٹ	ایک کپ
پنیر	Grated
سفید سرکہ	آدھا چمچ
سویا سوس	ایک چمچ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
ادرک پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
نوڈلز	ایک پاؤ کا پیکٹ
مکھن	پاؤ کپ
میدہ	آدھا پاؤ
گاجر کٹی ہوئی ابلی ہوئی	ایک عدد
مٹر ابلے ہوئے	آدھا کپ
شملہ مرچ کٹی ہوئی	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز سالٹ	ایک چائے کا چمچ

ترکیب

تیل کو گرم کرلیں اور حسب ذائقہ پسی ہوئی ادرک ڈال کر بھون لیں تاکہ وہ براؤن ہو جائے، اس میں مرغی ڈال کر براؤن ہونے تک فرائی کریں، آنچ ہلکی رکھیں تاکہ مرغی گل جائے۔

اس کے بعد ساری سبزیاں، کالی مرچ، چائنیز سالٹ، مکھن، یخنی اور ٹماٹر پیسٹ مرغی

میں شامل کر دیں اور اس کو مسلسل چمچے سے ہلاتی رہیں اور اس وقت تک پکائیں جب تک پانی خشک نہ ہو جائے۔

نوڈلز کو علیحدہ سے پانی میں ابال لیں اور ٹھنڈا ہونے پر مرغی اور سبزیوں کے ساتھ مکس کر لیں اور تھوڑی دیر میں کسی برتن میں نکال لیں۔

برتن میں نکالنے کے بعد اس کے اوپر Grated پنیر ڈالیں اور پانچ سے سات منٹ کے لئے اوون میں رکھ دیں۔

لیجئے مزیدار چکن اسپیگیٹھی تیار ہے مزید ذائقہ حاصل کرنے کے لئے سویا ساس کے ساتھ پیش کریں۔

چکن/شاشلک

اشیاء

چکن	آدھا کلو
نمک، مرچ	حسب ذائقہ
کالی مرچ، لال مرچیں	حسب ذائقہ
سفید سرکہ	ایک کھانے کا چمچ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچ
تیل	دو کھانے کے چمچ
ٹماٹر	آدھا کلو
پیاز	آدھا کلو
شملہ مرچ	آدھا کلو
چائنیز سالٹ	ایک کھانے کا چمچ
ادرک پیسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب

چکن کو ایک کھانے کا چمچ لہسن اور ادرک کا پیسٹ ڈال کر ابالیں، پیاز، شملہ مرچ اور ٹماٹر کو ایک سائز کے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، تیل گرم کر کے مرغی کا ہلکا فرائی کریں پھر اس میں نمک، کالی مرچ، چائنیز سالٹ، لال مرچیں، شکر یلا سرکہ اور شکر یلا سویا ساس ڈال دیں اور ہلکا براؤن کر لیں پھر اس میں کٹی ہوئی سبزیاں بھی شامل کر لیں اور تھوڑی دیر تک پکائیں

لیجئے مزیدار چکن شاشلک تیار ہے، گرما گرم پیش کریں۔

چکن فرائیڈ رائس

اشیاء

چاول	آدھا کلو
مرغی بغیر ہڈی کے ابلی ہوئی سو گرام	
انڈے	دو عدد
سویا ساس	پانچ کھانے کے چمچ
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچ
گاجر کٹی ہوئی	دو عدد چھوٹی
چائنیز سالٹ	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچ
ہری پیاز	دو عدد کٹی ہوئی
بند گوبھی	آدھی کٹی ہوئی

ترکیب

چاول ابال کر الگ کر لیں خیال رہے کہ چاول آدھے کچے اور آدھے ابلے ہوئے ہوں، تیل گرم کریں اور انڈے تل کر اس کے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، چکن کے ٹکڑے، ہری پیاز، بند گوبھی، گاجر، کالی مرچ، نمک، چائنیز سالٹ، سویا سوس، سرکہ یخنی میں ملائیں اور پانچ سے سات منٹ تک پکائیں، چاول شامل کر کے دم آنے تک چھوڑ دیں، چکن فرائیڈ رائس تیار ہیں، سلاد اور چلی سوس کے ساتھ نوش فرمائیں ذائقے کو بڑھائے گا

چکن کارن سوپ

اشیاء

مرغی ابلی ہوئی	ایک پاؤ

یخنی	تقریباً بیس کپ
کارن فلور	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
سویٹ کارن	ایک کپ
انڈے	دو عدد

ترکیب

سویٹ کارن کو اچھی طرح گرائنڈ کرلیں، یخنی کو چولہے پر درمیانی آنچ پر رکھیں پھر اس میں سویٹ کارن ڈال دیں اور چکن کے ریشے بھی ڈال دیں، ریشے تقریباً چار سے پانچ منٹ تک پکائیں، اس کے بعد اس میں کارن فلاور (پانی میں گھول کر) ڈال دیں اور چمچہ چلاتے ہوئے گاڑھا ہونے دیں، اس کے بعد انڈے پھینٹ کر ڈال دیں، انڈے ڈالتے وقت کانٹا استعمال کریں تاکہ اس کی ایک تار سی بنتی جائے، پانچ منٹ پکانے کے بعد چولہے پر سے اتارلیں۔

مزیدار چکن کارن سوپ تیار ہے، سویا سوس، چلی سوس اور سرکہ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

نوٹ: ہری مرچوں کو باریک باریک کاٹ کر سفید سرکے میں ملالیں اور پھر دیکھیں کہ آپ ذائقے کی انتہا کو پہنچ جائیں گے۔

چکن چائنیز رول

اشیاء

میدہ	دو کپ
انڈے	دو عدد
مرغی بغیر ہڈی	ایک پاؤ چھوٹے
سفید سرکہ	آدھی پیالی
سویا ساس	آدھی پیالی
نمک	حسب ذائقہ
دودھ	ایک کپ
گاجر ابلی ہوئی	دو عدد
ہری پیاز ابلی ہوئی	دو عدد
مٹر	آدھی پیالی
شملہ مرچ ابلی ہوئی	ایک عدد
چائنیز سالٹ	دو چائے کے چمچ

ترکیب

میدہ، دودھ اور انڈے ملا کر پیسٹ بنالیں اور چپاتی کی صورت میں ہلکا سا بیل لیں۔

شکریلا سرکہ اور شکریلا سویا ساس میں مرغی، نمک، چائنیز سالٹ اور تمام سبزیاں ڈال لیں اور مکس کرلیں، چپاتی پر یہ تیار شدہ آمیزہ ڈالیں اور اس کو رول کرلیں، میدہ کا پیسٹ لگا کر رول کے کناروں کو بند کردیں اس کے بعد ہلکی آنچ پر ڈیپ فرائی اس وقت تک کریں جب تک رول گولڈن براؤن نہ ہوجائیں، چلی سوس کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

نوٹ: بازار سے بنے بنائے رول کے پرت بھی استعمال کرسکتے ہیں، سبزیاں باریک کٹی ہوئی استعمال کریں۔

چنے کی دال، گوشت

اشیاء

دال چنا	ایک پاؤ
گوشت	آدھا کلو
پیاز	آدھا پاؤ
لہسن	ایک گٹھی
ادرک	آدھی چھٹانک
سبز مرچ	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ	دو چمچ
گھی	آدھا کپ

ترکیب

چنا کو دو تین گھنٹے پہلے بھگو دیں، گوشت کو دھو کر دیگچی میں ڈالیں اور اس میں لہسن پیس کر اور

پیاز کاٹ کر ڈال دیں، نمک مرچ اور ہلدی بھی ڈال کر پکنے کے لئے رکھ دیں، جب گوشت نرم ہو جائے، تو گھی ڈال کر خوب بھون لیں، جب گوشت بھن جائے اور گھی چھوڑ دے تو دال ڈال دیں اور چار گلاس پانی ڈال دیں، ساتھ ہی ادرک کاٹ کر ڈال دیں اور اتنا پکائیں کہ گوشت اور دال دونوں گل کر ایک جان حلیم کی طرح ہو جائیں، اگر زیادہ باریک اور ملائم کرنا چاہیں تو ذرا گھوٹ بھی لیں تاکہ دال ثابت نظر نہ آئے اور چاہیں تو دیگے ہی اس میں دھنیا اور گرم مصالحہ ڈال کر کھانے کے لئے پیش کریں۔

بادام کا حلوہ

اشیاء

بادام کی گری	آدھا کلو
چینی	آدھا کلو
گھی	آدھا کلو
کھویا	ایک پاؤ
زعفران	دو ماشہ
کیوڑہ	چار چمچ

ترکیب

پہلے بادام کو پانی میں بھگو دیں اور چھلکے اتار لیں، اس کے بعد انہیں سل پر باریک پیس لیں، چینی میں ایک پاؤ پانی ڈال کر اس کا شیرہ تیار کر لیں، اب گھی میں الائچی کے دانے ڈال کر کڑکڑائیں اور اس میں پسے ہوئے بادام ڈال کر بھونیں۔

جب بھن جائیں اور خوشبو دینے لگیں تو اس میں کھویا ڈال کر بھونیں۔

اب اس میں چینی کا تیار شیرہ ڈال دیں اور چمچہ چلاتے جائیں، جب خشک ہو جائے تو اس میں زعفران کیوڑے میں پیس کر ملا دیں، جب گھی چھوڑ دے تو اتار لیں اور کسی برتن میں ڈال

چکن پی نٹس اینڈ چلی سوپ

اشیاء

مرغی	آدھا کلو
(بون لیس کیوبز میں کاٹ لیں)	
ادرک (باریک کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت لال مرچ	دس بارہ عدد
(باریک کاٹ لیں)	
مونگ پھلی	آدھا کپ
تیل	آدھا کپ
پیاز	ایک عدد
(سلائس کاٹ لیں)	
شملہ مرچ	ایک عدد

ترکیب

سوپ بنانے کی تیاری میں اہم مرحلہ مرغی کی یخنی بنانے کا ہے، یخنی پانچ گھنٹوں میں تیار ہو گی، اس کے لئے ایک برتن میں سات کپ پانی ڈالیں اور ہڈیاں ڈال کر یخنی تیار کرنے کے لئے رکھ دیں، پانچ گھنٹے تک پکنے دیں، اس کے بعد ہڈیاں الگ کر کے یخنی چھان لیں، اس میں نمک، چائنیز نمک، چینی، چلی ساس، سفید مرچ پاؤڈر اور سرکہ ڈال کر دیں، پندرہ منٹ تک پکائیں، ایک پیالے میں کارن فلور میں پانی شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں، کچھ دیر بعد مشروم، گاجر، بند گوبھی، مرغی، جھینگے اور پھینٹے ہوئے انڈے آہستہ آہستہ سوپ میں شامل کر کے چمچہ چلائیں اور چولہا بجھا دیں، مزے دار ہاٹ اینڈ ساور سوپ تیار ہے، سرونگ باؤل میں نکال کر بند گوبھی اور ہری پیاز کے سلائسز سے گارنش کر کے چلی گارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!
دسمبر کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔
دسمبر رواں سال کا آخری مہینہ، وقت کا دریا بہتا جارہا ہے، دنیا ایک اور سال کی مسافت طے کرنے جارہی ہے۔
لمحے، گھڑیاں، دن، ہفتے، مہینے پر لگا کر سالوں کی منزلوں سے گزر جاتے ہیں اور قافلہ حیات رواں دواں رہتا ہے نئی منزلوں کو سر کرنے کی کوشش مزید سے مزید کی خواہش انسان کو دوڑائے رکھتی ہے اور اس تگ و دو میں انسان یہ بھول جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے کیا پھسلتا جا رہا ہے، زندگی کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، پیچھے مڑ کر دیکھیں تو خواب لگتی ہے، اس بھاگتی دوڑتی زندگی میں کچھ بھی تو مستقل نہیں ہے، ہاں اختتام اٹل ہے اور جو مہلت دی گئی ہے اس کا حساب بھی۔
ایک با مقصد زندگی اور اچھے اعمال ہی روشنی ہے ورنہ انسان تو ہے ہی خسارے میں، جو وقت گزر گیا وہ لوٹ کر نہیں آسکتا، لیکن جو کچھ ہمارے اختیار میں ہے ہمارے ہاتھ میں ہے اس کو بروئے کار لا کر ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور خود پر کامل یقین کے ساتھ نئے سال کا دیا روشن کریں۔
آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں، درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہوئے، اپنی دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھیئے گا اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں۔
لیجئے یہ پہلا خط ڈیرہ اسمٰعیل خان سے پلوشہ خان کا موصول ہوا ہے پلوشہ خان لکھتی ہیں۔
نومبر کا شمارہ ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے خود سے یہ عہد کیا کہ اس مرتبہ خطوط کی محفل میں لازمی شرکت کرنی ہے۔
ٹائٹل پر نیلم منیر جگمگا رہی تھیں، اسلامیات والا حصہ حسب عادت سب سے پہلے پڑھا، ہمیشہ کی طرح سبحان اللہ، اللہ اکبر کہتے ہوئے ان پیاری باتوں پر عمل کرنے کا عہد کیا، اس کے بعد انشاء جی سے ملاقات کی جو یہ کہتے ہوئے ملے کہ ''ڈگریاں بڑی نعمت ہیں'' ان سے اتفاق کرتے ہوئے سونیا چوہدری کے ساتھ ایک دن گزارہ اور انجوائے کیا۔
''دل گزیدہ'' ام مریم کا ناول دیکھ کر بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا، کہ مریم جی نے اس ماہ ٹائم نکال ہی لیا اپنے قارئین کے لئے، اس مرتبہ کی قسط بے حد اچھی تھی، اگلی قسط کا انتظار میں ایک مہینہ دن گن گن کر گزرے گا۔
مکمل ناول ''زندگی بن گئے ہو تم'' میں ایمان قاضی کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکیں، اس سے پہلے ان کی جو تحریریں حنا میں شائع ہوئی وہ بے حد اچھی تھیں مگر اس مرتبہ کی تحریر الجھی ہوئی بے ربط سی تھی۔

لیکن دوسرا مکمل ناول ''دل چندرا'' کے مقابلے میں پھر بھی اچھی تھی، ''دل چندرا'' طیبہ ہاشمی نے نہ جانے کیا سوچ کر لکھا اور شاید فوزیہ آپی نے بھی بلا سوچے سمجھے شائع کر دیا، ورنہ طیبہ کی یہ تحریر انتہائی سست اور بور تھی، ناولٹ میں درِ ثمن کی تحریر بے حد دلچسپ ہے خصوصاً ہیروئین کا نام، ویسے درِ ثمن آپس کی بات ہے یہ امیر زادی کے والدین جو ہوتے ہیں وہ بیٹی کے لئے باڈی گارڈ ہمیشہ خوبصورت ہی کیوں رکھتے ہیں؟ اور شومئی قسمت ان کی بیٹی کا دل بھی باڈی گارڈ کو دیکھتے ہی کیوں مچل جاتا ہے؟

شبانہ شوکت کا ''چارہ گر'' بھی دلچسپ تحریر تھی، جبکہ نایاب جیلانی نے اس مرتبہ اپنے ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' میں کہانی کو بے حد دلچسپ بنا دیا ہے حالات و واقعات نے بڑی تیزی سے پلٹا کھایا ہے، اگلی قسط کا انتظار ہے۔

افسانوں میں شاہانہ عرفان کا افسانہ ''حصار محبت'' اپنے موضوع کے اعتبار سے اچھا لگا، جبکہ سیما بنت عاصم کی تحریر ''دھنک کے رنگ'' بھی بے حد اچھی تحریر تھی، عرصے بعد سیما جی اپنے مخصوص رنگ میں نظر آئیں۔

ثناء کنول اور کنول ریاض کے افسانے بھی متاثر کن تھے، حمیرا نوشین اور رافعہ جاوید کی تحریر بھی پسند آئی۔

یا خدا یہ کیا سلسلہ چل نکلا ہے، ''یادِ رفتگاں'' اکتوبر کے شمارے میں کنول ریاض کی اپنے والد کے لئے اور اس ماہ صباء جاوید کی تحریر اپنی بہن کے لئے شائع کی گئیں، دونوں کو پڑھ کر دل افسردہ ہو گیا، صباء آپ کے لکھے ایک ایک لفظ میں اپنی بہن کے لئے محبت جھلک رہی ہے، ہم دعا گو ہیں کہ اللہ پاک آپ کی بہن کے درجات بلند کرے آمین۔

مستقل سلسلے سبھی بے حد اچھے تھے، کس قیامت کے یہ نامے کا گلدستہ اپنی آب و تاب کے ساتھ اس محفل کو خوبصورت بنا رہا تھا۔

پلوشہ خان اس محفل میں خوش آمدید، نومبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف و تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچا دی ہیں، طیبہ ہاشمی نے اس تحریر میں مختلف سرِ سنگیت کو موضوع بنایا ہے اس لئے ان کی یہ تحریر آپ کو تھوڑی مختلف لگی، بہر حال ہم آئندہ بھی آپ کی پسند کا خیال رکھیں گے اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

معکوس شاہ: کی ای میل کینیڈا سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

پچھلے چار سالوں سے میں کینیڈا میں مقیم ہوں آتے وقت جو اس خوش فہمی میں خود بھی مبتلا تھی اور اپنے پیاروں کو بھی اس میں مبتلا کیا کہ سال کے بعد ایک چکر پاکستان کا لازمی لگے گا مگر...... ہائے یہ عہد، ایک سال تو کیا چار سال بعد بھی آ نہ سکی، شاید اس ملک کے سرد موسموں، خشک جذبات سے عاری انسانوں کے ساتھ رہ رہ کر میں بھی ان جیسی ہو گئی ہوں، بے حسی سے بھرپور مشینی زندگی گزارنے والی، لیکن نہیں یہ بات غلط ہو جاتی ہے اس وقت جب میں آن لائن ماہنامہ حنا کی دنیا میں پہنچتی ہوں، دل ہمک ہمک کر اپنے دیس اپنے لوگوں میں جانے کی التجا کرتا ہے، فوزیہ میں یہ تو نہیں کہتی کہ میں ہر ماہ باقاعدگی سے حنا پڑھتی رہی ہوں، نہیں مصروفیات زندگی سے اتنی ہے کہ چند گھنٹے اپنی ذات کے لئے نکالنا بھی عیاشی کے زمرے میں آتا ہے، ورنہ میرے گھر کے سامنے سے گزرتی ٹرین کی سیٹی میں جو ہجر کے نوحے کو کتے ہیں وہ میرے پردۂ ذہن پر ان گنت کہانیوں کی تصویریں بناتے

ہیں، بہت سے موضوع قلم کی نوک سے لکھے جانے کی حسرت میں کارخانہ دل میں مدفون ہو جاتے ہیں اور میں دل کی حسرتوں کو دل میں دبائے چند پل جو اپنی ذات کے لئے نکالتی ہوں اس میں اولین ترجیح حنا کی نگری کی سیر ہوتی ہے، پچھلے دو سالوں سے تو اب ہر ماہ حنا پڑھنے کو آن لائن مل جاتا ہے، ماشاء اللہ اب تو بہت سی نئی بہنوں نے اس میں اپنی جگہ مستحکم کر لی ہے، ام مریم تو ہمیشہ سے ہی حنا کا حصہ تھیں، اب نایاب جیلانی کا ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' میری پسندیدہ ترین تحریر ہے، ام مریم کا ناول ''دل گزیدہ'' اگرچہ تھوڑی سنجیدہ تحریر ہے جبکہ مریم کا انداز تحریر محبتوں اور شرارتوں سے بھرپور ہوتا ہے مگر ماشاء اللہ بہت اچھی گرفت ہے ام مریم کی پلاٹ پر، کردار، واقعات اور منظر نگاری بہت خوب ہے مریم آپ کی تحریر میں، درشمن کو بھی پڑھتے وقت احساس ہوتا ہے کہ یہ لڑکی شاید محبتیں پھیلانے کے لئے ہی لکھتی ہے ایک ایک لفظ محبت کی چاشنی میں ڈوبا ہوتا ہے۔

حنا کا سب سے فیورٹ سلسلہ پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں اور انشاء نامہ آج بھی اتنی دلچسپی سے پڑھتی ہوں جیسے پہلے پڑھتی تھی، حنا میں بہت سی نئی رائٹرز آئی جو بھی اچھا لکھ رہی ہیں، (پیاری بہنوں کبھی میں بھی اس کا حصہ تھی)، مستقل سلسلے بھی بے حد دلچسپ ہوتے ہیں، ایک دن حنا کے ساتھ کا سلسلہ تو میرا موسٹ فیورٹ سلسلہ ہے۔

فوزیہ آپ کی محبتیں آج بھی نہیں بھولی، لیکن مجھے آپ سے شکوہ ہے کہ آپ نے مجھے بھلا دیا، بہت عرصہ سے آپ نے مجھے کوئی ای میل نہیں بھیجی کوئی میسج نہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔

معکنوں شاہ خوش آمدید بہت بہت زیادہ اس محفل میں، یہ آپ نے کیسے سوچا ہم نے آپ کو بھلا دیا ہرگز نہیں، آپ کا اور میرا ساتھ حنا میں ایک ساتھ شروع ہوا تھا اور ہم آپ کبھی بھولنے والے نہیں، آپ کی تحریروں کے بے بہت سے قارئین آج بھی فرمائش کرتے ہیں، مصروفیت اپنی جگہ مگر کیا ہی اچھا ہو جو آپ چند لمحے حنا کے قارئین کے لئے بھی نکال لیں اور تحریر لکھ کر ای میل کر دیا کریں ہمیں خوشی ہوگی، پردیس جانے والے سبھی اسی سوچ کے ساتھ جاتے ہیں کہ گئے اور آئے، مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے، ہم آپ کے لئے دعا گو ہیں کہ آپ جہاں بھی رہیں خوش رہیں، حنا میں آپ کی شرکت نے ہمیں دلی خوشی دی، آپ کی آمد کا شکریہ۔

☆☆☆

''مبارک باد''

پچھلے ماہ ایک آن لائن جریدے کے تحریری مقابلے میں ہماری ہر دلعزیز مصنفہ سندس جبیں نے شرکت کی اور اپنی تحریر پر پہلا انعام حاصل کیا۔
ادارہ حنا کی جانب سے اس کامیابی پر سندس جبیں کو دلی مبارک باد۔